قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً

الحمد للّٰہ والمنۃ کہ فصولِ ثلاثین من الاربعین مصنفہ حجۃ الاسلام
حضرت امام غزالیؒ کا سلیس و بامحاورہ ترجمہ

المعروف بہ

تبلیغِ دین محشّٰی

مترجمہ جناب مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب مولوی فاضل میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

پسندیدہ حضرت حکیم الامۃ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ

ذخیرہ محمد وقار محمد

شائع کردہ

خان بہادر حاجی محمد وجیہ الدین ایم بی ای ۔ سی ۔ ی

آرمس اینڈ امیونیشن امپوریم

کراچی صدر ۳

سنہ ۱۳۷۳ھ

سنہ ۱۹۵۳ء

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

13856

اعمال ظاہری کے دس اصول ہیں

پہلی اصل نماز کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میری یاد کے لئے نماز قائم کرو" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] فرماتے ہیں "نماز دین کا ستون ہے"۔ خوب سمجھ لو کہ تم نماز میں اپنے پروردگار سے باتیں کرتے ہو، لہذا دیکھ لیا کرو کہ نماز کیسی پڑھ رہے ہو اور چونکہ اللہ پاک نے اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز کے درست کرنے کا حکم فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز اور نماز کے متعلق تمام ضرورتوں کی پوری رعایت کرو لہذا نماز میں ان تینوں باتوں کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے اول نماز سے پہلے وضو کی نگہداشت کرو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وضو میں جس قدر سنتیں اور مستحبات ہیں ان کو بجا لاؤ اور ہر عضو کے دھونے کے وقت وہ دعا[2] پڑھو جو حدیث میں آئی ہے اور اس کے ساتھ ہی کپڑوں کا اور وضو کے پانی کا

---

[1] بیہقی ضعیف۔ ابونعیم مرسل۔ ابن حجر کہتے ہیں اس کے سب راوی ثقہ ہیں اور بہت طریقوں سے ہے ۱۲۔

[2] یعنی وضو سے پہلے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ۝ پڑھ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ اس کے بعد ہاتھ دھونے پر اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْیُمْنَ وَالْبَرَکَۃَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الشُّؤْمِ وَالْھَلَاکَۃِ ۝ اور کلی کرتے وقت اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ کِتَابِکَ وَکَثْرَۃِ الذِّکْرِ لَکَ وَالشُّکْرِ لَکَ ۝ ناک میں پانی ڈالتے وقت اَللّٰھُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ ۝ ناک سنکنے کے وقت اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ رَّوَائِحِ النَّارِ وَمِنْ سُوْءِ الدَّارِ ۝ منہ دھوتے وقت اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ اَوْلِیَائِکَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِکَ۔ داہنا ہاتھ کہنی دھونے وقت اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تُعْطِیَ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَھْرِیْ سر کا مسح کرتے وقت اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اَللّٰھُمَّ اَسْمِعْنِیْ مُنَادِیَ الْجَنَّۃِ مَعَ الْاَبْرَارِ۔ گردن کا مسح کرتے وقت اَللّٰھُمَّ فُکَّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ ۝ داہنا پاؤں دھوتے وقت اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلٰی صِرَاطِکَ الْمُسْتَقِیْمِ ۝ بایاں پاؤں دھوتے وقت اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ فِی النَّارِ۔ اور وضو کے بعد کھڑے ہو کر یہ دعا پڑھے اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ

(باقی بر صفحہ ۳)

خیال رکھو کہ دونوں پاک ہوں لیکن اس میں اتنا مبالغہ نہ کرو کہ وسواس تک نوبت پہنچ جائے کیونکہ یہ وسوسہ شیطانی ہے اور شیطان اکثر عبادت کرنے والے نیک بندوں کے اوقات اسی شش و پنج میں ضائع کرتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نمازی کے کپڑوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پھل کے اوپر کا چھلکا اور بدن کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کا چھلکا اور قلب کی مثال ایسی ہے جیسے اندر کی گری اور مغز۔ اور ظاہر ہے کہ مقصود مغز ہوا کرتا ہے اسی طرح اس ظاہری پاکی سے بھی قلب کا

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْٓءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ فَاغْفِرْ لِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؕ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ عَبْدًا صَبُوْرًا شَكُوْرًا۔ اَذْكُرُكَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّاُسَبِّحُكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ اس کے بعد تین بار سورۃ انا انزلنا پڑھے ۱۲۔ مترجم

۵۲ اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے کوچوں سے اور آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔ ۵۳ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں سعادت اور برکت کا اور پناہ مانگتا ہوں نحوست اور ہلاکت سے۔ ۵۴ اے اللہ مجھے اپنی کتاب کی تلاوت اور ذکر و شکر کی کثرت پر امداد دیجئے۔ ۵۵ اے اللہ مجھے جنت کی خوشبو سنگھایئے اور آپ مجھ سے راضی رہیں۔ ۵۶ اے اللہ میں آپ کی پناہ طلب کرتا ہوں دوزخ کی بو اور اس جیسے بُرے گھر سے۔ ۵۷ اے اللہ جس دن آپ کے دوستوں کے چہرے نورانی ہوں میرے چہرے کو بھی نورانی کیجئے اور جس دن آپ کے دشمنوں کے چہرے سیاہ کئے جائیں میرا چہرہ سیاہ نہ کیجئے۔ ۵۸ اے اللہ میرا اعمالنامہ میرے داہنے ہاتھ میں دیجئے اور میرا حساب سہل کیجئے۔ ۵۹ اے اللہ میں اس سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ آپ میرا اعمالنامہ بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے سے دیں۔ ۶۰ اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دیجئے جو بات سن کر اچھی کی پیروی کر لیتے ہیں۔ اے اللہ مجھے نیکوں کے ساتھ جنت کی منادی سنایئے۔ ۶۱ اے اللہ میری گردن کو دوزخ سے آزادی دلایئے اور میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں زنجیروں اور طوقوں سے۔ ۶۲ اے اللہ میرے قدم کو اپنے سیدھے راستے پر رکھئے۔ ۶۳ اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میرا قدم پل صراط پر پھسل جائے جس دن کہ منافقوں کے قدم آگ میں پھسل جائیں گے۔ ۶۴ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہیں کوئی ان کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد ان کے بندے اور انکے رسول ہیں اے اللہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور حمد کرتا ہوں آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے برے عمل کئے ہیں اپنی جان پر ظلم کیا ہے آپ سے بخشش چاہتا ہوں اور آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں پس مجھے بخش دیجئے اور توبہ قبول فرمایئے بیشک آپ ہی توبہ قبول فرمانے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں۔ اے اللہ مجھے توبہ کرنیوالوں میں سے بنا دیجئے اور پاکوں میں سے بنا دیجئے اور اپنے نیک بندوں میں سے بنا دیجئے اور مجھے نہایت صبر اور شکر کرنیوالا بنا دیجئے کہ میں آپ کا خوب ذکر کیا کروں اور صبح و شام آپکی پاکی بیان کیا کروں۔ ۱۲۔

Marfat.com

پاک ہونا اور نورانی بنانا مقصود ہے[۵۱]۔ شاید تم کو یہ شبہ ہو کہ کپڑے کے دھونے سے قلب کس طرح پاک ہو سکتا ہے لہٰذا سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے ظاہر اور باطن میں ایک ایسا خاص تعلق رکھا ہے جس کی وجہ سے ظاہری طہارت کا اثر باطنی طہارت تک ضرور پہنچتا ہے چنانچہ جب چاہو دیکھ لو کہ جب تم وضو کر کے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے قلب میں ایسی صفائی اور انشراح[۵۲] پاتے ہو جو وضو سے پہلے نہ تھی اور ظاہر ہے کہ یہ وضو ہی کا اثر ہے جو بدن سے آگے بڑھ کر دل تک پہنچتا ہے۔ **دوم** نماز کے جملہ ارکان خواہ سنتیں ہوں یا مستحبات اور ذکر ہو یا تسبیح سب کو اپنے اپنے قاعدہ پر ادا کرو، اور یاد رکھو کہ جس طرح بدن کی ظاہری طہارت نے قلب کی باطنی صفائی میں اثر دکھایا تھا اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ نماز کے ارکان کا اثر قلب میں ہوتا ہے اور نورانیت پیدا کرتا ہے۔ اور جس طرح مریض کو دوا پینے سے ضرور نفع ہوتا ہے اگرچہ وہ دوا کے اجزا کی تاثیروں سے واقف نہ ہو اسی طرح تم کو نماز کے ارکان ادا کرنے سے ضرور نفع پہنچے گا اگرچہ تمہیں اس کے اسرار و رموز سے واقفیت نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ جاندار مخلوق کی طرح حق تعالیٰ نے نماز کو بھی ایک صورت اور روح مرحمت فرمائی ہے چنانچہ نماز کی روح تو نیت اور قلب ہے اور قیام و قعود نماز کا بدن ہے اور رکوع و سجدہ نماز کا سر اور ہاتھ پاؤں ہیں اور جس قدر اذکار و تسبیحات نماز میں ہیں وہ نماز کے آنکھ کان وغیرہ ہیں اور اذکار و تسبیحات کے معنی کو سمجھنا گویا آنکھ کی بینائی اور کانوں کی قوت سماعت وغیرہ ہے اور نماز کے تمام ارکان کو اطمینان اور خشوع[۵۳] و خضوع کے ساتھ ادا کرنا نماز کا حسن یعنی بدن کا سڈول اور رنگ و روغن کا درست ہونا ہے۔ الغرض اس طرح پر نماز کے اجزاء اور ارکان کو بحضور قلب پورا کرنے سے نماز کی ایک حسین و جمیل اور پیاری صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نماز میں جو تقرب نمازی کو حق تعالیٰ سے حاصل ہوتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کوئی خدمتگار اپنے بادشاہ کی خدمت میں کوئی خوبصورت کنیز[۵۴] ہدیہ پیش کرے اور اس وقت اس کو بادشاہ سے تقرب حاصل ہو پس اگر تمہاری نماز میں خلوص نہیں ہے تو گویا مردہ اور بے جان کنیز بادشاہ کے نذر کر رہے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ ایسی گستاخی و بیباکی ہے کہ ایسا گستاخ شخص اگر قتل کر دیا جائے تو عجب نہیں اور اگر نماز میں رکوع و سجدہ نہیں ہے

---

[۵۱] یعنی بڑا مقصود کیونکہ ظاہری پاکی بھی مقصود ہے جیسا کہ شرع کہتی ہے۔ [۵۲] کھلنا یا فرحت۔
[۵۳] عاجزی و انکساری۔ [۵۴] باندی لونڈی زر خرید ۱۲۔

وضو کرنے اور کپڑے دھونے کی ظاہری طہارت میں باطنی صفائی کی حکمت۔ نماز کے اجزا کا ہر حال نفع بخش ہونا اگرچہ ان کے اسرار معلوم نہ ہوں۔ نماز کی روح اور اعضا

توگویا لنگڑی لولی اور اپاہج لونڈی نذر کرتے ہو۔ اور اگر ذکر و تسبیح اس میں نہیں ہے تو گویا لونڈی کے آنکھ کان نہیں اور اگر سب کچھ موجود ہے مگر ذکر و تسبیح کے معنی نہیں سمجھے اور نہ دل متوجہ ہوا تو ایسا ہے جیسے کنیز کے اعضا تو سب موجود ہیں لیکن ان میں حس و حرکت بالکل نہیں یعنی حلقۂ چشم موجود ہے مگر بینائی نہیں ہے اور کان موجود ہیں مگر بہری ہے کہ سنائی نہیں دیتا۔ ہاتھ پاؤں ہیں مگر شل اور بے حس ہیں۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اندھی بہری کنیز شاہی نذرانہ میں قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ شاید تمہیں یہ شبہ ہو کہ جب نماز کے فرض اور واجب ادا کر دیئے جاتے ہیں تو علماء شریعت اس نماز کے صحیح ہو جانے کا فتویٰ دیدیتے ہیں خواہ معنی سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں اور جب نماز صحیح ہو گئی تو جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معنی کا سمجھنا نماز میں ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا سمجھ لو کہ علماء کی مثال طبیب کی سی ہے پس اگر کوئی لونڈی اپاہج اور کیسی ہی عیب دار کیوں نہ ہو اگر اس میں روح موجود ہے تو طبیب اسکو دیکھ کر ضرور یہی کہے گا کہ یہ زندہ ہے مردہ نہیں ہے اسی طرح نماز کی روح اور اعضائے رئیسہ کے موجود ہونے سے علما فتویٰ دیدیتے ہیں کہ نماز صحیح ہے اور فاسد نہیں ہے ایسی صورت میں طبیب نے اور عالم نے اپنے منصب کے موافق جو کچھ کہا وہ صحیح ہے مگر نماز تو شاہی نذرانہ اور سلطانی تقرب حاصل ہونے کی حالت ہے۔ اور اتنا تم خود سمجھ سکتے ہو کہ عیب دار کنیز اگرچہ زندہ ہے مگر سلطانی نذرانہ پیش کرنے کے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی کنیز کا تحفہ پیش کرنا گستاخی اور شاہی عتاب کا موجب ہے۔ اسی طرح اگر ناقص نماز کے ذریعہ سے اللہ کا تقرب چاہو گے تو کچھ عجب نہیں کہ پھٹے پرانے[1] کپڑوں کی طرح لوٹا دی جائے اور منہ پر پھینک ماری جائے الغرض نماز سے مقصود چونکہ حق تعالیٰ کی تعظیم ہے لہٰذا نماز کے سنن اور مستحبات و آداب میں جسقدر بھی کمی ہو گی اسیقدر احترام و تعظیم میں کوتاہی سمجھی جائے گی۔

سوم: نماز کی روح کا زیادہ خیال رکھو یعنی نماز میں شروع سے اخیر تک اخلاص اور حضور قلب[2] قائم رکھو اور جو الفاظ زبان سے کہتے ہو یا جو کام اعضاء کرتے ہو ان کا اثر دل میں بھی پیدا کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رکوع میں بدن جھکے تو دل بھی عاجزی کے ساتھ جھک جانا چاہئے اور جب زبان اللہ اکبر[3] کہے تو دل میں بھی یہی ہو کہ بیشک اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے اور جب الحمد پڑھو تو قلب بھی اللہ کی نعمتوں کے شکریہ سے لبریز ہو اور جس وقت زبان سے ایاک نعبد وایاک نستعین[4] نکلے تو دل بھی اپنے ذلیل وضعیف اور محتاج ہونے کا اقرار کرے یعنی

---

[1] یہ مضمون طبرانی کی روایت کا ہے جو ضعیف مگر فضائل میں معتبر ہے۔ [2] دل کا متوجہ ہونا۔ [3] اللہ ہر شے سے بہت بڑے ہیں۔ [4] ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ ۱۲

قلب میں بھی یہی ہو کہ بیشک بجز خدا کے کسی چیز کا نہ مجھے اختیار ہے نہ کسی دوسرے کو۔ غرض تمام اذکار و تسبیحات اور جملہ ارکان و حالات میں ظاہر و باطن یکساں اور ایک دوسرے کے موافق ہونا چاہیئے اور سمجھ لو کہ نامۂ اعمال میں نماز وہی لکھی جاتی ہے جو سوچ سمجھ کر پڑھی گئی ہو۔ پس جتنا حصہ بغیر سمجھے ادا ہوگا وہ درج نہ ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شروع شروع پوری طرح حضور قلب قائم رکھنے میں تم کو بہت دشواری معلوم ہوگی لیکن اگر عادت ڈالو گے تو رفتہ رفتہ ضرور عادت ہو جائے گی اس لئے

حضور قلب حاصل کرنے کی تدبیر

اس کی طرف توجہ کرو اور اس توجہ کو آہستہ آہستہ بڑھاؤ مثلاً اگر تمہیں چار فرض پڑھنے ہوں تو دیکھو کہ اس میں حضور قلب کسقدر حاصل ہوا؟ فرض کرو کہ ساری نماز میں دو رکعت کی برابر تو دل کو توجہ رہی اور دو رکعت کی برابر غفلت رہی تو ان دو رکعتوں کو نماز میں شمار ہی نہ کرو اور اتنی نفلیں پڑھو کہ جن میں دو رکعت کی برابر حضور قلب حاصل ہو جائے۔ غرض جتنی غفلت زیادہ ہو اُسی قدر نفلوں میں زیادتی کرو حتی کہ اگر دس نفلوں میں چار فرض رکعتوں کا حضور قلب پورا ہو جائے تو امید کرو کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے فرائض کا نقصان ان نفلوں سے پورا فرما دیگا اور اس کمی کا تدارک[1] نوافل سے منظور فرمالے گا۔

دوسری اصل زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کا بیان

فرضیت صلوٰۃ کی مصلحت

حق تعالیٰ شانہ فرماتا ہے کہ "جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اُس دانہ کی طرح ہے جس میں سات بالیں ہوں کہ ہر بال میں سو دانے"۔ اور جناب رسول[2] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جنھوں نے اپنا مال دو ہتڑ بھر بھر کر راہِ خدا میں لٹایا ہے وہی ہلاکت سے نجات پائینگے" چونکہ صدقات و خیرات میں مخلوق کی ضرورتیں اور محتاجوں کے فاقے رفع ہوتے ہیں اس لئے یہ بھی دین کا ایک ستون ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ چونکہ مخلوق کو اللہ سے محبت رکھنے کا حکم ہے اور مسلمان بزعم خود محبت خدا کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ لہذا اللہ پاک نے مال خرچ کرنے کو اپنی محبت کا معیار[3] اور آزمائش کی کسوٹی بنا دیا ہے تاکہ مدعیانِ ایمان کے دعویٰ کا جھوٹ سچ کھل جائے کیونکہ عام قاعدہ ہے کہ انسان اپنے اس محبوب کے نام پر جس کی محبت قلب میں زیادہ ہوتی ہے اپنی تمام مرغوب اور پیاری چیزیں لٹا دیا کرتا ہے پس مال جیسی پیاری چیز کا حق تعالیٰ کے نام پر خرچ کر ڈالنا خدا کے ساتھ محبت کے بڑھے ہوئے ہونے کی علامت ہے اور بخل کرنا خدا کی محبت نہ ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1] ابن مبارک نے عمار سے روایت کیا ہے غیر عقلی ہونے کی وجہ سے حدیث کے درجہ میں ہے۔ [2] مضمون حاکم نے روایت کیا۔ [3] مضمون مسلم و بخاری۔ [4] جس سے کسی چیز کا اندازہ لگایا جاسکے ۱۲۔

Marfat.com

خیرات کا اعلیٰ درجہ

صدقہ وخیرات دینے والے مسلمان تین طرح کے ہیں ایک تو وہ ہیں جنھوں نے جو کچھ بھی پایا سب راہِ خدا میں دیدیا اور خدا کے ساتھ محبت رکھنے کا دعویٰ سچ کر دکھایا مثلاً حضرت صدیق[1] عتیق رضی اللہ عنہ کہ جو کچھ بھی گھر میں تھا انھوں نے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لا رکھا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "اے ابوبکر اپنے لئے کیا رکھا؟" تو عرض کیا کہ "اللہ اور اللہ کا رسول"۔ اسی موقعہ پر حضرت[2] فاروق رضی اللہ عنہ بھی بغرض خیرات مال لائے تھے اور ان سے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال کیا تھا کہ "اے عمرؓ تم نے اپنے لئے کیا رکھا؟" تو انھوں نے جواب دیا کہ جسقدر لایا ہوں، اسی قدر چھوڑ آیا ہوں"۔ اسوقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3] نے فرمایا کہ "تم دونوں کے مرتبوں کا فرق تم دونوں کے جواب سے ظاہر ہے"۔

خیرات کا متوسط درجہ

دوسرے درجہ میں وہ متوسط لوگ ہیں جو سارا مال تو خدا کے نام پر نہیں لٹاتے مگر اس کے ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتے بلکہ محتاج بندوں کی حاجتیں ظاہر ہونے کے منتظر رہتے ہیں اور جس وقت کوئی صرف[4] پاتے یا کسی کو محتاج دیکھتے ہیں تو بیدریغ[5] مال خرچ کر ڈالتے ہیں یہ لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ یعنی مقدار فرض ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ سارے مال کو خدا ہی کیلئے خرچ کرنے کی نیت رکھتے ہیں کہ مال پاس رکھنے سے ان کی غرض اس کو راہِ خدا ہی میں خرچ کرنے کی ہے البتہ موقع اور محل کا انتظار رہتا ہے۔

خیرات کا ادنیٰ درجہ

تیسرے درجہ میں وہ کمزور مسلمان ہیں جو زکوٰۃ واجبہ ہی کے ادا ہونے کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اگر اس سے زیادہ خیرات نہیں کرتے تو مقدار واجب میں حبہ[6] برابر کمی بھی نہیں کرتے ان تینوں گروہوں کے مرتبوں کا فرق اور حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کی مقدار ان کے خرچ کی حالت سے خود ہی سمجھ لو پس اگر تم پہلے اور دوسرے درجہ تک نہ پہنچ سکو تو کم سے کم تیسرے درجہ سے بڑھ کر متوسط لوگوں کے ادنیٰ طبقہ تک تو پہنچنے کی کوشش ضرور کرو کہ مقدار واجب کے علاوہ روزانہ کچھ نہ کچھ صدقہ کر دیا کرو اگرچہ روٹی[7] کا ذرا سا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو پس اگر ایسا کرو گے تو بخیلوں کے طبقہ سے اوپر چڑھ جاؤ گے اور اگر تم مفلس و تہیدست[8] ہو تو یہ نہ سمجھو کہ صدقہ مال ہی میں منحصر[9] ہے اور ہم اس سے معذور ہیں نہیں بلکہ اپنی عزت وجاہ آرام و آسائش قول و فعل غرض جس پر بھی تم کو قدرت ہو اس کو اللہ کے نام پر خرچ کرو مثلاً بیمار کا پوچھنا، جنازہ کے ساتھ جانا،

---

[1] سچا و آزاد کیا ہوا۔ دونوں حضرت ابوبکرؓ کے لقب ہیں کہ سچے اور دوزخ سے آزاد کئے ہوئے تھے۔ [2] حضرت عمرؓ کہ حق و باطل میں خوب فرق کرنیوالے تھے۔ [3] یہ مضمون دو حدیثوں کا ایک کر دیا گیا اول کو ترمذی نے حسن صحیح کہکر اور دوم کو ابونعیم نے مرسل وجید بیان کیا ہے [4] مستحق [5] بلا افسوس [6] دانہ [7] خالی ہاتھ [8] گھرا ہوا۔ ۱۲

اور حاجت کے وقت محتاج کی مدد کر دینا مثلاً کسی مزدور کا بوجھ بٹا لینا یا سہارا لگا دینا یا سعی و سفارش سے کسی کا کام نکلوا دینا اور نیک بات کہنا یعنی ہمت بندھانا ڈھارس دلانا وغیرہ یہ سب امور صدقہ[1] ہی میں شمار ہوتے ہیں اور ایسے صدقات ہیں جن کیلئے مالدار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ زکوٰۃ و صدقات میں پانچ باتوں کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔ **اول** جو کچھ بھی دیا کرو وہ لوگوں سے چھپا کر دیا کرو کیونکہ حدیث[2] میں آیا ہے کہ چھپا کر خیرات دینا پروردگار کے غصہ کو بجھاتا ہے اور جو مسلمان[3] اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو تو وہ ان سات بندوں کے ساتھ محشور[4] ہوگا جن پر حق تعالیٰ قیامت کے دن سایہ فرمائیگا جبکہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا اور اس میں حکمت یہ ہے کہ صدقہ سے مقصود بخل کی بد خصلت کا دور کرنا ہے مگر اس میں ریا[5] کے خطرناک مرض کا اندیشہ ہے اسلئے چھپا کر دینے کے سبب ریا سے نجات مل جائے گی کیونکہ مسلمان جب قبر میں رکھدیا جاتا ہے تو ریا سانپ کی صورت اور بخل بچھو کی شکل بن کر اسکو تکلیف پہنچاتا ہے پس جس نے خیرات کرنے سے جی چرایا اور بخل اختیار کیا تو اس نے اپنی قبر میں کاٹنے کیلئے بچھو بھیجدیئے اور اگر کسی نے خیرات تو کی مگر دکھاوے اور نمود کی غرض کی ہے تو بچھو کو گویا سانپ کی غذا بنا دیا۔ اس صورت میں بچھو سے تو نجات مل گئی مگر سانپ کی زہریلی قوت اور زیادہ ہوگئی کیونکہ بخل کا منشا پورا ہوا تو بچھو کا زور بڑھیگا اور ریا کا منشا پورا ہوا تو سانپ کا زور زیادہ ہوگا۔ **دوم** جسے خیرات دیا کرو اس پر احسان نہ سمجھو اور اس کی شناخت یہ ہے کہ مثلاً تم نے کسی محتاج کو خیرات کے طور پر کچھ دیا اور اس سے شکر گذاری کی توقع رکھی یا مثلاً وہ تمہارے ساتھ کچھ بدسلوکی سے پیش آیا تمہارے دشمن کے ساتھ محبت کرنے لگا تو تم کو اس قدر ناگوار گزرا کہ اگر صدقہ دینے سے پہلے یہی صورت پیش آتی تو یقیناً اتنا ناگوار نہ گذرتا تو اس سے صاف سمجھ میں آگیا کہ تم نے اس محتاج پر اپنا احسان سمجھا جبھی تو اس کی بدسلوکی پر اتنا طیش آیا۔ لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس محتاج کو اپنا محسن سمجھو کہ جس نے تم سے صدقہ کا مال لیکر تم کو حق خداوندی سے سبکدوش کر دیا اور تمہارے مرض بخل کا طبیب بن گیا کیونکہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ و خیرات سے مقصود بخل کا دور کرنا ہے پس مال زکوٰۃ گویا بخل کا دھوون ہوا یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ و صدقہ کا مال اپنے خرچ میں نہ لاتے اور فرمایا کرتے[6] تھے کہ یہ مال کا میل ہے

نفلی بلا وزن کی خیرات

صدقہ کو چھپانے کی مصلحت

احسان جتانے کا امتحان

---

[1] بخاری و مسلم کی کئی حدیثوں میں۔ [2] ابن عساکر ضعیف عزیزی حسن لغیرہ طبرانی کی صحیح ہے۔ [3] مضمون بخاری و مسلم۔ [4] اٹھایا ہوا۔ [5] دکھاوا۔ [6] مسلم ۱۲۔

Marfat.com

توجس مسلمان نے تمہارے مال کا میل لیکر تمہیں اور تمہارے مال کو پاک وصاف بنا دیا تو بھلا تہیں بتاؤ کہ اس کا تم پر احسان ہوا یا تمہارا اس پر احسان ہوا؟ بھلا اگر کوئی جراح مفت فصد کھولکر تمہارا وہ ناقص خون نکالدے جو تمہاری دنیوی زندگی کیلئے مضر ہے تو کیا تم اس کو اپنا محسن نہیں سمجھتے؟ اسی طرح جو شخص تمہارے قلب سے بخل کے فاسد مادہ کو کہ جس کے ضرر کا حیاتِ اخروی میں اندیشہ ہے بلامعاوضہ لئے ہوئے مفت نکالدے تو اسکو بدرجۂ اولیٰ اپنا محسن وخیر خواہ سمجھنا چاہیے —

تیسری بات یہ ہے کہ عمدہ سے عمدہ اور پاکیزہ مال خیرات کرو کیونکہ جو چیز تمہیں ناپسند ہو اس کا اللہ کے نام دینا کیسے مناسب ہوسکتا ہے۔ تم سن ہی چکے ہو کہ اس سے مقصود دعویٰ محبتِ خداوندی کا امتحان ہے۔ بس جیسی بری یا بھلی چیز اللہ پاک کے نام پر خیرات کروگے اس سے خود معلوم ہوجائے گا کہ تمہیں اللہ کے ساتھ کس قدر محبت ہے۔ **چوتھی** بات یہ ہے کہ تمہیں جو کچھ دینا ہو ہشاش بشاش[۱] اور خندہ رو ہوکر[۲] دیا کرو کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۳] کہ "ایک درہم لاکھ درہم سے بڑھ جاتا ہے" اس کا مطلب یہی ہے کہ جو ایک درہم نیک نیتی اور خوشی کے ساتھ دیا گیا ہے وہ ان لاکھ درہموں سے بڑھا ہوا ہے جو ناگواری[۴] کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔ **پانچویں** بات یہ ہے کہ صدقہ کے لئے محل ومصرف عمدہ تلاش کیا کرو یعنی یا تو کسی پرہیزگار عالم کو دیا کرو تاکہ تمہارا مال کھانے سے اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ پر قوت اور اعانت حاصل ہو یا کسی عیالدار نیک بخت مسلمان کو دو اور اگر یہ تمام اوصاف ایک شخص میں جمع نہ ہوں تو جس میں ایک وصف بھی پایا جائے وہ بھی تمہارا صدقہ پاک ہوجانے کیلئے کافی ہے البتہ نیک بختی کا لحاظ سب سے مقدم ہے کیونکہ دنیا کا مال ومتاع بندوں کے لئے اسی واسطے مہیا کیا گیا ہے تاکہ ان کی ایام گذاری ہوسکے اور ان چندروزہ ایام میں آخرت کا توشہ ان کو حاصل ہوجائے۔ تو جو لوگ درحقیقت سفرِ آخرت میں مشغول ہیں اور اس عالمِ فانی کو راستہ کا پڑاؤ اور گویا مسافر خانہ سمجھے ہوئے ہیں وہی تمہارے پیسے کے مصرف ہونے چاہئیں۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد[۵] فرماتے ہیں کہ پرہیزگاروں کو کھانا کھلایا کرو اور اپنا تبرع د

---

۱ خوش خوش۔ ۲ ہنس کر ۳ نسائی ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح بتایا ہے۔ ۴ لیکن اسکا مطلب یہ نہ سمجھو کہ جب تک ناگواری دل سے نہ نکلے خیرات نہ دی جائے کیونکہ ابتدا میں ناگواری ضرور ہوتی ہے ایسے وقت میں اس ناگواری پر عمل نہ کرنا اور اللہ کی راہ میں اپنی طبیعت پر زور ڈالکر دیدینا ہی اعلیٰ درجہ کا مجاہدہ اور ہمت کا کام ہے اور مجاہدہ ہونے کی وجہ سے امید ہے کہ خود اس میں ثواب بڑھ جاوے۔ ۵ ابو یعلی ابن ابی الدنیا حسن کر۔

Marfat.com

سلوک ایمانداروں ہی کو پہنچایا کرو۔"

تیسری اصل روزہ کا بیان

حدیث[1] میں آیا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہر نیکی کا دس گونہ سے سات سو گونہ تک نامۂ اعمال میں ثواب لکھا جاتا ہے مگر روزہ خاص[2] میرا ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ جو چاہوں گا دونگا۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] ہے کہ "ہر شے کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادات کا دروازہ روزہ ہے" روزہ پر اسقدر اجر و ثواب کا سبب دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ **اول** یہ کہ روزہ کھانے پینے اور مباشرت کے چھوڑنے کا نام ہے اور یہ ایسا پوشیدہ کام ہے کہ جس پر حق تعالیٰ کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس کے علاوہ جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز، تلاوت، زکوٰۃ، حج یہ سب ایسی عبادتیں ہیں جن پر دوسرے لوگ بھی واقف ہو سکتے ہیں۔ بس روزہ وہی مخلص مسلمان رکھے گا جس کو لوگوں میں اپنے عابد و زاہد کہلائے جانے کا شوق اور ریا و نمود کی محبت نہ ہوگی۔ **دوسری** وجہ یہ ہے کہ روزہ سے دشمنِ خدا یعنی شیطان مغلوب ہوتا ہے کیونکہ جسقدر نفسانی خواہشیں ہیں سب پیٹ بھرے ہی اپنا زور دکھاتی ہیں اور شیطان انھیں خواہشات کو واسطہ بنا کر مسلمان کا شکار کرتا ہے اور جب روزہ کی وجہ سے مسلمان بھوکا رہا اور تمام خواہشیں کمزور پڑ گئیں تو شیطان مجبور اور بے دست و پا ہو گیا چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ماہِ[4] رمضان میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں شیطان پابزنجیر ہو جاتا ہے اور ہاتف غیبی پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طلبگار و آگے بڑھو اور اے بدکار و باز آؤ" خوب سمجھ لو کہ روزہ کی تین قسمیں تو کیفیت کے اعتبار سے ہیں اور تین ہی درجے اس کی مقدار کے اعتبار سے ہیں۔ **ادنیٰ** درجہ تو یہ ہے کہ صرف رمضان کے فرض روزے ہر سال رکھ لیا کرے اور **اعلیٰ درجہ** یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزہ رکھتے تھے اسی طرح ایک دن تو روزہ رکھے اور دوسرے دن نہ رکھے پھر تیسرے دن رکھے اور چوتھے دن نہ رکھے۔ روزمرہ روزہ رکھنے کی بہ نسبت یہ صورت بدرجہا[5] بہتر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھوکا رہنے کی عادت ہو جاتی ہے اور عادت ہو جانے کے پیچھے شکستگی اور قلب میں صفائی اور خواہشات نفسانی میں ضعف و کمزوری محسوس نہ ہوگی حالانکہ روزہ سے یہی مقصود ہے۔ دیکھو مریض جب دوا کا عادی ہو جاتا ہے

صوم داؤدی کی فضیلت

---

[1] بخاری مسلم نسائی۔ [2] یعنی سب سے محبوب یا یہ کہ ظلم کے بدلے میں نہ جائے گا۔ [3] ابن المبارک ہو ناد مرسل حسن۔ [4] بخاری مسلم ترمذی ابن ماجہ سید احمد کی حدیثوں کا خلاصہ ہے۔ [5] مضمون حدیث بخاری و مسلم۔

Marfat.com

تو پھر دوا کچھ بھی نفع نہیں دیتی۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عبداللہ[1] ابن عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی بابت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھو اور دوسرے دن کھاؤ پیو۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس سے بھی اعلیٰ درجہ چاہتا ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ اس سے اعلیٰ درجہ کوئی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی کہ فلاں شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسا روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر۔ متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا تہائی حصہ روزہ میں صرف ہو جائے لہٰذا مناسب ہے کہ ماہ رمضان کے علاوہ ہر ہفتہ میں دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ رکھ لیا کرو۔ اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور چار یوم کے روزے ہو جائیں گے۔ مگر چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عیدیں دوشنبہ یا پنجشنبہ کو پڑیں اور ایام تشریق میں سے ایک دن تو ضرور پیر یا جمعرات کو ہوگا اسلئے چار مہینے اور ایک دن کے روزے ہو جائیں گے۔ اور بارہ مہینے کے تہائی یعنی چار مہینے سے صرف ایک دن زیادہ رہے گا۔ یہ تہائی عمر کا حساب ذرا غور سے بآسانی سمجھ میں آجائے گا۔ اس مقدار سے روزوں کا کم کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں آسانی بھی ہے اور ثواب بہت زیادہ ہے اور روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے تین قسمیں یہ ہیں ایک تو عوام کا روزہ ہے کہ صرف روزہ توڑنے والی چیزوں یعنی کھانے پینے اور جماع سے بچتے ہیں اگرچہ بدن سے گناہ کئے جائیں سو یہ نام ہی کا روزہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ بدن کے کسی عضو سے بھی کوئی کام خلاف شرع نہ ہو یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے اور آنکھ نامحرم کو بری نگاہ کے ساتھ دیکھنے سے بچی رہے وغیرہ اور تیسرا اخاص روزہ خاص بندوں کا ہے کہ اعضائے بدن کے ساتھ ان کا قلب بھی فکر دنیا سے محفوظ رہتا ہے اور سوائے ذکر الٰہی کے کسی چیز کا بھی ان کے دل میں گذر نہیں ہونے پاتا۔ یہ کمال کا درجہ ہے اور چونکہ اس کا حاصل کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے اسلئے کم سے کم اتنا خیال تو ضرور رکھنا چاہئے کہ ایسے کھانے پر روزہ افطار کیا کرو جو مناسب حلال اور پاک ہو اور وہ بھی اتنا نہ کھاؤ کہ جس سے معدہ بھاری اور بدن کسلمند ہو جائے کہ تہجد کو بھی آنکھ نہ کھلے بلکہ ایسا کرو کہ دن کے چھوٹے ہوئے کھانے کی بھی تلافی افطار کے وقت کرنے لگو۔ ایسا کرنے والوں کو روزہ کا اتنا نفع نہیں ہوتا جتنا کسل کی وجہ سے نقصان ہو جاتا ہے۔

دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزہ کی فضیلت

---

[1] بخاری و مسلم۔ [2] مسلم، کچھ فرق ہے۔

چوتھی اصل حج کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے "لوگوں پر اللہ واسطے حج بیت اللہ فرض ہے جس کسی میں بھی وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو صاحب استطاعت مسلمان بغیر حج کئے مرگیا اسے اختیار ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔[1] حج بھی دین کا ستون ہے مرحج کے اعمال وارکانِ ظاہری کا بیان چونکہ احیاء العلوم میں ہو چکا ہے لہٰذا اس جگہ حج کے رموز اور آداب بیان کرنے مقصود ہیں پس جاننا چاہئے کہ آدابِ حج سات ہیں۔ اول یہ کہ سفر سے پہلے حلال زادِ راہ اور کوئی نیک بخت ساتھی تلاش کرلو کیونکہ حلال توشہ سے قلب میں نور پیدا ہوگا اور رفیق صالح تم کو گناہوں سے روکتا اور نیک کام یاد دلاتا رہے گا۔ دوم اس سفر میں تجارت[2] کا خیال بالکل نہ رکھو کیونکہ طبیعت کے تجارت کی جانب متوجہ ہو جانے سے زیارتِ حرمین شریفین کا ارادہ خالص اور بے لوث نہ رہے گا۔ سوم راستہ میں کھانے کے اندر وسعت کرو اور رفقائے سفر اور نوکروں چاکروں اور کرایہ داروں کو خوش رکھو اور کسی کے ساتھ سختی سے بات نہ کرو بلکہ نہایت خلق ومحبت اور نرم گفتاری سے سفر ختم کرو۔ چہارم فحش گوئی اور جھگڑے اور فضول بکواس اور دنیا کے معاملات کی بات چیت کو بالکل چھوڑ دو اور ضروری حاجتوں سے فارغ ہونے کے بعد اپنی زبان کو تلاوتِ کلام اللہ اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھو۔ پنجم شغدف یا شبری یعنی شان کی سواری پر سوار[3] نہ ہو بلکہ بار برداری کے اونٹ پر بیٹھ جاؤ تاکہ دربارِ حق تعالیٰ میں پراگندہ حال غبار آلودہ اور مسکینوں محتاجوں کی سی ذلیل وخستہ حالت سے حاضری ہو۔ اس سفر میں بناؤ سنگار اور زیادہ آرام طلبی کا خیال بھی نہ لاؤ۔ ششم کبھی کبھی سواری سے اتر کر پیدل بھی ہو لیا کرو کہ اس میں سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہوگا اور سواری کو بھی آرام ملے گا اور نیز تمہارے ہاتھ پاؤں بھی حرکت کرنے سے چست وچالاک رہیں گے۔ ہفتم جو کچھ بھی اس سفر میں خرچ ہو جائے یا جس قسم کا بھی مالی نقصان یا تکلیف اور مصیبت اٹھانی پڑے تو اس پر خوشدل رہو اور اس کو اپنے حج کے مقبول ہونے کی علامت سمجھو اور اپنے پروردگار سے ثواب کی امید رکھو۔ حج کی عبادت میں

---

[1] ابن عدی اور ترمذی، کچھ فرق ہے۔ [2] اور کوئی یہ وسوسہ دل میں نہ لاوے کہ قرآن کے اندر تو صریح حج میں تجارت کی اجازت دی ہے۔ بات یہ ہے کہ امام غزالی تجارت کو ممنوع نہیں بتلاتے جو خلافِ قرآن ہو دوم صحابہ میں اور ہم میں یہ فرق ہے کہ وہ حضرات تجارت بھی اعانتِ دین کیلئے کرتے تھے اور ہم حج کو بھی تجارت کیلئے کرلیں گے۔ [3] مطلب یہ ہے کہ شان دکھلانے کو ایسا مت کرو باقی رفعِ تکلیف کیلئے مضائقہ نہیں ہے۔

Marfat.com

مشروعیت حج کی حکمت اور پہلا نکتہ

رموز و اسرار تو بہت ہیں مگر ہم صرف دو مضمون بیان کرتے ہیں۔ اول یہ کہ حج اس رہبانیت کا بدل ہے جو پہلی امتوں میں رائج تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ امتِ محمدیہ کی رہبانیت حق تعالیٰ نے حج کی عبادت کو بنا دیا ہے۔ اول بیتِ عتیق یعنی سب سے پہلے بنے ہوئے مکان کو حق تعالیٰ نے شرف عنایت کیا اس کو اپنی جانب منسوب فرمایا اور بیت اللہ نام رکھ دیا پھر اس کے گرد و نواح کو حرم گردانا میدانِ عرفات کو حرم کا صحن بنایا۔ اور اس کا شرف اس طرح فرمایا کہ نہ وہاں شکار کرنا جائز ہے نہ درخت کاٹنا حلال۔ سو یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مکان سے منزہ ہے اور گھر یا مکان کا محتاج نہیں، وہ سب کو محیط ہے اور اسے کوئی جگہ اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتی۔ پس اس نے خانۂ کعبہ کو جو اپنی جانب منسوب کیا اور اس کے طواف کا لوگوں کو حکم دیا تو اس میں حکمت یہ ہے کہ بندوں کی غلامی کا اظہار اور ان کی بندگی کا امتحان ہو جائے اور فرمانبردار غلام اپنے آقا کے دربار میں دور دراز جگہوں سے بالقصد زیارت کرنے کو جوق جوق ایسی حالت سے آئیں کہ بال بکھرے ہوئے ہوں غبار آلودہ ہوں شاہی ہیبت و جلال سے سراسیمہ و پریشان حال ہوں۔ ننگے سر ننگے پاؤں مسکین و محتاج بنے ہوئے ہوں اور اسی مصلحت سے اس عبادت میں جس قدر بھی اعمال و ارکان مقرر کئے گئے ہیں وہ سب بعید از عقل ہیں تاکہ ایسے اعمال کا ادا کرنا محض حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل سمجھ کر ہو اور کوئی طبعی خواہش یا عقلی حکمت کا اتباع اس کا باعث نہ ہو چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بارِ الٰہا ہم اپنی عبودیت و غلامی کا اظہار کرنے کو عبادت حقہ یعنی حج میں حاضر ہیں۔

ارکان حج کی مشروعیت کا دوسرا راز

دوسرا مضمون یہ ہے کہ سفرِ حج کی وضع بالکل سفرِ آخرت کی سی ہے اور مقصود یہ ہے کہ حجاج کو اعمالِ حج ادا کرنے سے مرنے کا وقت اور مرنے کے بعد پیش آنے والے واقعات یاد آجائیں۔ مثلاً شروع سفر میں بال بچوں سے رخصت ہوتے وقت سکراتِ موت کے وقت اہل و عیال سے رخصت ہونے کو یاد کرو اور وطن سے باہر نکلتے وقت دنیا سے جدا ہونے کو اور سواری کے جانور پر سوار ہوتے وقت جنازہ کی چارپائی پر سوار ہونے کو یاد کرو۔ احرام کا سفید کپڑا پہنتے وقت کفن میں لپٹنے کو اور پھر میقاتِ حج تک پہنچنے میں جنگل و بیابان قطع کرتے وقت اس دشوار گذار گھاٹی کے قطع کرنے کو یاد کرو جو دنیا سے باہر نکل کر میقاتِ قیامت تک عالمِ برزخ یعنی قبر میں تم کو کاٹنی ہے۔ راستہ میں راہزنوں کے ہول و ہراس کے وقت منکر و نکیر کے سوالات اور اس بیکسی میں ہول و ہراس کا خیال کرو۔ جنگلی درندوں سے قبر کے سانپ بچھو کیڑوں مکوڑوں کو یاد کرو اور میدان میں رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کی

علیحدہ تن تنہا رہ جانے کے وقت قبر کی تنہائی اور وحشت کو یاد کرو اور جس وقت چیخ چیخ کر
اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ پڑھو تو زندہ ہونے اور قبروں سے اٹھنے کے وقت اس جواب کو یاد کرو جو
حق تعالیٰ کی ندا کے وقت میدان حشر میں حاضری کیلئے تم عرض کروگے غرض اسی طرح ہر عمل
میں ایک عبرت اور معاملۂ آخرت کی یاددہانی ہے جس سے ہر شخص جسقدر بھی اس میں قلب کی
صفائی اور دین کی ضروریات کے خیال رکھنے کی وجہ سے استعداد ہوگی آگاہی حاصل کر سکتا ہے۔

پانچویں فصل تلاوت قرآن مجید کا بیان

فضائل تلاوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کیلئے سب سے بہتر عبادت کلام اللہ کی
تلاوت ہے[1]۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ[2] جو بندہ قرآن شریف کی تلاوت
میں مشغول ہو کر دعا نہیں مانگ سکا میں اس کو بے مانگے اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو اتنا نہ دوں گا۔

تلاوت کے ظاہری آداب

تلاوت قرآن شریف کے ظاہری آداب تین ہیں۔ اول یہ کہ تلاوت کرتے وقت دل میں بھی
کلام اللہ کا احترام ہو اور چونکہ ظاہر کو باطن تک اثر پہنچانے میں بہت دخل ہے اس لئے
جب ظاہری صورت احترام کی پیدا کی جائے گی تو قلب میں بھی احترام پیدا ہو جائے گا
اور ظاہری احترام کی صورت یہ ہے کہ وضو کرکے نہایت سکون کے ساتھ گردن جھکائے
ہوئے قبلہ کی طرف منہ کرکے دو زانو اس طرح بیٹھو جس طرح استاد کے سامنے بیٹھتے ہیں اور
تجوید کے موافق حروف قرآنیہ کو مخارج سے نکالو اور ایک حرف کو دوسرے سے علیحدہ
ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں سورۂ انا انزلنا اور القارعۃ
یعنی چھوٹی سورتیں سوچ سوچ کر تلاوت کروں تو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۂ
البقرہ اور آل عمران فرفر پڑھ جاؤں[3]۔ دوم کبھی کبھی تلاوت کی فضیلت کا انتہائی درجہ

دوسرا ادب

حاصل کرنے کا شوق تم بھی کیا کرو کیونکہ تم آخرت کی تجارت کیلئے دنیا میں آئے ہو اسلئے
جہانتک ممکن ہو زیادہ نفع کمانے کی کوشش کرو۔ یوں تو تلاوت کلام اللہ سے کسی طرح بھی
کیوں نہ ہو خواہ بیٹھے ہو یا لیٹے ہو با وضو ہو یا بے وضو اور خلوت میں ہو یا جلوت میں بہرحال
نفع ہی نفع ہے مگر انتہائی نفع اس میں ہے کہ شب کے وقت مسجد میں بحالت نماز کلام اللہ پڑھو
حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں کھڑے ہو کر قرآن شریف پڑھے گا اسکو
ہر حرف کے بدلے سو نیکیاں ملیں گی اور نماز میں بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنے والے کو پچاس

[1] بیہقی حسن لغیرہ ۱۲ [2] ترمذی حسن غریب ۱۲ [3] مصنف عبدالرزاق۔ [4] تقریبی مضمون دیلمی ۱۲-

نیکیاں اور نماز کے سوا دوسری حالت میں باوضو تلاوت کرنے والے کو پچیس اور بلا وضو دس نیکیاں ملیں گی۔" اب تم ہی سوچو کہ سوداگر بن کر زیادہ نفع کی حرص کیوں نہ کی جائے۔ سوم تلاوت کی مقدار کا بھی لحاظ رکھو۔ ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ ہر مہینہ میں ایک مرتبہ ختم کرو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن میں ختم کرو کہ مہینہ بھر میں دس ختم ہوں اور متوسط درجہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ پورا قرآن شریف ختم کر لیا کرو۔ تین دن سے کم میں کلام مجید ختم کرنا مکروہ ہے کیونکہ سمجھ نہ سکو گے اور بلا سمجھے پڑھنا گستاخی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ جب تلاوت کلام اللہ نافع ہے تو جس قدر بھی تلاوت زیادہ ہوگی اسی قدر نفع زیادہ ہوگا۔ یہ تمہارا قیاس غلط ہے۔ خدا کے بھید کا سمجھنا انبیاء علیہم السلام ہی کا کام ہے پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ تین دن سے کم میں ختم مستحب نہیں ہے تو تم کو حضرت کا اتباع لازم ہے اور اپنی رائے کو دخل دینا کم سمجھی اور جہالت ہے۔ چنانچہ تم دیکھتے ہو کہ دوا بیمار کو نفع دیتی ہے لیکن اگر طبیب کی بتلائی ہوئی مقدار سے زیادہ دو گے تو دیکھ لو کہ مریض مرے گا یا اچھا ہوگا؟ اسی طرح نماز حالانکہ عبادتوں میں اصل ہے مگر وہ بھی طلوع وغروب اور استوائے آفتاب کے وقت ناجائز اور صبح اور عصر کے فرضوں کے بعد[1] مکروہ ہے۔ جب مرض کی دوا میں جسمانی طبیب کی بات بے چون وچرا مان لی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ روحانی علاج اور روحانی طبیب کی بتلائی ہوئی دوا میں اس کی مقدار کا لحاظ نہ رکھا جائے اور اس کے بڑھانے میں عقل کو دخل دے کر سوال کیا جائے کہ تین دن سے کم میں ختم کرنا کیوں ناجائز ہے۔ تلاوت کلام اللہ کے باطنی آداب پانچ ہیں۔ اول جس طرح حق تعالیٰ کی عظمت وجلال دل میں ہے اسی طرح اس کے کلام کی بھی عظمت قلب میں ہونی چاہئے۔ مثلاً جب اللہ کی گوناگوں مخلوقات یعنی عرش وکرسی، لوح وقلم، آسمان وزمین، حیوانات، انسان، جنات اور نباتات وجمادات کا تصور کرو گے تو ضرور خیال ہوگا کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا وحدہٗ لا شریک اور نہایت زبردست ایسا مدبر ہے کہ اس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں ہے تمام عالم کی بقا اسی کے فضل وکرم پر موقوف ہے۔ ایسے شاہنشاہ عالیشان کے فرمان واجب الاذعان یعنی قرآن مجید کی کیا وقعت ہونی چاہئے؟ یاد رکھو کہ جس طرح اس کے الفاظ کو ہاتھ لگانے کیلئے طہارت اور وضو کی ضرورت ہے اسی طرح اس کے معنی کے دل

[illegible]

تلاوت کلام اللہ کے باطنی آداب

---

[1] فرفر پڑھنے کی وجہ سے الفاظ بھی نہ سمجھ میں آئینگے اور اس کا بے دل ہونا ظاہر ہے باقی اگر کوئی شخص معنی نہ سمجھے اور صرف الفاظ قرآن ہی صحیح اور صاف ادا کرے تو یہ اجر وثواب سے خالی نہیں ۱۲ مترجم۔ [2] یعنی نفل اور سنت پڑھنا مکروہ ہے۔ ۱۲ (مولانا تھانوی ؒ)

میں لانے کیلئے قلب کی طہارت اور تمام اخلاق رذیلہ سے پاکی لازم ہے۔ پس جو قلب باطنی گندگی اور نفسانی نجاست میں آلودہ ہے وہ اس محترم شاہی فرمان کے حقائق کو کیونکر سمجھے گا یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہؓ جب قرآن کھولتے تو اکثر بیہوش ہو جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ "یہ میرے پروردگار جل جلالہ کا کلام ہے"۔ اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ اس نے اپنے باعظمت کلامِ ازلی کے انوار و تجلیات کو حروف کے لباس میں چھپا کر تمہارے حوالہ کیا ہے ورنہ اسکی نورانی شعاعوں کا کوئی بشر متحمل نہ ہو سکتا۔ دیکھو طور جیسا پہاڑ بھی کلام الٰہی کی تجلیات کا تحمل نہ کر سکا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اگر اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام کو نہ سنبھال لیتے تو ان میں بھی حروف اور آواز کے لباس سے مجرد کلام الٰہی کے سننے کی طاقت نہ تھی۔ **دوم** اگر قرآن شریف کے معنی سمجھ سکتے ہو تو کوئی آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو۔ کیونکہ ترتیل جس کا قرآن شریف میں حکم ہے تدبر یعنی غور و فکر اور سمجھنے اور سوچنے ہی سے حاصل ہوتی ہے[1]۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "اس تلاوت سے کیا نفع جس میں سمجھنے سے واسطہ نہ ہو"۔ ختم قرآن کی تعداد بڑھانے کا خیال مت کرو چاہے سمجھو یا نہ سمجھو مگر نام ہو جاوے کہ اتنے قرآن شریف ختم کئے یاد رکھو کہ اگر تم سوچ سمجھ کر ایک ہی آیت کو رات بھر پڑھتے جاؤ گے تو یہ پچاس قرآن ختم کرنے سے بہتر ہوگا۔ دیکھو جناب[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بیس مرتبہ دہرایا ہے اور حضرت ابوذر[3] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا اور وہ آیت یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (یا اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخشدے تو بیشک تو زبردست اور حکمت والا ہے) حضرت تمیم داری[4] آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ[5] الخ کو تمام شب بار بار پڑھتے رہے اور حضرت سعید بن جبیرؒ نے آیت وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ[6] ہی کو بار بار پڑھنے میں تمام رات ختم کر دی۔ ایک عارف فرماتے ہیں کہ میں ہر ہفتہ میں ایک ختم پڑھتا ہوں اور ایک ختم ہر مہینہ میں اور ایک ایسا ہے کہ جسکو سال بھر میں ختم کرتا ہوں اور ایک تلاوت ایسی بھی ہے کہ جس کو تیس سال سے شروع کر رکھا ہے اور ابتک پورا کلام مجید ختم نہیں ہوا۔

کلام الٰہی کے لباس میں الفاظ مستور ہونے کی حکمت

تلاوت میں ترتیل اور معنی کا فہم وتدبر

[1] ابن عبد البر۔ [2] ابوذر غفاریؓ کی روایت [3] ابن ماجہ و نسائی از ابوذرؓ [4] ابو عبید فضائل میں [5] کیا گناہوں کے مرتکب ہونیوالوں کا گمان یہ ہے کہ ہم ان کو نیکوکاروں کے مساوی بنا دینگے۔ [6] اور علیحدہ ہو جاؤ آج اے مجرمو ۱۲ منہ

Marfat.com

یہ فرق ظاہر ہے کہ فکر و فہم غور و تدبر ہی سے ہوتا ہے کیونکہ انسان کا دل ہر وقت یکساں نہیں رہتا اور نہ ہمیشہ مساوی درجے کے غور و فکر کا عادی ہوتا ہے اس لئے اگر خصوصیت کے ساتھ ایک ختم علیحدہ طور پر تم بھی ایسا شروع کرو جس میں سوچ سمجھ کر تلاوت کی جائے اور صرف اسی وقت پڑھا جائے جبکہ قلب فارغ ہونے کی وجہ سے فکر و خوض کر سکے اور معنی اچھی طرح سمجھ سکے تو بہت اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں تلاوت کے معمول میں بھی فرق نہ آئے گا اور یہ فضیلت کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا سوم اس فہم و تدبر کی حالت مذکورہ میں معرفتِ الٰہی کی گوناگوں شاخوں سے پھل اور پھول بھی چننے ہوں گے کیونکہ ہر پھل کے لئے جدا شاخ اور ہر جوہر کے لئے جدا معدن ہے کہ جہاں موتی پیدا ہوتے ہیں وہاں تریاق کا تلاش کرنا فضول ہے اور جہاں مشک دعود دستیاب ہوتا ہے وہاں موتیوں کی جستجو بے فائدہ ہے

اسی طرح قرآن شریف کی آیتوں میں جس قسم کا تذکرہ ہو اسی قسم کا عرفان حاصل کرنا چاہئے مثلاً جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات یا افعال کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں سے حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کی معرفت حاصل کرو اور جس جگہ راہِ مستقیم کی تعلیم مذکور ہو وہاں رحمت و کرم اور فضل و حکمت کی معرفت حاصل کرو اور جہاں کافروں کے ہلاک کرنے کا بیان ہو اس جگہ سے حق تعالیٰ کی بے نیازی اور غلبہ و قہر کی صفت معلوم کرو اور جن آیتوں میں انبیائے علیہم السلام کے تذکرے ہوں وہاں سے اللہ پاک کے لطف و احسان کا علم حاصل کرو غرض جیسا موقع دیسا عرفان چہارم قرآن کا مطلب سمجھنے میں جو امور مانع ہیں ان کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو کیونکہ ضعیف الایمان بندوں کے لئے تو خواہشات نفسانی اور وساوس شیطانی[1] حجاب بن جاتے ہیں کہ ان کے نفوس دنیوی تعلقات سے وابستہ اور ان کے قلوب شک و شبہات میں ملوث ہوتے ہیں اور یہی قلب کے وہ پردے ہیں جن کے سبب قرآن پاک کی باریکیاں سمجھ میں نہیں آ سکتیں لہٰذا ان کے اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور جن لوگوں کا ایمان قوی ہو جاتا ہے کہ خدا کی محبت ان کے قلب میں پیدا اور ان کو طاعت میں لذت آنے لگتی ہے ان پر بھی قلبی وسوسے اپنا اثر کرتے ہیں مثلاً نماز کی حالت میں ان کا دل اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ ہماری نیت کیسی ہے؟ اور جو خلوص شروع نماز کے وقت تھا وہ اب بھی قائم ہے یا نہیں یا مثلاً حروف کے مخرج سے ادا ہونے میں شبہ پڑتا ہے اور تکبیر کو اس نیت سے بار بار دہراتے ہیں حالانکہ قلب کے لئے یہ بھی حجاب ہے کیونکہ حروف اور الفاظ کی دقت کے پیچھے پڑ جانا اور مخارج حروف یعنی دانتوں، ہونٹوں، تالو اور حلق کی طرف مشغول ہونا کہ یہ حرف

---

[1] جن کو قصداً دل میں جگہ دی جاتی ہے ۱۲ (مولانا تھانوی مدظلہ)

کہاں سے نکلا اور ٹھیک نکلا یا نہیں نکلا؟ ان کا کام[1] نہیں جن کو عالم علوی کی سیر و سیاحت اور ملکوتی امور کا مشاہدہ کرنا منظور ہے **پنجم** آیات کلام الٰہی سے صرف تجلیات اور معرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ حالت اور اثر بھی ظاہر ہونا چاہیئے۔ مثلاً اگر ایسی آیت پڑھو جسمیں رحمت کا ذکر اور مغفرت کا وعدہ ہو تو جسم پر خوشی اور مسرت کی حالت پیدا ہو جائے اور غیظ و غضب اور عذاب الٰہی کا تذکرہ ہو تو تمہارا بدن لرز اٹھے اور حق تعالیٰ کا نام آئے یا اس کی عظمت و جلال کا ذکر ہو تو جھک جاؤ اور ذلت اختیار کرو کہ گویا جلالِ خداوندی کے مشاہدے سے نیست و نابود ہوئے جاتے ہو اور اگر کافروں کی اس خرافات کا بیان ہو جو انھوں نے حق تعالیٰ پر بہتان باندھے ہیں مثلاً مخلوق میں سے کسی کو نعوذ باللہ خدا کا بیٹا یا بیٹی یا بیوی بتایا ہے تو اس کی نقل سے بھی شرماؤ اور ایسی آیت کی تلاوت میں اپنی آواز کو پست کر دو کہ گویا ان کے الفاظ کا اپنی زبان پر لانا بھی گراں گزرتا ہے۔ غرض جس آیت میں جیسا مضمون ہو۔ اس کے مطابق ایک خاص حالت پیدا اور جسم پر وہی اثر ظاہر ہو جانا چاہیئے کہ خوف کے وقت آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں اور شرم کے وقت پیشانی پر پسینہ آجائے اور ہیبت کے وقت رونگٹے کھڑے ہو جائیں کنکپی چھوٹے اور مژدۂ بشارت کے وقت آواز و زبان اور تمام اعضا میں انبساط و بشارت پیدا ہو جائے

چھٹی اصل ہر وقت ذکر الٰہی کا بیان

حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتا ہے "اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ" حدیث[2] میں آیا ہے کہ اللہ کا ذکر جہاد اور صدقات اور خیرات سب سے افضل ہے۔" اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔ ذکر الٰہی کیلئے ایک مغز اور تین پوست ہیں اور مغز تو مقصود بالذات ہے مگر پوست اسلئے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذریعے اور اسباب ہیں۔ **پہلا پوست** صرف زبان سے ذکر کرنا ہے اور **دوسرا پوست** قلب سے ذکر کرنا مگر چونکہ جبراً بتکلف اس کا خوگر ہوتا ہے یاد رکھو کہ قلب کو اپنی حالت پر چھوڑ نا نہ چاہئے کیونکہ اس کو تفکرات و تخیلات میں پڑنے سے پریشانی ہوتی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ اس کی مرغوب شئے یعنی ذکر الٰہی اس کے حوالہ کر دی جائے تاکہ اس کو اطمینان حاصل ہو جائے **تیسرا پوست** یہ ہے کہ ذکر الٰہی قلب میں جگہ کرے اور ایسا گڑ جائے کہ اس کا چھڑانا دشوار ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے درجہ میں جس طرح قلب کو ذکر کی عادت ڈالنے میں دقت پیش آئی ہوئی تھی اس تیسرے درجہ میں قلب [illegible] ذکر اللہ کی عادت چھڑانا اس سے زیادہ دشوار ہو **چوتھا درجہ** جو مغز اور مقصود بالذات ہے وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام و نشان

---

[1] زیادہ اہتمام کچھ تو ضروری ہے ۱۲ [2] ابن شاہین بلفظہ ۱۲

Marfat.com

بھی باقی نہ رہے بلکہ مذکور یعنی حق تعالیٰ کی ذات ہی ذات رہ جائے کہ نہ قلب کی طرف توجہ رہے نہ ذکر کی جانب التفات اور نہ اپنی خبر ہو نہ کسی دوسرے کی غرض ذات بحت میں استغراق ہو جائے اسی حالت کا نام فنا ہے اور اس حالت پر پہنچ کر بندہ کو نہ اپنی ظاہری حس وحرکت کا علم ہوتا ہے اور نہ باطنی عوارض کا۔ یہانتک کہ اپنے فنا ہو جانے کا بھی علم باقی نہیں رہتا کیونکہ فنا ہو جانا بھی تو خدا کے علاوہ دوسری ہی چیز ہے اور غیر اللہ کا خیال میل کچیل اور کدورت ہے پس فنا کا علم بھی اس درجہ میں پہونچ کر کدورت اور بعد ہوا یہی وہ حالت ہے جس میں اپنے وجود کے فنا کے ساتھ خود فنا سے بھی فنائیت ہوتی ہے ایسی محویت سمجھ میں آنی مشکل ہے بلکہ بظاہر ناممکن اور دعویٰ بلا دلیل معلوم ہوگا لیکن اگر تم کو کسی حسین صورت پر عاشق ہونے یا کسی عاشق صادق کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو اس حالت کو کبھی دشوار نہ سمجھو گے کیا حسن پرست فریفتہ انسان اپنی معشوقہ کے فکر وخیال میں ایسے محو ومستغرق اور بیخود نہیں ہو جاتے کہ بسا اوقات زبان سے کوئی بات کرتے ہیں اور اس کو خود بھی نہیں سمجھتے پاؤں ڈالتے کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے ان کے سامنے سے آدمی گزر جاتا ہے حالانکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر وہ ان کو نظر نہیں آتا۔ دوسرا شخص ان سے بات کرتا ہے مگر یہ سنتے ہی نہیں اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیوں بھائی کیا دیکھا اور کیا سنا؟ تو وہ کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کو ایسی محویت ہوئی کہ اپنی محویت کا بھی ان کو علم نہیں رہا کہ دیوانے بن گئے اور ایسے دیوانے بنے کہ اپنی دیوانگی کی بھی خبر نہیں رہی اور مجنون ہو گئے اور اپنے جنوں کی بھی اطلاع نہیں یہ سب اسی معشوقہ مطلوبہ محبوبہ کے خیال میں مستغرق ہونے کا اثر ہے اس کو بھی جانے دیجئے اس سے بھی آسان طریقے سے فنا کی فنائیت سمجھ میں آسکتی ہے دیکھو تم کو اپنی آبرو اور مال کے ساتھ محبت ہے پس اگر خدانخواستہ کسی دشمن کی طرف سے تمہارے مال یا آبرو پر حملہ ہو تو اس کے غصہ اور طیش میں جو کچھ تمہاری حالت ہوگی اس پر غور کرو کہ وہ کیسی بیخودی کی حالت ہے ظاہر ہے کہ غیظ وغضب میں نہ تم کو اپنی خبر رہتی ہے اور نہ دوسرے کی اور تم ایسے بیخود ہو جاتے ہو کہ اس وقت اپنی بیخودی کا بھی تم کو حس نہیں رہتا پھر بھلا اگر کوئی بندہ اپنے مولا کے خیال میں ایسا محو ہو جائے کہ خود فنا سے فنا اور بیخود ہو جائے تو کیا تعجب ہے؟ سمجھانے کی غرض سے یہ مثالیں ہم نے بیان کر دی ہیں ورنہ اصل بات تو یہی ہے کہ جس وقت خدا کے فضل سے اس حالت پر پہنچو گے تو فنا اور فناء الفنا کی اصل حقیقت اسی وقت معلوم کر سکو گے۔

ساتویں اصل طلب حلال کا بیان

Marfat.com

جہاں کہیں عبادت کا حکم ہوا ہے اس کے ساتھ ہی اکل حلال کا بھی حکم ہے چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو" جنابِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایمان لانے اور نماز پڑھنے کی فرضیت کے بعد رزق حلال کی تلاش فرض ہے" حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ" اگر تم نمازیں پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزے رکھتے رکھتے تانت کی طرح دُبلے بھی ہو جاؤ تو بغیر تقویٰ اختیار کئے اور مال حرام سے بچے کچھ بھی قبول نہ ہوگا" رزق حرام کھا کر عبادت کرنا ایسا بیکار ہے جیسا گوبر پر مکان کا تعمیر کرنا۔ یاد رکھو رزقِ حلال کو قلب کی نورانیت میں بڑا اثر ہے لہذا مال حرام سے بچنا اور تقویٰ اختیار کرنا نہایت ضروری ہے تقویٰ کے چار درجے ہیں پہلا درجہ جن چیزوں یا جس مال کی حرمت پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہو ان کا استعمال نہ کرو کیونکہ ان کے استعمال سے آدمی فاسق بن جاتا ہے اور ثقاہت جاتی رہتی ہے یہ تو عام مومنین کا تقویٰ کہلاتا ہے **دوسرا درجہ** صلحار کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ علمائے شریعت نے ظاہری حالت دیکھ کر اگرچہ مشتبہ کو حلال کہدیا ہے مگر چونکہ اس میں حرمت کا احتمال ہے اور اسی وجہ سے وہ شے مشتبہ کہلاتی ہے لہذا صلحا اس کو بھی استعمال نہیں کرتے۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس میں شبہ ہو اس کو چھوڑدو اور اس کو اختیار کرو جس میں کچھ بھی شبہ نہ ہو **تیسرا درجہ** اتقیا کا تقویٰ ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشہ سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہیں کرے گا۔ اس وقت تک اتقیا کے درجہ کو ہرگز نہ پہونچے گا" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ" حرام کے مرتکب ہو جانے کے اندیشہ سے ہم حلال کے بھی دس حصوں میں سے نو حصے ترک کر دیتے ہیں" اسی بنا پر اللہ کے پرہیزگار بندے جب سو روپے کے مستحق ہوتے ہیں تو ایک کم سو لیتے ہیں اور جس وقت دوسرے کا حق دیتے ہیں تو ایک حبہ[1] زیادہ دیتے ہیں اور جب اپنا حق لیتے ہیں تو ایک حبہ کم لیتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ذکر ہے کہ بیت المال کا مشک ان کے پاس آتا تو اپنی ناک بند کر لیتے اور فرمایا کرتے کہ اس کی خوشبو سونگھنا بھی تو اس کا استعمال ہی کرنا ہے لہذا بیت المال کے مشک کی خوشبو کو میں سونگھنا نہیں چاہتا۔ مزہ دار حلال چیزوں کے کھانے اور جائز زینت اور آراستگی سے پرہیز کرنے کی بھی یہی وجہ ہے کہ زبان کو مزہ لگنا اچھا نہیں ہے کیونکہ آج حلال کا مزہ پڑا ہے تو کل حرام کی لذت حاصل کرنے کا

---

[1] یہ زیادتی سود نہیں ہو اس لئے کہ شرط قرار نہیں دیگئی بلکہ تبرع اور احسان ہو کہ بلا استحقاق دوسرے کے ساتھ سلوک کیا ۱۲ مترجم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ع طبرانی ضعیف دیلمی حسن ۱۲ ع ابن حبان ترمذی احمد صحیح ۱۲ ع ترمذی ابن ماجہ

Marfat.com

شوق ہو جائے گا۔ قرآن شریف میں کافروں کی کثرت مال ومتاع اور دنیا داروں کے جاہ وحشم کی جانب نظر کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ بھی اسی لئے آئی ہے کہ اس چمک ودمک سے ایمان کی شیرینی کم ہو جائے گی اس لئے کہ دنیا کے مال ومتاع کی رغبت اور محبت سے قلب میں ایمان کی محبت نہیں رہا کرتی۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ جس کا کپڑا اتبلا۔ اس کا ایمان بھی پتلا۔ غرض اتقیا کے نزدیک ہی مال حلال اور قابل استعمال ہے جس میں نہ بالفعل کسی قسم کا شبہ ہو اور نہ آئندہ کسی آفت کا خطرہ احتمال ہو چوتھا درجہ صدیقین کا تقویٰ ہے یعنی جس چیز کے کھانے سے عبادت اور طاعت پر قوت حاصل نہ ہو اس سے پرہیز کرنا مثلاً ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انھوں نے دوا پی تو ان کی بیوی نے کہا چند قدم ٹہل لیجیے انھوں نے جواب دیا کہ فضول وعبث حرکت جائز نہیں ہے میں اپنے نفس سے تمام حرکات وسکنات کا محاسبہ کیا کرتا ہوں بھلا اس چہل قدمی کو کس حساب میں شمار کروں گا اسی طرح جس شے کے اپنے نفس تک پہونچنے کے وسائل میں سے کسی ایک سبب کے اندر بھی کچھ معصیت[1] خداوندی کو دخل ہوا اس سے بھی پرہیز کرنا اس درجہ میں ضروری ہے حضرت ذوالنون مصریؒ ایک مرتبہ جیل خانہ میں قید تھے کسی نیک بخت عورت نے ان کو بھوکا پاکر اپنی حلال معاش میں سے کچھ کھانا پکایا اور داروغہ جیل کے ہاتھ ان تک پہونچایا مگر شیخ نے قبول نہ کیا اور یہ کہہ کر اس کو واپس کر دیا کہ کھانا اگرچہ حلال ہے لیکن طباق نجس ہے۔ طباق سے مراد جیل خانہ کے داروغہ کا ہاتھ تھا کہ وہ ظالم ہے اور ظالم کا ہاتھ پڑنے کی وجہ سے کھانا اس قابل نہ رہا کہ میں اس کو کھا لوں حضرت بشر حافیؒ شہروں کی ان نہروں کا پانی بھی نہ پیتے تھے جن کو غیر محتاط اور ظلم پیشہ بادشاہوں نے کھدوایا تھا۔ ایک بزرگ کا غلام کسی فاسق شخص کے گھر سے چراغ روشن کر لایا تو انھوں نے بجھا دیا اور فرمایا کہ حق تعالیٰ کے نافرمان بندہ کے چراغ سے روشن کئے ہوئے چراغ کی روشنی نفع اٹھانے کے لائق نہیں ہے غرض قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ کے پورے عامل صرف یہی لوگ تھے کہ کہو اللہ اس کے بعد سب کو چھوڑ دو" انھوں نے کبھی کسی ایسی چیز کا استعمال نہیں کیا جو اللہ[2] واسطے نہ تھی یہ درجہ حاصل کرنا تو چونکہ آسان نہیں ہے اس لئے صرف ثقہ مسلمانوں کا تقویٰ تو ضرور ہی حاصل کرو کہ ان چیزوں کے پاس نہ بھٹکو جن کی حرمت پر علمائے دین کا فتویٰ ہے اور اس کے ساتھ دو باتوں کا اور بھی خیال رکھو کہ پہلی بات تو یہ کہ بعض فقہا نے مسائل شرعیہ کے متعلق جو حیلے بیان کئے ہیں ان کی جانب التفات نہ کرو۔ مثلاً یہ حیلہ کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنا

---

[1] گناہ [2] بھروسے کے ۱۲ عہ حساب لینا ۱۲

تمام مال اپنی بیوی کے نام اور بیوی کا سارا مال اپنے نام منتقل کر لیا کہ چونکہ مملوکہ مال سال بھر اپنی ملک میں نہیں رہا اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی اس قسم کا حیلہ تم کبھی مت اختیار کرنا بات یہ ہے کہ فقہائے شریعت کا کام چونکہ دنیوی انتظام و سیاست ہے اس لئے اس حیلہ کی صورت میں زکوٰۃ ساقط ہونے کا فتویٰ دینے سے ان کی مراد یہ ہے کہ دنیا کا منتظم اور حاکم وقت سلطان اسی مسلمان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرے گا جس کا مال پورے سال بھر تک اس کے قبضہ مالکانہ میں دیکھے گا اور اس حیلہ کرنے والے متمول[1] مسلمان کے پاس سلطانی محصل تحصیل زکوٰۃ کے لئے نہیں آئے گا۔ کیونکہ جتنی بات بندوں کے دیکھنے کے متعلق تھی یعنی مالکانہ قبضہ وہ ختم سال سے قبل بیوی کے نام منتقل ہو جانے کی وجہ سے جاتا رہا مگر تم کو چونکہ معاملہ اپنے پروردگار سے رکھنا ہے اور وہ دلوں کے حالات سے واقف ہے اس لئے یہ مکر و فریب آخرت میں کام نہ آئیگا تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ زکوٰۃ سے مقصود بخل کی عادت کو دور کرنا ہے اور جب زکوٰۃ تک سے بچنے کے حیلے کرنے لگو گے تو بخل کہاں دور ہوا بلکہ بخل کو تو سر چڑھا کر اپنا امام اور پیشوا بنا لیا کیونکہ اس کا یہاں تک کہنا مانا کہ اسی بخل کو نجات دہندہ اور خدا کے سامنے سرخرو کر دینے والا سمجھ بیٹھے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا مقصود بالکل حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالےٰ نے اس میں جو مصلحت رکھی تھی اس کی جانب توجہ بھی نہیں کی اور برعکس معاملہ کیا کہ بخل کو دور کرنے کی جگہ اس میں ترقی کی یا مثلاً بعض مسلمان اپنی بیوی کو اس غرض سے تکلیف میں رکھتے ہیں کہ تنگ آ کر اپنا مہر معاف کر دے اور جب وہ بیچاری مصیبت سے گھبرا کر زبان سے معاف کرنے کا لفظ نکال دیتی ہے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اس کو حلال سمجھتے ہیں بھلا ایسا مال شوہر کو کیونکر حلال ہو سکتا ہو حق تعالیٰ نے فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ الخ میں خود فرمایا ہے کہ ہاں وہ مہر جو عورتیں برضائے نفس معاف کر دیں تمہارے لئے حلال ہے۔ اب تم ہی بتاؤ جس مہر کی معافی بُرے برتاؤ اور ایذا رسانی ہو ہوئی ہو کیا وہ بخوشی خاطر سمجھی جائے گی یاد رکھو رضائے قلب دوسری شے ہے اور رضائے نفس دوسری چیز ہے مثلاً پچھنے لگوانے۔ تلخ دوا پینی، فصد کھلوانی، پھوڑے پھنسی میں شگاف لگوانا یہ سب تکلیفیں ایسی ہیں کہ ان کو قلب تو پسند کرتا ہے مگر نفس پسند نہیں کرتا۔ اس لئے کہ نفس تو اسی بات کو پسند کرتا ہے جس میں اسوقت لذت حاصل ہو البتہ قلب اس چیز کو پسند کرتا ہے جس میں اسوقت اگرچہ تکلیف ہو مگر آئندہ نفع کی امید ہو کیونکہ نفس کا یہ کام نہیں ہے کہ بعد میں آنے والی راحت کے خیال سے اس وقت تکلیف گوارا کرے پس اگر بیوی

شرعی حیلوں کا صحیح مطلب اور ان سے [غلط] فائدہ اٹھانے [پر] [مذمت]

رضائے نفس اور رضائے قلب کا [فرق]

[1] مالدار

138561

Marfat.com

نے تکلیف سے تنگ آکر اور خاوند کی ایذاؤں سے گھبرا کر اپنی آئندہ مصلحت اور باقی ماندہ عمر کی آسائش کے خیال سے دولتِ تلخ کی دین مہر کی معافی گوارا بھی کر لی تو اس کا نام رضائے قلب ہوا نہ کہ رضائے نفس اور دین مہر کے حلال ہونے میں اعتبار رضائے نفس کا ہے جیسا کہ اوپر کی آیت سے معلوم ہوا نہ کہ رضائے قلب کا۔ پس اگر اس رضا کے حیلہ سے حکومت و سلطنت دنیوی میں کوئی شخص تقاضا کرنے والا نہیں رہا تو کیا خدا کے سامنے بھی اس کی بدولت سرخرو ہو جاؤ گے۔ جبکہ احکم الحاکمین[1] کو کیا جواب دو گے؟ جبکہ رضائے قلب اور رضائے نفس کی بحث پیش ہو اور پوچھا جائے کہ ہماری اجازت کے خلاف حیلہ جوئی[2] سے ایک بیکس اور ضعیفہ کا حق کیوں ہضم کیا۔

اسی طرح کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ کیونکہ بھیک مانگنا بری بات ہے اور اگر سخت ضرورت کے وقت سوال کرنے کی نوبت آئے تو اسکا ضرور خیال رکھو کہ مجمع میں سوال نہ کرو کیونکہ اکثر ایسی حالت میں دینے والا جو کچھ بھی تم کو دے گا وہ اپنے مجمع میں ذلت اور رسوائی اور ہم چشموں میں سبکی کے خیال سے دے گا اور اس کو بخوشی خاطر دینا نہیں کہتے پس ایسا دیا ہوا مال استعمال کے قابل نہیں ہے کیونکہ کسی کے بدن پر چابک مار کر لینا یا کسی کے دل پر شرم اور دباؤ کا کوڑا مار کر لینا دونوں برابر ہیں نیز اپنے دین کو ذریعۂ کسب نہ بناؤ مثلاً صلحا فقرا کی سی صورت اس نیت سے نہ بناؤ کہ ہمیں بزرگ سمجھ کر لوگ دیں گے حالانکہ تم بالکل کورے ہو اور تمہارا دل گندگی سے آلودہ ہے یاد رکھو کہ دوسرے کا دیا ہوا مال تمہیں اس وقت حلال ہے جبکہ تمہاری کوئی چھپی ہوئی حالت ایسی نہ ہو کہ اگر دینے والا اس سے آگاہ ہو جائے تو ہرگز نہ دے اس سے معلوم ہوا کہ اگر تم نے بزرگوں کی سی صورت بنائی اور تمہارے دل میں خواہشاتِ نفسانی کا ہجوم ہے اور ظاہر ہے کہ دینے والے نے جو کچھ تم کو دیا ہے وہ صرف تمہاری صورت دیکھ کر دیا ہے کہ اس کو تمہاری باطنی گندگی کی بالکل خبر نہیں ہے تو اگرچہ علمائے شریعت جو ظاہری انتظام کے متکفل[3] ہیں اس مال کو حلال بتلائیں گے مگر صاحبِ بصیرت[4] ضرور حرام کہے گا اور اس کو استعمال میں لانے کی ہرگز اجازت نہ دے گا۔ دوسری بات جس کا خیال رکھنا ضروری ہے یہ ہے کہ علماء کے فتوے پر اکتفا نہ کیا کرو بلکہ اپنے دل سے بھی پوچھا کرو کہ اس معاملہ میں دل کیا کہتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لیا کرو اگرچہ مفتی فتویٰ دے چکیں بات یہ ہے کہ گناہ مسلمان کے دل میں ضرور چبھا کرتا ہے کیونکہ جو چیز ضرر پہنچانے والی ہوگی وہ دل میں کھٹکے بغیر نہ رہے گی پس جو شے درحقیقت حرام

---

[1] سب حاکموں کے بڑے حاکم ۱۲ [2] کوئی باریک تدبیر نکالنا ۱۲ [3] ذمہ دار ۱۲ [4] دانائی ۱۲

Marfat.com

ہو گی[۱] جو کام فی الواقع گناہ ہو گا اس کو تمہارا دل بے کھٹکے قبول نہ کرے گا اور ہر چیز کی اصلیت[۱] اس طرح پر دل کے فتوے سے معلوم ہو جایا کرے گی۔ **فصل** نفس پر زیادہ تشدد بھی نہ کرو مثلاً کہنے لگو کہ ایسا مال کہاں ہے جو مشتبہ بھی نہ ہو اور کسی ظالم یا فاسق کے ہاتھ میں بھی نہ ہو کر آیا ہو؟ اور جب ایسا مال نہیں مل سکتا تو یا تو انسان جوگی بن کر گھاس پات کھانے پر قناعت کرے اور ایسا نہ کر سکے تو بے باک ہو کر جو چاہے کھائے پیئے۔ ایسا خیال کرنا گمراہی ہے بات یہ ہے کہ حلال[۲] بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان کے بین بین[۳] کی چیزیں مشتبہ کہلاتی ہیں۔ مگر تم کو صرف اتنی تکلیف دی گئی ہے کہ جو مال شرعاً حلال ہے اور اس کے حرام اور نجس ہونے کا کوئی ظاہری سبب تم کو معلوم نہیں ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ پیو۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک[۴] مرتبہ مشرک آدمی کے مشکیزہ سے اور حضرت عمر فاروق نے عیسائی[۵] عورت کے گھڑے سے وضو کیا ہے اور اگر پیاس ہوتی تو پی بھی لیتے اس سے معلوم ہو گیا کہ خواہ مخواہ وہم کرنا کہ خدا جانے یہ پانی پاک ہے یا ناپاک، جائز نہیں ہے جب پانی کے ناپاک ہونے کی ظاہرا کوئی وجہ تم کو معلوم نہیں ہے۔ تو اس کو پاک ہی سمجھنا چاہیئے اسی طرح جو حلال شے کسی ایسے آدمی کے ہاتھ میں پاؤ جس کا حال تم کو معلوم نہ ہو تو اس کو پاک سمجھو اور مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن[۶] رکھو اور یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کے پاس جو کچھ مال ہے حلال اور پاک ہی کمائی کا ہو گا اس کی دعوت بھی قبول کر لیا کرو خصوصاً جبکہ مسلمان صالح اور دیندار ہو۔ ہاں البتہ ظالم بادشاہ یا سود خوار یا شراب بیچنے والے شخص کا مال جب تک یہ نہ پوچھ لو کہ کس حلال طریقہ سے کمایا ہے حلال نہ سمجھو پس اگر تحقیق کے بعد معلوم ہو جائے کہ سود یا ظلم کی کمائی اور شراب کی قیمت نہیں ہے تو اس کا لے لینا بھی حرام نہیں ہے اور اگر کسی کے پاس غالب حصہ حلال آمدنی کا ہے اور کم حصہ حرام کا تو اس کا کھانا بھی حلال ہے البتہ اگر نہ کھاؤ تو تقوی ہے حضرت شیخ ابن مبارکؒ کے کارندہ متعینہ بصرہ نے بذریعہ خط کے ان سے دریافت کیا تھا کہ جو شخص ظالم بادشاہ سے دادوستد[۷] رکھتا ہو مجھے اس سے لین دین کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو شیخ نے لکھا کہ اگر اس شخص کا اس کے علاوہ اور بھی کوئی ذریعہ کسب ہو تو اس سے معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ ناجائز۔ غرض دنیا میں چھ قسم کے آدمی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ معاملہ کا جدا حکم ہے جس کو ہم نمبروار بیان کرتے ہیں۔

پہلی قسم وہ آدمی جن کی صورت کسب[۸] اور دینداری اور بددینی کا حال کچھ بھی معلوم نہیں ہے

---

[۱] مضمون حدیث بخاری ومسلم ۱۲ [۲] بیچ بیچ ۱۲ [۳] بخاری ۱۲ [۴] عبدالرزاق محبت ہے ۱۲ [۵] اچھا گمان ۱۲ [۶] لین دین ۱۲ [۷] کمائی ۱۲

ایسے لوگوں کا دیا ہوا مال حلال ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری نہیں۔ البتہ اگر احتیاط کے خیال سے نہ کھایا جائے تو تقویٰ میں داخل ہے **دوسری قسم** وہ صلحا جن کی دینداری کھلی ہوئی اور کمائی کا مشروع طریقہ ظاہر ہے ان کے مال میں شبہ کرنا وسوسہ شیطانی ہے بلکہ اگر ان کو اس کے پرہیز کرنے سے رنج ہو تو ایسا تقویٰ بھی حرام اور معصیت ہے **تیسری قسم** وہ لوگ جن کا سارا مال یا نصف سے زیادہ مال ظلماً یا سود یا شراب کی بیع و شراء سے حاصل ہوا ہے ان کا دیا ہوا مال یقیناً حرام ہے اور اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے **چوتھی قسم** وہ لوگ جن کا نصف سے کم مال حرام ذریعہ سے کمایا ہوا ہے اور تمہیں معلوم بھی ہے کہ زیادہ مقدار کسب حلال ہی کی ہے مثلاً دو ذریعہ تو حلال کے ہیں ایک یہ کہ وہ کوئی مشروع تجارت کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ ترکہ میں کچھ جائداد پائے ہوئے ہے جس کی آمدنی اس کو ملتی ہے اور ایک ذریعہ حرام ہے مثلاً کسی ظالم[1] بادشاہ کا ملازم ہے اور تنخواہ لیتا ہے۔ مگر اس ایک ذریعہ کی نسبت ان دو ذریعوں کی آمدنی زیادہ ہے تو چونکہ اس کے پاس زیادہ مال حلال ہے اس لئے کثرت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے دیے ہوئے مال کو حلال ہی سمجھا جائے گا البتہ اس سے پرہیز کرنا تقویٰ میں شمار ہوگا **پانچویں قسم** وہ لوگ ہیں جن کے کسب کا ذریعہ اگرچہ معلوم نہیں ہے مگر ظلم اور تعدی کی علامتیں ان پر نمایاں ہیں۔ مثلاً جابر حکام کی سی شکل و لباس و وضع اختیار کئے ہوئے ہیں تو چونکہ یہ ظاہری حالت یوں بتا رہی ہے کہ ان کا مال بھی ظلماً ہی حاصل ہوا ہوگا۔ لہٰذا اس سے احتیاط کرنی چاہئے اور اس کو تفتیش کے بغیر حلال نہ سمجھو **چھٹی قسم** وہ لوگ ہیں جن پر علامتِ ظلم تو کوئی نمودار نہیں ہے البتہ فسق و فجور[2] کے آثار نمایاں ہیں مثلاً ڈاڑھی منڈی ہوئی ہے یا مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں یا فحش بک رہا اور گالیاں دے رہا ہے یا اجنبی عورت کی طرف دیکھ رہا ہے یا اس سے باتیں کر رہا ہے تو اگرچہ یہ فعل سب حرام ہیں مگر مال کے حاصل کرنے میں چونکہ ان کو کچھ دخل نہیں ہے لہٰذا مال کو حرام نہیں سمجھا جائے گا۔ پس اگر تم کو معلوم ہو کہ یہ مال اس نے ترکۂ پدری میں پایا ہے یا کسی حلال ذریعے سے کمایا ہے تو اس کو حلال سمجھو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک کے پانی کو نجس نہیں سمجھا پس جب مجوسیت[3] اور نصرانیت[4] کے سبب پانی مشتبہ یا ناپاک نہیں ہوا تو مسلمان کا مال محض اس کے فسق و فجور کی وجہ سے کیسے ناپاک ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر اس کے مال کا حلال ذریعۂ کسب بھی تم کو معلوم نہ ہو تو ایسی صورت میں اس مال کے استعمال میں تامل اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

اس تشریح کے بعد ہم پھر یہی کہتے ہیں کہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لے لو اور جس مال سے دل کھٹکے

---

[1] گنہگاری ڈھکی چھپی نہیں اور کھلم کھلا مجور ۱۲ [2] آتش پرستی ۱۲ [3] عیسائیت ۱۲

بازار کی چیزوں میں اصل حلت ہے

Marfat.com

آٹھویں اصل مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ

تمام مخلوق عمر کی کشتی پر سوار ہو کر دنیا کا سفر ختم کر رہی ہے اور دنیا ایک مسافر خانہ ہے اس لئے آخرت کے مسافروں یعنی مسلمانوں کو اپنی سرائے کے ہم جنس مسافروں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا بھی دین کا ایک رکن ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی تین حالتیں ہوتی ہیں کیونکہ یا تو مجرد اور تن تنہا ہوگا اور یا اہل وعیال اور دوست واحباب وغیرہ کے تعلقات رکھتا ہوگا اور یا بین[۱] بین حالت ہوگی کہ تعلق تو ہوگا مگر صرف اقربا اور رشتہ داروں یا پاس پڑوسیوں سے ہوگا۔ عام مخلوق سے نہ ہوگا پس تینوں حالتوں کے حقوق اور حسن سلوک سے تم کو واقف ہونا چاہیئے جن کو ہم جدا جدا بیان کرتے ہیں۔ **پہلی حالت** میں چونکہ آدمی کو صرف اپنی ذات سے تعلق ہے اس لئے اپنے نفس کی اصلاح اور اس خدائی لشکر کے حقوق ادا کرنے ضروری ہیں جو اس عالم اصغر[۲] یعنی انسان میں حق تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں اور چونکہ اس جگہ ہمیں اختصار مقصود ہے اس لئے جسم انسان میں خدائی لشکر کے صرف سرداروں کا تذکرہ کرتے ہیں اور متنبہ[۳] کئے دیتے ہیں کہ ہر مجرد وتنہا مسلمان کو بھی ان کی حفاظت ونگہداشت ضروری ہے۔ جان لو کہ تمہارے اندر ایک خواہش پیدا کی گئی ہے جس کی وجہ سے تم ہر مفید اور پسندیدہ مرغوب شئے کو حاصل کرنے کی سعی کرتے ہو اور ایک غصہ پیدا کیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے تم ہر مضر اور مکروہ[۴] چیز کو دفع کرنے کی کوشش کرتے ہو اور تیسری چیز عقل پیدا کی گئی ہے جس سے تم اپنے معاملات کا انجام سوچتے اور اپنی رغبت کی حفاظت کرتے ہو۔ پس غصہ کو کتا سمجھو اور خواہش کو گھوڑا اور عقل کو بادشاہ، اس کے بعد معلوم کرو کہ یہ تینوں قوتیں تمہارے ماتحت بنائی گئی ہیں کہ ان میں عدل وانصاف کرنا اور اس قدرتی سپاہ سے مدد لے کر ابدی[۵] سعادت حاصل کرنا تمہارا فرض ہے پس اگر تم کتے کو مہذب اور گھوڑے کو شائستہ کر کے بادشاہِ عقل کا مطیع وفرمانبردار بنائے رکھو گے تو عقل کا حق ادا کر دو گے اور ضرور مقصود تک پہونچ جاؤ گے اور اگر محکوم کو حاکم کی مسند پر بٹھا دیا اور حاکم بادشاہ کو تابعدار غلام بنا دو گے تو انصاف کھو بیٹھو گے اور ظالم کہلاؤ گے۔ کیونکہ کسی شئے کا بے محل رکھنا ہی تو ظلم کہلاتا ہے لہٰذا جب خواہش نفسانی کوئی چیز حاصل کرنی چاہے یا غصہ کسی شئے کو دفع کرنا چاہے تو عقل سے سوچا کرو کہ اس کا انجام کیا ہے؟ اگر انجام اچھا ہو تو عقل کو چاہیے کہ اس کام کے کرنے کی ان کو اجازت دیدے اور اگر انجام

[۱] بیچ بیچ ۱۲ [۲] چھوٹا سا جہان ۱۲ [۳] ہوشیار ۱۲ [۴] تکلیف دینے والی اور ناپسندیدہ ۱۲ [۵] ہمیشہ کی ۱۲

Marfat.com

دوم[1] ہر کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ کیونکہ حق تعالیٰ مغرور اور متکبر کو پسند نہیں فرماتا پس اگر کوئی دوسرا شخص تمہارے ساتھ تکبر سے بھی پیش آئے تو اس کو برداشت کر جاؤ۔ دیکھو حق تعالےٰ نصیحت فرماتا ہے کہ عفو کی خصلت اختیار کرو۔ بھلائی کی ترغیب دو اور جاہلوں سے پہلو تہی کرو سوم[2] بڑوں کی تعظیم کرو اور چھوٹوں پر شفقت کی نظر رکھو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ جو جوان کسی بوڑھے کی تعظیم اس کے بڑھاپے کی وجہ سے کرے گا تو اس جوان کے بڑھاپے کی حالت میں اللہ تعالےٰ اس کی تعظیم کرنے والا شخص پیدا فرمائے گا۔" اس حدیث میں اشارۃً درازی عمر کی بھی بشارت آگئی کہ اس کو بوڑھا ہونا نصیب ہوگا چہارم ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی[4] کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کو دوزخ سے بچنے اور اللہ کے محبوب ہونے کی بشارت[5] دیتے ہیں پنجم[6] دو مسلمانوں میں رنجش ہو جائے تو صلح کرادو، شریعت میں ایسے موقع پر تالیفِ قلوب[7] کی وجہ سے بضرورت جھوٹ بولنے تک کی اجازت آئی ہے اور شرعاً اس کا درجہ نفل نماز اور روزہ سے بھی افضل ہے ششم[8] جو لوگ ایک کی دوسرے سے چغلی کھاتے ہیں یا ادھر کی ادھر لگا کر مسلمانوں میں باہم رنجش پیدا کرتے ہیں ان کی بات ہرگز مت سنو کیونکہ وہ اپنا دین برباد اور[9] جہنم میں جانے کا سامان کر رہے ہیں ہفتم تمہاری اگر کسی سے رنجش ہو تو تین دن سے زیادہ علیحدگی[10] مت رکھو۔ کیونکہ اگر تم مسلمان کی خطا سے درگذر کروگے تو اللہ تعالےٰ قیامت کے دن تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا[11] ہشتم سلوک اور احسان کرتے وقت اہل اور نااہل مت دیکھا کرو۔ کیونکہ اگر کوئی نااہل بھی ہو تو تم اس کے ساتھ کیوں نااہل بنتے ہو سلوک کرنے کے لئے تو تمہارا اہل ہونا کافی ہے۔ نہم لوگوں سے ان کی حالت کے موافق برتاؤ کیا کرو یعنی جاہل میں اس کمال اور تقویٰ کو مت ڈھونڈو جو علماء میں ہوا کرتا ہے اور عوام کی طبیعتوں میں خواص کی سی سمجھ اور سلیقہ کی توقع مت رکھو حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ الٰہی وہ طریق بتلادے جس سے مخلوق بھی مجھ سے محبت کرے اور آپ بھی راضی رہیں تو حکم ہوا کہ اے داؤد: دنیا داروں سے ان کی حالت کے موافق برتاؤ کرو اور دینداروں سے ان کے حال کے مطابق۔ دہم ملاقات کے وقت لوگوں کے مرتبہ کا بھی لحاظ رکھو یعنی اگر کوئی دنیا دار باعزت آدمی تمہارے پاس آئے

---

[1] ترمذی حسن غریب ۱۲ [2] ہنس مکھ ہونا ۱۲ [3] ابن حبان بیہقی ضعیف ۱۲ [4] الفت کرانا ۱۲ [5] بخاری و مسلم ۱۲ [6] بخاری ابوداؤد نسائی وغیرہ ۱۲ [7] ابن حبان بیہقی ۱۲

تو اس کی بھی عظمت کرو۔ دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض[1] دنیا دار ذی عزت آدمی
چادر مبارک بچھادی اور یوں فرمایا ہے کہ جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص تمہارے پاس آیا
کرے تو اس کی عزت کیا کرو۔" **یازدہم**[11] مسلمانوں کے عیب ہرگز ظاہر نہ کرو کیونکہ پردہ پوشی
کرنے والے جنت[3] میں جائیں گے۔ غیبت بھی نہ کرو اور کسی کے عیب کی ٹوہ میں بھی نہ رہو یاد رکھو
کہ اگر آج تم کسی مسلمان کی عیب جوئی کروگے تو کل کو حق تعالیٰ[4] تمہارا عیب ظاہر فرما کر رسوا
کردے گا جس کو وہ رسوا کرے پھر اس کو امان کہاں؟ **دوازدہم**[12] تہمت[5] کی جگہ سے بھی بچو ورنہ
لوگ بدگمان ہوں گے اور تمہاری غیبت کیا کریں گے اور چونکہ ان کی غیبت میں مبتلا ہونے
کا سبب تم بنے ہو کہ نہ تہمت کے موقع پر تم جاتے اور نہ ان کو غیبت کا موقع ملتا۔ لہذا گناہ
تم پر بھی ہوگا۔ اس لئے کہ گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ
ازواج مطہرات[6] میں سے کسی کے ساتھ دروازہ مکان پر کھڑے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے
کسی شخص کا اس جانب گذر ہوا چونکہ موقع تہمت تھا اس لئے آنحضرت نے قصداً آواز دے
کر اس شخص سے فرمایا "اے شخص جس عورت سے میں باتیں کر رہا ہوں یہ میری بی بی صفیہ[7]
ہے" اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ توبہ ہے کہیں آپ کی جانب بدگمانی ہو سکتی
ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ تعجب ہی کیا ہے۔ شیطان تو بنی آدم کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے
ہے یعنی شاید تمہارے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا اور وہ تمہاری بربادی کا سبب بنتا اس لئے
مجھے اطلاع دینی ضرور ہوئی۔ **سیزدہم**[13] مسلمانوں کی حاجت روائی میں کوشش کیا کرو حدیث
میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اکثر کسی کو کچھ دینے دلانے میں تاخیر کرتے
اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں صرف اس وجہ سے جلدی حکم نہیں دیتا کہ تم کو سفارش
کرنے کا موقع مل جائے اور تم زبان سے کلمۃ الخیر نکال کر ثواب[8] حاصل کرو۔" مسلمان کی حاجت
روائی میں سعی کرنا بہرحال نافع ہے خواہ تمہاری کوشش سے اس کی حاجت پوری ہو یا نہ ہو۔
حدیث[9] میں اس سعی کا اجر و ثواب سال بھر کے اعتکاف سے زیادہ آیا ہے **چہاردہم**[14] ہر مسلمان
سے سلام علیک اور مصافحہ میں پیش قدمی کیا کرو، حدیث[10] میں آیا ہے کہ جب دو مسلمان مصافحہ
کرتے ہیں تو رحمت خداوندی کے ستر حصوں میں سے انہتر حصے تو اس کو مل جاتے ہیں جس نے

---

[1] بزار ابن خزیمہ طبرانی ابن عدی حاکم صحیح ہے اور یہ جریر بن عبداللہ تھے ۱۲ [2] طبرانی اوسط و صغیر ۱۲ [3] ابوداؤد وغیرہ معدوم
[4] مضمون حدیث تاریخ بخاری [5] بخاری [6] وہ حضرت صفیہ تھیں ۱۲ [7] ابوسعید مسند صالح [8] حاکم تکریکائے سال کے
دو ماہ [9] حکیم ترمذی و ابوالشیخ حسن بغیرہ ۱۲

Marfat.com

مصافحہ میں ابتدا کی ہے اور ایک حصہ دوسرے کو پانتر دیہم مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں بھی اس کی مدد کرو یعنی اس کی آبرو یا مال پر اگر دھبہ یا نقصان آئے تو اس کو بچاؤ۔ کیوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جہاں کسی مسلمان کی آبروریزی ہورہی ہو تو جو مسلمان ایسے وقت میں اس کی مدد کرے گا تو حق تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد فرمائے گا اور جو مسلمان اس کی کچھ پرواہ نہ کرے گا تو حق تعالیٰ بھی اس کی اعانت کے موقع پر اس کی کچھ پرواہ نہ فرمائیگا شانزدہم شری لوگوں سے بھی اس نیت سے مدارات کرلیا کرو کہ اس طرح پر ان کے شر سے محفوظ ہوگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا آنے دو بُرا شخص ہے" اور جب وہ اندر آگیا تو آپ نے ایسی نرمی اور ملاطفت کے ساتھ اس سے باتیں کیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اس کی بڑی قدر کرتے ہیں جب وہ چلا گیا تو میں نے حضرت سے اس کی وجہ پوچھی تب آپؐ نے فرمایا کہ بدتر شخص قیامت کے دن وہ ہے جس کی بدی سے بچنے کے لئے لوگ اس کو چھوڑ دیں"۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ جس طریقہ سے بھی انسان اپنی آبرو بچائے وہ صدقہ میں شمار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت ہے کہ لوگوں سے ان کے اعمال کے موافق میل جول رکھو۔ البتہ بدکاروں کو دل میں جگہ نہ دو ہفدہم زیادہ تر مسکینوں کے پاس اٹھو بیٹھو اور امرا کی صحبت سے پرہیز کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ بار الہا میری موت وحیات مسکنت ہی کی حالت میں رکھیو اور مسکینوں ہی کی جماعت میں میرا حشر فرمائیو حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود اس جاہ و اقتدار کے جب کبھی مسجد میں کسی مسکین کو بیٹھا دیکھتے تو اس کے پاس بیٹھ جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ مسکین اپنے ہمجنس مسکین کے پاس بیٹھ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے ایک بندہ دریافت کیا یا اللہ میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں تو حکم ہوا شکستہ دل لوگوں کے پاس ہشتدہم حتی الامکان انھیں کے پاس بیٹھو جنکو کچھ دینی فائدہ پہونچا سکو یا جن سے دین کا کچھ نفع خود حاصل کرسکو اور غفلت والوں سے علیحدہ رہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بُرے ہمنشین سے تنہائی بہتر ہے، اور تنہائی سے نیک بخت ہمنشین بہتر ہے۔ یہ خیال کرو کہ اگر تم ایسے شخص کے پاس آتے جاتے

[1] احمد وابو داؤد وحسن ۱۲ [2] بخاری ۱۲ [3] دارقطنی وحاکم۔ حسن وصحیح ۱۲ [4] ابن عساکر
[5] ابن ماجہ وحاکم صحیح ۱۲ [6] بیہقی حسن ۱۲

Marfat.com

رہو جو ہر دفعہ تمہارے کپڑے کا ایک تار یا داڑھی کا ایک بال نوچ لیا کرے تو ضرور تم کو اندیشہ ہوگا کہ اس طرح پر تو عنقریب کپڑا ختم اور داڑھی ندارد ہو جائے گی اور تم اس کے پاس آمد و رفت ترک کر دو گے۔ پس اس طرح جس کی صحبت میں حبہ برابر بھی دین کی کمی ہو تو اس سے پرہیز کرو ورنہ تھوڑا تھوڑا ہو کر ایک دن سارا دین برباد ہو جائے گا۔ **نوزدہم** مسلمان بھائی اگر بیمار ہو تو اس کی عیادت کیا کرو اور انتقال کر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ اور اس کے بعد بھی کبھی گورستان میں ان کی قبر پر ہو آیا کرو اور ان کے لئے ایصال ثواب اور استغفار و طلب رحمت کرتے رہا کرو۔ **بستم** اگر ان کو چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہو اور اگر وہ تم سے کسی بات میں مشورہ کریں تو نیک صلاح دیا کرو۔ الحتصر جو اہتمام اپنے نفس کو نفع پہونچانے اور ضرر سے بچانے کا کر سکتے ہو وہی عام مسلمانوں کے لئے ملحوظ رکھو۔ **خاص متعلقین سے برتاؤ۔**

متعلقین اور اقارب کے حقوق

نسبی اور صہری رشتہ دار یعنی بیوی۔ بچے۔ ماں، باپ اور ہمسایہ و غلام نوکر چاکر سب متعلقین میں داخل ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن کا مقدمہ پیش ہوگا وہ دو ہمسایہ ہوں گے۔ لہٰذا پڑوس کے حقوق کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمسایہ کے پلے ہوئے کتے کے اگر ڈھیلا بھی مارو گے تو ہمسایہ کے ایذا رساں سمجھے جاؤ گے۔ ایک عورت نہایت پارسا تھی مگر اس کے پڑوسی اس سے نالاں رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوزخی فرمایا ہے ایک مرتبہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا۔ جانتے بھی ہو ہمسایہ کے کتنے حق ہیں؟ اگر ہمسایہ مدد چاہے تو اس کی مدد کرو اور قرض مانگے تو قرض دو۔ اگر تنگدست ہو جائے تو سلوک کرو اگر بیمار پڑے تو عیادت کرو اور انتقال کر جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ۔ اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو مبارکباد دو اور رنج پہونچے تو تسلی دو اس کی اجازت کے بغیر اپنا مکان اتنا اونچا نہ بناؤ کہ اس کو خاطر خواہ ہوا نہ پہونچ سکے۔ اگر کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں سے بقدر مناسب اس کو بھی دو اور اگر نہ دے سکو تو چپکے سے گھر میں لے جاؤ تاکہ دیکھ کر اس کو حرص نہ ہو۔ اس کے بعد مناسب ہے کہ تمہارا بچہ بھی پھل لے کر باہر نہ نکلے۔ کیونکہ ہمسایہ کے بچہ کو حرص ہوگی تو اس کو رنج پہنچے گا۔ اسی طرح اگر ہانڈی چڑھے تو ایک چمچہ پڑوسی کو بھی پہونچاؤ جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کس قدر

پڑوسی کے حقوق

قرابت کے حقوق

سلہ خدا ان پر رحم کرے یہ سب مضمون صحیح حدیثوں کے ہیں ۱۲ ۲لہ جو نکاح سے ہوں ۱۲ ۳لہ طبرانی صحیح ۴لہ ابن ابی شیبہ ۱۲ ۵لہ مکارم الاخلاق خرائطی و ابوالشیخ ۱۲ ؛

ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ پڑوسی کے حق وہی پورے کر سکتا ہے جس پر حق تعالیٰ کا فضل ہو۔ قرابت داری کے حقوق کا بھی لحاظ رکھو کیونکہ رحم جس کے معنی قرابت کے ہیں رحمٰن سے مناسبت رکھتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے[1] کہ جو شخص رحم سے میل رکھے گا میں اس سے میل رکھوں گا اور جو اس سے قطع تعلق کریگا میں اس سے قطع تعلق کر دوں گا۔ صلہ رحمی[2] کرنے والے کی عمر میں برکت ہوتی ہے جنت کی خوشبو جو پانچسو برس کی مسافت سے آتی ہے وہ قاطع[3] رحم کو ہرگز نہ آئے گی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[4] ہیں کہ ماں باپ کی خدمت کرنا نماز، روزہ، حج وعمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے اور ماں کا حق باپ کی نسبت دوچند[5] ہے۔ حدیث[6] میں حکم ہے کہ جو کچھ[7] دینا ہو ساری اولاد کو مساوی دیا کرو۔

قرابت کے حقوق

غلاموں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد[8] ہے کہ ان کے متعلق خدا سے ڈرو اور جو کچھ خود[9] کھاؤ وہی ان کو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنو وہی ان کو بھی پہناؤ۔ تحمل سے زیادہ ان سے کام نہ لو اور[10] یہ سمجھو کہ صاحب قدرت خدا نے ان کو تمہارا غلام بنا دیا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تم کو ان کا غلام بنا دیتا۔ جب[11] غلام کھانا لا کر تمہارے سامنے رکھے تو چونکہ آگ کی تپش اور دھوئیں کی کوفت اسی نے برداشت کی اور تم کو ان تکلیفوں سے بچایا ہے اس لئے اس کی دلدہی کرو اور اس کو شفقت کے ساتھ اپنے پاس بٹھلا کر ساتھ کھلاؤ یا کم سے کم ایک لقمہ اس کے ہاتھ پر رکھدو اور پیار کے لہجہ میں کہو کہ کھا لو۔ ایسا کرنے سے اس کا دل خوش ہو جائیگا اور تمہاری عزت میں فرق نہ آئیگا اگر وہ کوئی خطا کر بیٹھے[12] تو درگذر کرو۔ اس کو غرور و حقارت کی نظر سے مت دیکھو

غلام کے حقوق

بی بی کے حقوق چونکہ غلام سے کئی حصہ زیادہ ہیں لہذا بی بی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرو اور حسن معاشرت اور خوش کلامی کا برتاؤ رکھو۔ کیونکہ بیبیوں کے ساتھ نیک برتاؤ رکھنے والوں کے بڑے درجے ہیں دیکھو مقتدائے امت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ کیسی خوش طبعی و دلجوئی اور محبت و نرمی کا برتاؤ فرماتے تھے۔ حدیثوں میں حسن معاشرت کی بڑی تاکید آئی ہے۔

بی بی کے حقوق

فصل انھیں اصول میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ اپنے لئے کچھ دینی دوست تجویز کر لو کہ جن سے محض اللہ ہی کے واسطے محبت ہو قیامت کے دن حق تعالیٰ آواز دے گا[13] کہ کہاں ہیں وہ جو خاص میرے واسطے محبت باہم رکھتے تھے آج جب کہ میرے سایہ

[1] حدیث قدسی ابوداؤد و ترمذی حسن ۱۲ [2] رشتہ داری باقی رکھنا مضمون بخاری و مسلم [3] رشتہ داری قطع کرنیوالا حدیث طبرانی ۱۲ [4] مضمون ابو یعلی و طبرانی صغیر ۱۲ [5] ابن منیع [6] طحاوی [7] حکم یعنی زندگی میں اور مرنے کے بعد بقاعدہ وراثت [8] ابوداؤد ۱۲ [9] مسلم ۱۲ [10] بخاری ۱۲ [11] ابن عساکر آخر تک [12] ابوداؤد و ترمذی ۱۲ [13] مسلم ۱۲

Marfat.com

ذکر دوستی بندگان کی فضیلت اور محبت فی اللہ کے درجے

سایہ کے سوا کہیں سایہ نہیں ہے میں ان کو اپنے سایہ میں لوں گا۔" حدیث ملہ میں آیا ہے کہ عرش کے گرد نور کے ممبر ہیں جن پر ایک جماعت بیٹھے گی جن کے لباس اور چہرے سرتاپا نور ہوں گے اور وہ لوگ نہ نبی ہیں نہ شہید۔ مگر انبیاء و شہدا ان کی حالت پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ" اللہ کے مخلص بندے جو باہم اللہ کے واسطے کی محبت کرتے اور اللہ کے واسطے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے اُٹھتے اور آتے جاتے ہیں" یاد رکھو کہ ایمان کے بعد اللہ کے واسطے کی محبت کا مرتبہ ہے اور اس میں بھی دو درجہ ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ تم کو کسی شخص سے اس بنا پر محبت ہو کہ دنیا میں تم کو اس کے ذریعے سے ایسی چیز حاصل ہوئی ہے جو آخرت میں مفید ہے مثلاً شاگرد کو اپنے استاد کے ساتھ علم دین حاصل کرنے کے سبب محبت ہے اور مرید کو اپنے مرشد سے راہ طریقت معلوم کرنے کی وجہ سے محبت ہے بلکہ استاد کو اپنے شاگرد کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بھی اسی بنا پر ہوتی ہے کہ علم دین کا سلسلہ اس کی وجہ سے مدتوں تک میری طرف منسوب ہو کر جاری رہے گا اور مجھ کو آخرت میں صدقہ جاریہ کا اجر ملے گا۔ اسی طرح اپنے خادم اور محسن دونوں کے ساتھ اسی نیت سے محبت ہوتی ہے کہ ان کی خدمت اور احسان کی وجہ سے فارغ البالی حاصل ہوتی ہے اور اطمینان کے ساتھ عبادت و طاعت کا وقت نصیب ہوتا ہے پس یہ سب اللہ ہی کے واسطے کی محبت ہے کیونکہ کوئی دنیاوی غرض اس محبت سے مقصود نہیں ہے مگر پھر بھی چونکہ خاص اللہ کی ذات مطلوب نہیں ہے اس لئے اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ کسی اللہ کے پیارے اور نیک بندے سے بغیر کسی دینی غرض کے صرف اس وجہ سے محبت ہو کہ یہ شخص اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کا محبوب ہے کیونکہ معشوق کے کوچہ کا کتا بھی دوسرے کتوں سے ممتاز ہوتا ہے پھر بھلا کیسے ممکن ہے کہ تمہیں حق تعالےٰ سے محبت ہو اور اس کے محبوب بندوں سے محبت نہ ہو؟ یاد رکھو، رفتہ رفتہ یہ تعلق یہاں تک قوی ہو جاتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندوں کے ساتھ اپنے نفس کا سا برتاؤ ہونے لگتا ہے بلکہ اپنے نفس پر بھی ان کو ترجیح ہوتی ہے پس جتنا بھی یہ علاقہ مضبوط ہوگا اسی قدر کمال میں ترقی ہوگی۔

لہ سنن اکبری نسائی۔ مضمون ابن حبان ۱۲۔ ع رشک کبھی بڑے کو چھوٹے پر بھی ہوتا ہے جیسے حاکم اعلےٰ کے معائنہ تحصیل کے وقت چپراسی کی بے فکری اور اپنی ذمہ داری دیکھ کر تحصیل دار کو اس پر رشک ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے فکر میں مشغول ہوں گے اور یہ لوگ ان سے چھوٹے درجہ میں ہونے کی وجہ سے ان فکروں سے آزاد ہوں گے ۱۲

Marfat.com

ایسا ہی بغض کا حال ہے کہ حق تعالےٰ کے نافرمان بندوں سے عداوت ہونی چاہیئے جن کو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے نافرمان بندوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اور ان سے بات کرنا تک چھوڑ دیتے ہیں اگر ان کی صورت نظر آتی ہے تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی ہے کہ خداوندا کسی فاسق شخص کا مجھ پر احسان نہ کرائیو کہ اس کے احسان کی وجہ سے میرے دل میں اس کی محبت نہ آجائے حبّ فی اللہ اور بغض فی اللہ اسی کا نام ہے اور جس مسلمان کو اپنے مولا سے اتنی بھی محبت نہیں جس کا یہ اثر ہو کہ اللہ کے محبوب بندے اس کے محبوب بن جائیں اور خدا کے دشمنوں کو وہ اپنا دشمن سمجھے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس شخص کے ایمان میں ضعف ہے اور اس کو اپنے خدا کی محبت نہیں ہے۔

نویں اصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی وعظ ونصیحت کا بیان

اللہ پاک فرماتا ہے کہ "تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے چاہئیں جو نیکی کی جانب بلائیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں بُرائیوں سے منع کریں۔ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ معصیت میں مبتلا ہو جائیں اور ان میں ایسے لوگ بھی موجود ہوں جو ان کو معصیت سے روک سکتے ہیں مگر وہ کاہلی کریں اور ان کو معصیت سے منع نہ کریں تو حق تعالیٰ ان پر عذاب بہت جلد نازل فرمائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک ایسے قصبہ پر عذاب نازل ہو چکا ہے جس میں اٹھارہ ہزار مسلمان آباد تھے اور ان کے اعمال انبیاء علیہم السلام جیسے تھے مگر اتنا نقص تھا کہ اللہ کی نافرمانیاں دیکھ کر ان کو غصہ نہ آتا تھا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑے ہوئے تھے لہٰذا ہلاک کر دیئے گئے"۔ اگر تم کسی جگہ پر کوئی ناجائز کام ہوتا ہوا دیکھو گے اور خاموش بیٹھے رہو گے تو اس گناہ میں تم بھی شریک سمجھے جاؤ گے۔ کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا گناہ کے اندر دونوں برابر ہیں اسی طرح ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہننے والے جس قدر گناہگار ہیں اسی قدر اس کے وہ یار دوست یعنی اس کے پاس بیٹھنے اٹھنے والے مسلمان بھی گناہگار ہیں جو اس کی

لہ دیلمی ۱۲ لہ شرعیت اللہ کے واسطے کی محبت اور صرف اللہ کے واسطے کی دشمنی ۱۲ لہ نیکی کا حکم لہ برائی سے روک ۱۲ لہ ابوداؤد مضمون ترمذی صحیح ۱۲ لہ تابعین ۱۲ لہ یعنی قریب قریب ورنہ انبیا تک کسی کا عمل نہیں پہنچ سکتا ۱۲

Marfat.com

لباس اور طلائی انگشتری پہنے دیکھتے ہیں اور منع نہیں کرتے اسی طرح ایسے مکانوں میں بیٹھنا جس کی دیواروں پر تصویریں ہوں یا ایسی مجلس میں شریک ہونا جہاں کوئی بدعت ہو رہی ہو یا کسی مباحثہ یا مناظرہ کے ایسے جلسے میں جانا جہاں سب و شتم اور لغو مشغلہ ہو سب گناہ ہے پس خوب سمجھ لو کہ ان گناہوں کے موقعوں سے صرف بچنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ جب تک بے تامل نصیحت نہ کر دگے اور گناہ سے ان کو روک نہ دوگے اس وقت تک عہدہ[1] برآ ہرگز نہ ہو سکوگے۔ یہی سبب ہے کہ گوشہ نشینی بہتر سمجھی گئی ہے اور جتایا گیا ہے کہ کثرت[2] اختلاط سے ضرور معصیت ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کیسا ہی متقی کیوں نہ ہو جب تک ملامت کرنیوالوں کی ملامت کا خوف دل سے نہ نکال دے اور گناہ ہوتا دیکھے اوس کو روک نہ دے گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ غرض مداہنت[3] حرام ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب ہے البتہ دو حالت میں اس کا وجوب قائم نہیں رہتا پہلی حالت اس کو معلوم ہو کہ میں اس گناہ سے منع کر دوں گا تو مجھ کو نظر حقارت سے دیکھا جائے گا اور نہ میری بات کی یہ لوگ پرواہ کریں گے اور نہ اس گناہ کو چھوڑیں گے تو ایسی صورت میں نصیحت کرنا واجب نہ رہے گا اور یہ حالت اکثر ان معصیتوں کے متعلق پیش آتی ہے جن کے مرتکب فقہا و علما یا ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو دیندار اور متقی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص ان کو نصیحت کرے تو ان کو سخت ناگوار گذرتا ہے اور وہ گناہ چھوٹتا نہیں جس کو انہوں نے اختیار کیا ہے ایسے موقع پر بے شک سکوت جائز ہے البتہ زبان سے پھر بھی نصیحت کر دینا مستحب ہے اس کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھو کہ گو ایسی جگہ نصیحت کرنا واجب نہیں رہا۔ مگر خود وہاں سے اٹھ آنا ضرور واجب ہے کیونکہ بیٹھا رہنا اپنا اختیاری فعل ہے اور بلا اختیار خود معصیت کا دیکھنا بھی معصیت ہے پس جہاں دور شراب جاری ہو یا غیبت ہو رہی ہو یا داڑھی منڈے بددین غیر متشرع[4] فاسق فاجر بیٹھے ہوں وہاں ہرگز نہ بیٹھو دوسری حالت یہ ہے کہ ناجائز فعل سے باز رکھنے پر قدرت تو ہو مگر اس کا غالب اندیشہ ہو کہ اگر دست اندازی کی تو ضرور یہ لوگ مجھ کو ماریں گے۔ مثلاً کسی جگہ شراب کا شیشہ یا ستار وغیرہ یا کوئی اور سامان لہو و لعب رکھا ہوا دیکھو اور ممکن ہے کہ آگے بڑھ کر اس کو توڑ پھوڑ دو مگر غالب گمان یہ ہو کہ ایسا کرنے سے ان کا مالک تم کو ایذا دیئے بغیر باز نہ رہے گا تو اس

---

[1] بری الذمہ ۱۲ [2] بہت میل جول [3] بے توجہی ۱۲ [4] خلاف شرع ۱۲

Marfat.com

صورت میں بھی چپ ہو رہنا جائز ہے البتہ ہمت کرنا پھر بھی مستحب ہے کیونکہ ایسے امر خیر میں جو کچھ ایذا پہونچے گی اس کے بھی بڑے اجر ہیں ایسی حالت میں سکوت کا جائز ہونا اس شرط پر ہے کہ بدنی تکلیف یعنی مار پیٹ یا مالی نقصان یا سکیت اور آبرو ریزی یا ایذا رسانی کا یقین یا غالب گمان ہو نہ یہ کہ نصیحت کرنے سے ان کو میری محبت نہ رہے گی یا ناگوار گذرے گا اور مجھکو زبان سے کچھ برا بھلا کہنے لگیں گے یا مجھکو اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے اور آئندہ کوئی تکلیف پہونچانے کی فکر کریں گے یا جو کچھ دیتے ہیں وہ بند کر لیں گے یا آئندہ کوئی دینی مصلحت و بہبودی کی توقع ہے اور نصیحت کرنے سے وہ مصلحت ہاتھ سے جاتی رہے گی تو ایسی موہوم باتوں کی شریعت میں کچھ وقعت نہیں ہے اور نہ ان خیالات سے خلاف شرع امر پر نصیحت کئے بغیر چپ ہو رہنا جائز ہے اس کو خوب سمجھ لو فصل اول تو واعظ کو حلیم الطبع[1] نرم مزاج ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اپنی نیک بختی جتلانے اور دوسروں پر اعتراض کرنے کی نیت سے وعظ کرنے کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ بلکہ اس سے لوگوں کو صدمہ ہوتا اور برافروختگی بڑھتی ہے اور بجائے معصیت چھوڑنے کے وہ لوگ معصیت پر ضد اور اصرار کرنے لگتے ہیں اور جب ضد بندی ہوگئی تو پھر نصیحت کرنا اللہ واسطے نہ رہا بلکہ اپنے دل کی جلن نکالنے اور پھوپے پھوڑنے کی غرض سے ہو گیا۔ لہذا جب وعظ کہو تو نہایت نرمی سے کہو اور نیت رکھو کہ کاش حق تعالیٰ کی یہ معصیت چھوٹ جائے اور کوئی دوسرا ہی واعظ اس کو چھڑا دے تو بہت بہتر ہے کیونکہ خود معترض اور ناصح بننے کی عزت کا خواستگار ہونا خلوص کے خلاف ہے۔ ایک مرتبہ خلیفہ ماموں رشید کو ایک واعظ نے کسی بات کی سختی کے ساتھ نصیحت کی تو ماموں رشید نے واعظ سے کہا ذرا نرمی سے نصیحت کیا کرو۔ دیکھو تم سے بہتر ناصح حضرت کلیم اللہ[2] پیغمبر مجھ سے بدتر بندہ فرعون مصر کی جانب ناصح بنا کر بھیجے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا یوں حکم ہوا فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون فرعون سے نرمی کے ساتھ باتیں کیجیو۔ حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک نوجوان شخص رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیدیجئے اس شخص کا یہ کلمہ سن کر لوگ اس کو ڈانٹنے لگے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوڑو اور اس شخص کی جانب متوجہ ہو کر

---

[1] بردبار طبیعت رکھنے والا ۱۲ منہ [2] حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۲ [3] احمد و طبرانی صحیح ۱۲

فرمایا کہ یہاں آؤ" اور جب وہ شخص پاس آیا تو آپ نے کہا کہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں بھلا اگر تمہاری ماں سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تم کو ناگوار نہیں گذرے گا؟" اس نے عرض کیا کہ کیوں نہیں گذریگا ضرور گذریگا اس پر آپ نے فرمایا۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ دوسرے لوگوں کو اپنی ماؤں کے ساتھ ایسا ہونا کیوں کر گوارا ہوگا؟ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھا تمہاری بیٹی کے ساتھ اگر کوئی ایسا فعل کرے تو کیا تم کو پسند ہے؟" اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر دوسرے اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس کو کیوں پسند کرنے لگے" یہاں تک کہ آپ نے بہن اور پھوپی اور خالہ سب ہی کا نام لے کر دریافت فرمایا اور یوں ہی جواب دیتے رہے کہ پھر دوسرے لوگ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ایسی بے حیائی کیوں پسند کرنے لگے۔ آخر یہ عورت کہ جس سے زنا کیا جائے گا کسی کی ماں بیٹی یا پھوپی یا خالہ تو ضرور ہوگی اور جب تمہیں اپنے رشتہ داروں میں کسی کے ساتھ بھی کسی کا زنا کرنا گوارا نہیں ہے تو دوسرے مسلمانوں کو ان کے کسی رشتہ دار سے تمہارا زنا کرنا کیوں کر گوارا ہونے لگا ہے اس کے بعد دست مبارک اس کے سینہ پر رکھا اور دعا کی، خداوندا، اس کا قلب پاک کر دیجئے اور گناہ بخش دیجئے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرمایئے" اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ سب سے ناپسندیدہ گناہ اس کے نزدیک زنا ہی تھا۔

ایک مرتبہ مجمع میں حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی گئی کہ حضرت سفیانؒ بن عیینہ نے شاہی تحفہ قبول کر لیا۔ شیخ نے یہ سنکر مجمع میں تو صرف یہ کہہ کر بات کو ٹال دیا کہ نہیں جی سفیانؒ نے اپنا حق لیا ہوگا اور وہ بھی ناتمام، مگر خلوت میں سفیان کو پاس بٹھا کر نہایت نرمی سے نصیحت کی اور فرمایا اے ابو علی ہم اور تم اگر بزرگ نہیں ہیں تو بزرگوں کے محب اور دوست رکھنے والے تو ضرور ہیں" مطلب یہ کہ ہم لوگ چونکہ اس زمرہ میں شمار ہوتے ہیں اس لئے تم کو ایسے افعال سے بچنا چاہیئے جن کو لوگ حجت پکڑیں اور بزرگوں کے نام پر عیب لگائیں، دوسرے واعظ کو اول اپنی اصلاح کرنی چاہیئے۔ کیونکہ نصیحت کا اثر اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ناصح خود بھی باعمل ہو ورنہ لوگ ہنستے اور مذاق اڑایا کرتے ہیں ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ نصیحت کرنے کا جواز یا وجوب عامل ہونے پر موقوف نہیں ہے، اگر کوئی عالم خود عامل نہ بھی ہو تب بھی اس کو نصیحت اور وعظ کا چھوڑ دینا اور گناہوں کو ہوتے ہوئے دیکھ کر سکوت اختیار کرنا جائز نہ ہوگا خوب سمجھ لو کہ یہ خیال بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ جب

Marfat.com

تک خود پورے عامل نہ بن جائیں اس وقت تک دوسروں کو کیا نصیحت کریں اگر ایسا خیال معتبر سمجھا جاوے تو وعظ اور نصیحت کا سلسلہ مفقود اور دروازہ بالکل مسدود ہو جائے گا۔ یاد رکھو امر بالمعروف واجب اور ضروری ہے۔ عاصی اور گنہگار شخص کو بھی وعظ کہدینا جائز ہے البتہ واعظین پر یہ دوسرا وجوب مستقل ہے کہ اپنے علم عمل پر کریں اور جس کام کی بھی دوسروں کو نصیحت کریں اس پر خود بھی کاربند ہوں۔ پس اگر ایک واجب کو ترک کیا کہ خود عامل نہ بنے تو دوسرا واجب ترک کرنا کیوں جائز ہونے لگا کہ دوسروں کو نصیحت بھی نہ کریں

دسویں اصل اتباع سنت کا بیان

چونکہ اصل سعادت یہی ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے اس لئے سمجھ لو کہ حضرت کے تمام افعال کی دو قسم ہیں اول عبادات جیسے نماز، روزہ، حج۔ زکوٰۃ وغیرہ دوم عادات مثلاً کھانا، پینا۔ سونا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا وغیرہ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ دونوں قسم کے افعال میں آپ کا اقتدا کریں کیونکہ حق تعالیٰ نے جس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم فرمایا ہے وہاں کوئی قید نہیں لگائی بلکہ یوں ارشاد فرمایا ہے کہ پیغمبر جو کچھ بھی تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز آجاؤ۔ شیخ محمد بن اسلم نے تمام عمر صرف اس خیال سے بھی خربوزہ نہیں کھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربوز کھانے کا انداز ان کو معلوم نہیں ہوا تھا۔ ایک بزرگ نے ایک مرتبہ موزہ سہواً اول بائیں پاؤں میں پہن لیا تو اس کے کفارہ میں جب تک ایک من گیہوں خیرات نہ کر دئے اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے۔ معلوم ہوا کہ کامل اتباع اور پوری سعادت مندی یہی ہے کہ عادتوں میں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا کیا جائے کیونکہ اس میں بے شمار فائدے ہیں اور ذرا سے تساہل میں ایسی نعمت عظمیٰ کا کھو بیٹھنا بے وقوفی ہے۔ اب ہم اس کا سبب اور یہ بات بیان کرتے ہیں کہ اتباع کامل میں کیا فائدے ہیں سنو! اس کی تین وجہ ہیں اول تمہیں معلوم ہے کہ قلب کو اعضا سے خاص تعلق ہے اور اعضائے بدن کے تمام افعال کا اثر دل کے اندر پہونچتا ہے لہذا جب تک اعضا کی حرکات و سکنات حد اعتدال[1] پر نہ ہو گی اس وقت تک قلب کو صلاحیت اور نور بھی حاصل نہ ہو گا کیونکہ انسان کا قلب آئینہ کی طرح ہے اور آئینہ آفتاب کی روشنی سے اس وقت روشن ہوتا

---

[1] درمیانی ۲ ۔

ہے جب کہ اس میں تین باتیں موجود ہوں اول یہ کہ اس کو صیقل[1] کیا جائے دوم یہ کہ اس کا جرم[2] صاف اور شفاف ہو۔ سوم یہ کہ اس میں کجی[3] بالکل نہ ہو۔ اسی طرح جب قلب کے اندر تینوں اوصاف موجود ہوں گے کہ خواہشات نفسانی کے ترک کر دینے سے اس کی صیقل ہو جائے گی اور ذکر الٰہی سے اس میں صفائی پیدا ہو گی اور افعال اعضا کو اعتدال پر رکھنے سے اس میں کجی نہ آنے پاوے گی تو اس وقت بے شک اس میں تجلیات باری تعالیٰ کا انعکاس[4] ہوگا اور اعتدال کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز کو اس کے موقع پر رکھا جائے مثلاً چار سمت میں سے ایک سمت یعنی جانب قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی ہے اس لئے تمام نیک کاموں میں خواہ ذکر الٰہی ہو یا تلاوتِ قرآن اور وضو یا دعا قبلہ کی جانب منہ کیا جائے اور جو افعال گھنیا لے کے قابل ہوں مثلاً قضائے حاجت یعنی بول و براز[5] اور جماع میں ستر کھولنا وغیرہ اس وقت اس جانب سے رخ پھیر لیا جائے ایسا کرنا چونکہ سمت قبلہ کی عزت قائم رکھنا ہے لہٰذا یہی اعتدال ہے یا مثلاً حق تعالیٰ نے داہنی جانب کو بائیں جانب پر شرف بخشا ہے اس لئے تم کو بھی اس شرف کا ہر وقت خیال رکھنا چاہیئے کہ اگر اچھے کام کرنے مثلاً کلام مجید اٹھانا یا روٹی کھانی ہو تو داہنا ہاتھ آگے بڑھاؤ اور میلے کام مثلاً استنجا کرنا۔ ناک سنکنا یا بضرورت کسی ناپاک چیز کو ہاتھ لگانا ہو تو بایاں ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ کپڑا پہنو تو اول دائیں طرف اور جوتہ پہنو تو اول داہنے پاؤں میں پہنو مسجد میں جاؤ تو اول داہنا پاؤں رکھو اور جب باہر نکلو تو اول بایاں پاؤں نکالو۔ الغرض ہر شے کے مرتبے کا خیال رکھنا عدل و انصاف کہلاتا ہے اور اس ظاہری اعتدال سے قلب بھی معتدل اور مستوی ہو جاوے گا۔ اگر یہ رمز تمہاری سمجھ میں نہیں آیا ہے تو تجربہ کر دیکھو اور اس کا تو تم نے تجربہ بھی کیا ہو گا کہ جو لوگ سچ بولنے کے خوگر ہوتے ہیں ان کے خواب بھی اکثر سچے ہوتے ہیں اور جو لوگ جھوٹ بولتے ہیں ان کے خواب بھی زیادہ جھوٹے ہیں کیونکہ راست گوئی سے قلب میں اعتدال اور راستی و استقامت آ جاتی ہے اور دروغ گوئی سے اس میں کجی پیدا ہو جاتی ہے دیکھو چونکہ شاعر اکثر جھوٹے اور لغو تخیلات کے عادی ہو جاتے ہیں اس لئے ان کے قلوب میں کجی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا جہاں تک ہو سکے جھوٹے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو ورنہ دل کا اعتدال ہاتھ سے جاتا رہے گا دوسرا رمز یہ ہے کہ دوائیں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض وہ جن کے

[1] صاف ۱۲ [2] جسم ۱۲ [3] ٹیڑھاپن ۱۲ [4] عکس ۱۲ [5] پیشاب پاخانہ ۱۲ [6] ہمبستری ۱۲

[illegible]

Marfat.com

اثر اور تاثیر میں مناسبت ہے مثلاً شہد چونکہ گرم ہے اس لئے گرم مزاج والوں کو نقصان دیتا ہے اور سرد مزاج والوں کو نفع پہونچاتا ہے ایسی دوائیں تو بہت کم ہیں کیونکہ اکثر دوائیں دوسری قسم میں داخل ہیں یعنی وہ دوائیں جن کی تاثیر کسی مناسبت سے معلوم نہیں ہوتی۔ اس کا نام **خاصیت** ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شے کی خاصیت یا تو الہام[1] سے معلوم ہوتی ہے یا وحی[2] سے یا تجربہ[3] سے مثلاً سقمونیا دست آور ہے اور رگوں سے صفرا کو کھینچ لیتا ہے یا مقناطیس کی یہ خاصیت ہے۔ کہ لوہے کو اپنی جانب کھینچتا ہے یہ دونوں تاثیریں تجربہ سے ہی معلوم ہوئی ہیں اسی طرح اعمال و افعال کی تاثیریں بھی دو ہی طرح کی ہیں یعنی بعض اعمال میں اور ان کی تاثیروں میں تو مناسبت کھلی ہوئی موجود ہے مثلاً نفس کی خواہشوں کا پورا کرنا اور دنیوی لذتوں کے پیچھے پڑ جانا مضر ہے کیونکہ جب مرتے وقت دنیا سے روانگی ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے تو اس وقت ضرور ان لذتوں کو چھوڑتے ہوئے حسرت ہوگی اور جب کچھ بن نہ پڑے گا تو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا رخصت ہوگا پس لذتوں میں پڑنے اور ان کے نقصان دہ ضرر میں مناسبت کھلی ہوئی ہے یا مثلاً ذکر الٰہی مفید ہے کیونکہ ذکر کے سبب حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور معرفت کی بدولت محبت پیدا ہوگی اور محبت خداوندی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی پائدار لذتوں کا شوق ہوگا لہذا دنیا سے جاتے وقت کچھ بھی حسرت نہ ہوگی بلکہ اپنے محبوب سے ملنے کے شوق میں ہنسی خوشی روانہ ہوگا۔ پس ذکر اللہ اور اس کے ثمرۂ اثر میں بھی مناسبت ظاہر ہے **البتہ** دوسری قسم کے اعمال اور ان کی تاثیر میں کچھ مناسبت معلوم نہیں ہوتی اور یہ وہی خاصیت ہے جو وحی اور نور نبوت کے علاوہ کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتی اور اکثر اعمالِ شریعت چونکہ اسی قسم میں داخل ہیں لہذا جب تم دیکھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مباح کاموں میں سے باوجود دونوں پر قدرت ہونے کے ایک کو ترجیح دی ہے مثلاً استنجا داہنے ہاتھ سے بھی کر سکتے تھے مگر پھر بائیں ہاتھ کو اس کام میں لگایا اور سیدھے ہاتھ کو علیحدہ رکھا ہے تو یہ علامت ہے کہ آپ نے اس کی خاصیت معلوم فرما کر ہی ایسا کیا ہے اور ضرور اس میں کوئی خاص نفع ہے جس کو ہر شخص اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تعجب کی بات ہے کہ محمد بن زکریا طبیب جڑی اور بوٹیوں کی جو خاصیتیں بتائے وہ تو بے چون وچرا اور بے سوچے سمجھے تسلیم کر لی جائیں اور سید البشر محمد بن عبد اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نور نبوت اور وحی ربانی سے اعمال و افعال کی جو خاصیتیں بیان فرمائیں ان کو نہ مانا جائے اور خلافِ عقل بتایا جائے

Marfat.com

مسلمانو! یقین جانو کہ طبیب روحانی جو کچھ بھی کرے گا ضرور اس میں نفع ہوگا۔ اگرچہ اسکی مصلحت تمہاری عقل اور علم میں نہ آسکے۔ **تیسرا رمز** یہ ہے کہ انسان جانوروں کی طرح آزاد و بیکار نہیں پیدا کیا گیا۔ بلکہ اس کو اشرف المخلوقات اور شریعت کا پابند بنایا گیا ہے اس لئے تم کو مناسب ہے کہ جو کام کرو سنت کے موافق کرو تاکہ نفس مطیع اور محکوم بنا رہے اور فرشتہ خصلت بن جاؤ اور یوں سمجھو کہ بندگی بیچارگی کا نام ہے اس لئے بندہ کو چاہیئے کہ جو حرکت بھی کرے وہ اتباع رسول کی نیت اور پیغمبر کے حکم سے کرے تاکہ آثارِ بندگی ہر وقت ظاہر ہوتے رہیں اور ہر دم ریاضت اور اطاعت کا اجر ملتا رہے پابندی وہ چیز ہے کہ اگر فرضاً کوئی شخص اپنا تمام اختیار کسی جانور کے ہاتھ میں دیدے تب بھی یہ شخص اس سے اچھی حالت میں ہوگا جو سراپا اپنی خواہش پر چلتا ہے یہ **فائدہ** اخیرہ حکم شرعی کی ہر وضع سے حاصل ہو سکتا ہے خواہ کسی طرح حکم مقرر ہو جائے۔ کیونکہ اس کا جو مقصود اصلی ہے کہ ایک خاص طرز کی پابندی ہو یہ ہر طور حاصل ہے تو شرائع مختلفہ کے احکام بدل جانے پر بھی یہ فائدہ خاصہ محفوظ رہا بخلاف اول اور دوسرے فائدے کے کہ حکمت اور خاصیت ایک معین چیز ہے اور وہ اختلاف شرائع سے بدل نہیں سکتی۔ پس اگر تم تینوں رمزوں پر آگہی حاصل کر لوگے تو تمام حرکات و سکنات میں اتباع سنت کی ضرورت تم کو واضح ہو جائے گی۔ **فصل** جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ امور عادیہ[1] میں اتباع سنت کی ترغیب کے لئے بیان کیا ہے اور جن اعمال کو عبادت سے تعلق ہے اور ان کا اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے ان میں بلا عذر اتباع چھوڑ دینے کی تو سوائے کفر خفی[2] یا حماقت جلی[3] کے اور کوئی وجہ ہی سمجھ میں نہیں آتی مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[4] کہ جماعت سے نماز پڑھنے میں تنہا نماز پڑھنے پر ستائیس درجہ فضیلت ہے" اس کے ماننے کے بعد اگر کوئی مسلمان بلا کسی معقول عذر کے جماعت کی نماز ترک کرے تو اس کا سبب یا تو اس کی حماقت ہے کہ اگر کوئی شخص دو پیسہ چھوڑ کر ایک پیسہ لے تو اس کو احمق بتلاوے اور خود ستائیس فضیلتیں چھوڑ کر ایک پر اکتفا کرے تو بے وقوف نہ ہو اور یا نعوذ باللہ یہ خیال ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد محض انتظامی مصلحت کی بنا پر ہے تاکہ اس رغبت سے لوگ ایک جگہ جمع ہو جایا کریں کیونکہ ستائیس کے عدد اور جماعت سے نماز پڑھنے میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ پس اگر خدا نخواستہ ایسا خیال ہے تو یہ کفر ہے اور

---

[1] جن کی عادت ہو ۱۲ [2] پوشیدہ ۱۲ [3] ظاہر ۱۲ [4] بخاری۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ، احمد، مالک ۱۲

کفر بھی ایسا خفی کہ اس کی اطلاع اپنے آپ کو بھی نہیں ہے لوگوں کا ایسا حال ہو گیا ہے کہ اگر کوئی طبیب یا رمال یا نجومی کوئی بات بتائے تو اس کی وجہ خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس کو فوراً تسلیم کر لیں گے۔ لیکن نبی کے قول میں مناسبت ٹٹولتے ہیں۔ بھلا اگر کوئی نجومی یوں کہے کہ ستائیس دن گذرنے پر تم کو ایک مصیبت کا سامنا ہو گا۔ کیونکہ تمہارے طالع اور زحل میں ستائیس درجہ کا بعد ہے اور ہر روز ایک درجہ کم ہو گا۔ اس لئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو گھر میں بیٹھے رہو اور باہر نہ نکلو اس کو سن کر بے شک تم گھر کے پیوند ہو جاؤ گے اور سب کاروبار چھوڑ بیٹھو گے اور اگر کوئی سمجھائے بھی کہ ارے میاں ایک درجہ کو اور ایک دن کو مناسبت کیا ہے؟ اور مصیبت اور زحل میں کیا تعلق ہے؟ نیز باہر نہ نکلنے اور مصیبت کے ٹل جانے میں کیا علاقہ ہے؟ یہ سب واہیات باتیں اور نجومی پنڈتوں کے ڈھکوسلے ہیں اس کا خیال ہی مت کرو۔ تو تم اس کا کہنا کبھی نہ مانو گے۔ اور اس کو احمق و بیوقوف اور علم نجوم کا منکر سمجھو گے۔ پھر افسوس صد افسوس کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اعمال میں تم مناسبتوں کا سمجھنا چاہتے ہو اور اگر سمجھ میں آئیں تو منکر و بد اعتقاد بنے جاتے ہو تم ہی بتاؤ کہ کیا یہ کفر و انکار رسالت نہیں ہے؟ حالانکہ ان عبادات کا موثر ہونا تجربہ سے بھی معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ نبی کی دی ہوئی خبروں کی مناسبتیں اور مصلحتیں سب ہی کو معلوم ہو جایا کریں بھلا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر طبیب کوئی دوا بتلائے اور اس کی خاصیت تم سے نہ بیان کرے یا نجومی کسی آئندہ واقعہ پر کوئی حکم لگائے اور اس کی مناسبت تم کو نہ بتلائے تو کیا اس کی بات منظور نہیں کرتے۔ مگر افسوس نبی اور رسول کوئی روحانی علاج فرمائیں اور اس کی مناسبت اور خاصیت نہ بتلائیں تو اس کو منظور نہیں کرتے اس کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ نجومی اور طبیب چونکہ موجودہ زندگی کے متعلق علاج بتا رہے ہیں اور اس زندگی کے ساتھ تم کو محبت ہے لہذا آنے والی مصیبت یا مرض کے فکر میں اس کی وجہ اور مناسبت تک پوچھنے کا ہوش تک نہیں رہتا بلکہ دس برس بعد آنے والی مصیبت کا آج ہی سے فکر و انتظام شروع ہو جاتا ہے حالانکہ وہ محض موہوم اور ایسے لوگوں کی بتائی ہوئی باتیں ہیں جن کا ہزاروں دفعہ جھوٹ تم خود آزما چکے ہو اور [illegible] اور در بدر مارے پھرتے ہیں اور نبی چونکہ طبیب روحانی ہیں اس لئے قلبی امراض کا علاج اور دائمی صحت کی تدبیر بتلاتے ہیں اور اس کی تمہیں مطلق پروا نہیں، فکر نہیں، اندیشہ نہیں بلکہ آنے والی آخرت کی زندگی کا جیسا یقین ہونا چاہیے وہ یقین ہی حاصل نہیں اس لئے

Marfat.com

اس میں مناسبتیں پوچھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسی غفلت سے بچائے جس کی وجہ سے عبادتوں میں بھی اتباع رسول نہ ہو سکے۔ مسلمانوں کی یہی شان ہے کہ جس امر میں بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اس میں بے چون وچرا اقتدا کر لیا کریں مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[1] کہ شنبہ یا پنجشنبہ کے دن پچھنے لگوانے سے برص کا اندیشہ ہے ایک محدث نے اس حدیث کو ضعیف کہہ کر قصداً شنبہ کے دن پچھنے لگوائے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برص میں مبتلا ہو گئے۔ چند روز کے بعد ایک شب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت نے فرمایا کہ جیسا کیا ویسا بھگتو۔ شنبہ کے دن پچھنے کیوں لگوائے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس حدیث کا راوی ضعیف تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث تو میری نقل کرتا تھا[ف]۔ عرض کیا یا رسول اللہ خطا ہوئی میں توبہ کرتا ہوں یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان ہی نہ رہا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[2] کہ عصر کے بعد سو جانے سے عقل کے جاتے رہنے کا خوف ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے[3] کہ جس شخص کے ایک جوتہ کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک اس کو درست نہ کرائے۔ اس وقت تک صرف ایک جوتہ پہن کر سیر کو نہ چلے۔ اور دوسری حدیث میں ہے[4] کہ زچہ کی اول خوراک تر کھجور ہونی چاہیے اور اگر یہ نہ ہو تو خشک چھوہارا ہی ہی۔ کیونکہ اگر اس سے بہتر کوئی غذا ہوتی تو حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ روح اللہ کے پیدا ہونے پر بی بی مریم علیہا السلام کو وہی کھلاتا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[5] کہ جب کوئی تمہارے پاس مٹھائی لائے تو اس میں سے کچھ کھا لیا کرو اور خوشبو لائے تو لگا لیا کرو۔ اسی طرح جو کچھ بھی طبیب روحانی فرما دیں اس میں مناسبتیں نہ ٹٹولو بے چون وچرا مان لو کیونکہ ان امور میں بے شمار اسرار اور رموز ہیں جن کی خاصیتیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتیں

خاتمہ اور اوراد مذکورہ کی ترتیب

مذکورہ عبادتوں میں بعض عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور تلاوت کلام اللہ کہ تینوں ایک وقت میں پائی جا سکتی ہیں مثلاً روزہ دار شخص نماز میں قرآن شریف پڑھے تو دیکھو ایک ہی وقت میں تینوں عبادتیں حاصل ہو رہی ہیں اور بعض عبادت دوسری عبادت کے ساتھ

---

[1] حاکم و بیہقی بتصحیح ۱۲ [2] ابو یعلیٰ بتضعیف ۱۲ [3] مسلم ۱۲ [4] بیہقی مگر مضمون ابو داؤد کا ہے وہ قوی ہے ۱۲ [ف] یعنی میری طرف منسوب کرتا اور جب موضوعیت میں نہ تھا اور بیان تھا خاصیت عمل کا نہ حلال اور حرام کا پھر عمل کرنا ہی احتیاط کی بات تھی ۱۲ (مولانا تھانوی مدظلہ العالی)

Marfat.com

جمع نہیں ہو سکتی مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ذکرِ الٰہی بھی ہو اور تلاوتِ کلام اللہ بھی یا نماز بھی ہو اور مسلمانوں کے حقوق کی خبرگیری بھی ہو اس لئے مناسب ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹوں کو ان مختلف عبادتوں کو تقسیم کرلو۔ کیونکہ اوقات کا انضباط ہونے سے سہولت بھی ہو جائے گی اور جو عبادت کا مقصود ہے وہ بھی حاصل ہو جائے گا یعنی ذکرِ الٰہی سے انس اور جہانِ فانی سے بیزاری اور نفرت پیدا ہو جائے گی۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس عالمِ فانی کے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ انسان حق تعالیٰ سے محبت کرے تاکہ آخرت کی خوبی اس کو حاصل ہو اور چونکہ محبت بغیر معرفت کے ہو نہیں سکتی اس لئے معرفتِ الٰہی مقدم اور ضروری ہے اور معرفت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہر وقت حق تعالیٰ کے دھیان اور یاد میں مشغول رہو اور چونکہ جتنی بھی عبادتیں ہیں سب دھیان اور یاد ہی کی غرض سے ہیں اور ان کو مختلف اقسام کا اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ ہر وقت ایک طرز کی عبادت میں مشغول رہنے سے دل گھبرا نہ جائے اور نیز ہر وقت ایک ہی عبادت کی جائے گی تو طبیعت اس کی خوگر ہو جائے گی اور عادت ہو جانے کی وجہ سے قلبی اثر ان سے جاتا رہے گا اس لئے ہر عبادت کے لئے جدا وقت تجویز کر لینا ضروری ہے البتہ جو لوگ فنا اور مستغرق[1] ہو جائیں ان کو ترتیب اور تقسیم کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس مرتبہ میں پہونچ کر ایک ہی عبادت رہ جاتی ہے اور ہر وقت ذکر میں مشغولی ہوتی ہے مگر یہ درجہ ایسا نہیں کہ ہر شخص اس کو حاصل کر سکے اس لئے تمہیں اوقات منضبط کرنے کی نہایت ضرورت ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک یہ عبادت اور اس گھنٹہ سے اس گھنٹہ تک یہ عبادت اور دن کو یہ اور رات کو یہ۔ البتہ اگر علم دین پڑھتے پڑھاتے ہو یا کسی جگہ کے حاکم ہو اور رعایا کی حفاظت میں مشغول ہو تو دن بھر اس میں مشغول رہنا دوسری عبادتوں سے بہتر ہے کیونکہ علم دین ہی کی بدولت حکمِ الٰہی کی تعظیم حاصل ہوتی ہے اور جو نفع اس تعلیم و تعلم یا مخلوق کی حفاظت و نگہبانی سے لوگوں کو پہونچتا ہے وہ اصل دین ہے اسی طرح جب کہ آدمی کو محنت مزدوری کرنا اور حلال معاش سے بال بچوں اور متعلقین کا پیٹ بھرنا بھی عبادتِ بدنی سے افضل ہے مگر ان حالتوں میں بھی ذکرِ الٰہی سے غفلت مت اختیار کرو دیکھو جس طرح کسی حسینہ معشوقہ کا عاشق اپنے معشوق کے سوا جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے بحالتِ مجبوری ظاہر ہاتھ پاؤں سے مشغول ہوتا ہے اور دل ہر وقت معشوقہ ہی میں پڑا رہتا ہے اسی طرح تم بھی جس

۱؎ غرق ۱۲

Marfat.com

کام میں مشغول ہو اعضائے بدن سے اس کو انجام دو مگر دل کو حق تعالیٰ کے خیال میں مصروف رکھو حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہاتھ سے کسب کرتے اور محنت مزدوری سے معاش حاصل کیا کرتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تین چیزیں مرحمت ہوئی ہیں یعنی ہاتھ اور زبان اور قلب، سو ان میں سے ہاتھ تو کسبِ معاش کے لئے ہے اور زبان مخلوق کے واسطے تاکہ پڑھائیں اور سمجھائیں اور باتیں کریں اور قلب دنیا کے کسی شخص کا بھی نہیں ہے بلکہ صرف اللہ جل جلالہٗ کے لئے ہے کہ ہر وقت اس کے حضور میں حاضر رہے۔

اعمال ظاہری کا بیان ختم ہوا۔ عمل کرنے والوں کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ یہی کافی ہے حق تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے۔

دوسری قسم میں قلب کے مذموم[1] اخلاق سے پاک کرنیکی ضرورت کا بیان اور ان کی تفصیل اور طریقہ کا ذکر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے اپنا قلب پاک بنا لیا وہی فلاح کو پہونچا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ طہارت نصف ایمان ہے" کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں یعنی قلب کا ان نجاستوں سے پاک کرنا جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ان خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ پاک کو پسند اور محبوب ہیں گویا نجاست سے طہارت[3] کرنا ایمان کا ایک جزو ہے اور طاعت سے زینت و آرائش اس کا دوسرا ٹکڑا ہے۔ لہٰذا اول وہ اخلاق ذمیمہ معلوم ہونے چاہئیں جن سے قلب کو پاک رکھنا ضروری ہے سو ان کے اصول بھی دس ہیں جن میں سے ہر ایک کا بیان جدا جدا کیا جاتا ہے۔

پہلی اصل کثرتِ اکل[4] اور حرص[5] طعام کا بیان

زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنے کی ہوس بیسیوں گناہوں کی جڑ ہے کیونکہ اس سے جماع کی خواہش بڑھتی ہے اور جب شہوت بڑھتی ہے تو مال حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ شہوتیں مال کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں اور اس کے بعد طلبِ جاہ کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ جاہ کے بغیر مال کا حاصل ہونا دشوار ہے اور جب مال و جاہ کی خواہش پیدا ہو گی تو تکبر، ریا، حسد کینہ، عداوت غرض بہتیری آفتیں جمع ہو جائیں گی اور دین کی تباہی کا پورا سامان اکٹھا ہو جائے گا اس لئے حدیث میں بھوک کی زیادہ فضیلت آئی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[6]

---

[1] بری عادتیں ۱۲ [2] مسلم و ترمذی ۱۲ [3] پاک ۱۲ [4] زیادہ کھانا ۱۲ [5] غذا ۱۲
[6] ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و حاکم صحیح ۱۲

Marfat.com

کہ آدمی کے لئے بھرنے کے واسطے پیٹ سے زیادہ کوئی برا برتن نہیں آدمی کو ضرورت کے لئے تو چند لقمے کافی ہیں جن سے زندگی قائم اور کمر مضبوط رہے اور اگر اس سے زیادہ ہی کھانا ضرور ہے۔ تو پیٹ کے تین حصے کر لینے چاہئیں کہ تہائی کھانے کے لئے ہو اور تہائی حصہ پانی کے لئے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لئے خالی چھوڑ دیا جائے۔ بھوک میں فائدے تو بے شمار ہیں مگر ہم ان میں سے چند بڑے فائدوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو اصول کہنا چاہیئے اور در حقیقت آخرت کی سعادت کا حاصل ہونا انہیں پر موقوف ہے اول۔ قلب میں صفائی اور بصیرت میں روشنی حاصل ہوتی ہے کیونکہ پیٹ بھر لینے سے بلادت[1] پیدا ہوتی ہے اور قلب کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور جب ذکاوت جاتی رہی تو معرفت الٰہی ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ دوم دل رقیق ہو جاتا ہے اور مناجات میں مزہ آتا ہے کیونکہ جب یہ توبرہ خالی ہوگا تو اپنے مالک کے سامنے سوال والتجا اور دعا کرنے میں لطف آئے گا اور خوف وخشیت وانکسار پیدا ہوگا جو معرفت کے حاصل کرنے کی کنجیاں ہیں۔ سوم سرکش نفس ذلیل اور مغلوب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب دشمن خدا کو شکست ہوئی اور غفلت کا دروازہ بند ہو گیا تو حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہوگی اور سعادت کا دروازہ کھل جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا پیش کی گئی تو آپ نے منظور نہیں فرمایا اور یوں عرض کیا کہ "بار الٰہا میں چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھرے تاکہ شکر ادا کروں اور ایک دن فاقہ ہو تاکہ صبر کروں۔ چہارم آخرت کی مصیبتوں اور عذاب کی تکلیفوں کا دنیا میں بھی کچھ مزہ چکھنا چاہیئے تاکہ ان کی اذیت سے نفس خبردار ہو کر ڈرے اور ظاہر ہے کہ بھوک سے زیادہ انسان اپنے نفس کو کوئی عذاب نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اس میں کسی قسم کے تکلف اور سامان فراہم کرنے کی حاجت نہیں ہے اور جب بھوک کی وجہ سے عذاب الٰہی کا ہر وقت مشاہدہ رہے گا تو حق تعالیٰ کی معصیت کی جانب توجہ بھی نہ ہوگی اور نافرمانی کی جرأت نہ ہو سکے گی پنجم۔ تمام شہوتیں کمزور ہو جاتی ہیں کہ کسی خواہش کے پورا ہونے کی آرزو نہیں رہتی اور دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب بھی میں نے پیٹ بھر کر کھایا ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی گناہ مجھ سے صادر ہوا یا کم سے کم گناہ کا قصد تو ہو ہی گیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں کہ رسول اللہ مقبول صلی اللہ

[1] سستی اور طبیعت کا کند ہونا ۱۲ عبد اللہ کا ڈ ۱۲ ۵۳ ترمذی ۱۲ ۶ بخاری کتاب الضعفاء میں ابن ابی الدنیا کتاب الجوع میں ۱۲

علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی بدعت جو ایجاد ہوئی وہ پیٹ بھر کر کھانا ہے" پس جب مسلمانوں کے پیٹ بھرنے لگے تو ان کے نفس ان کو دنیا کی جانب کھینچ لے گئے۔ ششم۔ زیادہ نیند نہیں آتی اور عبادت گراں نہیں گذرتی۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے سے نیند کا غلبہ ہوا کرتا ہے اور نیند سے عمر بھی کم ہوتی ہے کیونکہ وہ خدا کی عبادت نہیں کرنے دیتی۔ حضرت ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ "جنھوں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہے ان میں چھ خصلتیں پیدا ہوئیں اول۔ عبادت کی حلاوت جاتی رہی دوم۔ حکمت و فراست اور ذکاوت و نور معرفت کا حاصل ہونا دشوار پڑ گیا۔ سوم مخلوق خدا پر شفقت اور ترس کھانے سے محرومی ہوئی۔ کیونکہ سب کو ایسا ہی جیسا پیٹ بھرا ہوا سمجھا۔ چہارم۔ معدہ بھاری ہو گیا۔ پنجم۔ خواہشات نفسانی زیادہ ہو گئیں اور ششم یہ حالت ہو گی کہ مسلمان مسجدوں میں آرہے ہوں گے اور یہ بیت الخلا جا رہا ہو گا اللہ کے بندے بیت اللہ کا چکر لگائیں گے اور یہ کوڑیوں کا گشت کر رہا ہو گا۔ ہفتم۔ دنیوی تفکرات کم ہو جائیں گے اور فکر معاش کا بار ہلکا ہو جائے گا۔ کیونکہ جب بھوک کی عادت ہو گئی تو تھوڑی سی دنیا پر قناعت کر سکے گا اور پیٹ کی خواہش پوری کرنے کو دوسروں سے قرض نہ لے گا بلکہ اپنے ہی نفس سے قرض مانگ لے گا یعنی اس کو خالی رکھے گا۔ شیخ ابراہیم ابن ادہمؒ سے جب کہا جاتا تھا کہ فلاں چیز گراں ہو گئی تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ "ترک کر دو" اور اس کی خواہش چھوڑ کر اس کو ارزاں بنا لو" اس سے زیادہ سستی چیز کیا ہو سکتی ہے کہ اس کو خریدا ہی نہ جائے۔

فصل چونکہ شکم سیری اور زیادہ کھانے کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے اس لئے یک لخت اس کو چھوڑنا دشوار ہے لہذا اپنی خوراک مقررہ میں روزانہ ایک لقمہ کم کر دیا کرو تو مہینہ بھر میں ایک روٹی کم ہو جائے گی اور کچھ گراں بھی نہ گزرے گا اور جب اس کی عادت ہو جائے تو اب مقدار اور وقت اور جنس کی طرف توجہ کرو تاکہ رفتہ رفتہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاؤ یاد رکھو کہ مقدار کے تین درجہ ہیں اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے یعنی بس اتنا کھانا چاہیئے جس سے کمی کرنے میں زندگی جاتی رہے یا عقل میں فتور آ جائے اس سے زیادہ کھانا اس مرتبہ میں گویا پیٹ بھر کر کھانا ہے جس کی ممانعت ہے حضرت سہل تستریؒ کے نزدیک یہی مختار ہے ان کی رائے یہ تھی کہ بھوک کے ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا شکم سیری کی قوت کے سبب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ متوسط درجہ یہ ہے کہ روزانہ نصف مد

مقدار طعام کے درجے

Marfat.com

یعنی دو تہائی رطل[1] پر اکتفا کیا کرو حضرت عمر فاروق رضؓ اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عادت یہی تھی کہ ہفتہ بھر میں ایک صاع[2] جو سے زیادہ نہ کھاتے تھے۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزانہ ایک مد کی مقدار کھاؤ گے تو پیٹ کے بندے سمجھے جاؤ گے اور چونکہ مقدارِ خوراک کے بارہ میں لوگوں کی طبعتیں اور حالات مختلف ہوتے ہیں لہذا سب کے لئے ایک مقدار معین نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ سیر بھر اناج کھا سکتے ہیں اور بعض آدمیوں سے پاؤ بھر بھی نہیں کھایا جاتا اس لئے قاعدہ کلیہ یاد رکھو کہ جب اشتہائے صادق ہو تو کھانے کی جانب ہاتھ بڑھاؤ اور یہ اشتہا پوری نہ ہونے پائے کہ ہاتھ روک لو اور صادق اشتہا کی علامت یہ ہے کہ جیسی بھی روٹی سامنے آجائے اس کو سالن اور ترکاری کے بغیر کھانے کی رغبت ہو کیونکہ جب خاص گیہوں کی روٹی کی خواہش ہوئی یا سالن کے بغیر روٹی کھانا گراں گذرا تو معلوم ہوا کہ بھوک کی سچی خواہش نہیں ہے بلکہ طبیعت کو لذت اور ذائقہ کی جانب ایسا میلان ہے جیسا شکم سیر ہونے کے بعد پھل یا میوہ کا ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا نام بھوک نہیں ہے بلکہ تفکہ اور تلذذ ہے کھانے کے وقت میں بھی کئی درجے ہیں اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ کم سے کم تین دن بھوکے رہ کر چوتھے دن کھایا کرو، دیکھو حضرت صدیقؓ پے در پے چھ چھ دن بھوکے رہتے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ سات دن بھوکے رہنے کے عادی تھے اور بعض بزرگوں کے فاقہ کی نوبت چالیس دن تک پہنچی ہے اور یاد رکھو کہ جو شخص چالیس دن بھوکا رہے گا اس پر ملکوتی عجائبات اور اسرار میں سے کوئی راز ضرور منکشف ہوگا اور چونکہ یک لخت اس کا حاصل کرنا بھی دشوار ہے اس لئے آہستہ آہستہ بھوک کی عادت ڈالو۔ متوسط درجہ یہ ہے کہ دو دن بھوکے رہو اور تیسرے دن کھایا کرو اور ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ روزانہ صرف ایک دفعہ کھاؤ۔ کیونکہ دونوں وقت کھانے سے تو کبھی بھوک کی حاجت ہی نہ ہوگی پس جو شخص دو وقتہ کھانے کا عادی ہے اس کو تو بھوک کا مزہ ہی نہیں معلوم ہو سکتا کہ کیسا ہوتا ہے؟

جنس میں اعلیٰ درجہ گیہوں کی روٹی کا ترکاری کے ساتھ کھانا ہے اور ادنےٰ درجہ جو کی روٹی کو بلا ترکاری کھانا۔ یاد رکھو کہ ترکاری کی عادت اور مداومت بہت بری ہے حضرت فاروقؓ

---

[1] ایک رطل چالیس تولہ یعنی کچھ اوپر آدھ سیر کا ہوتا ہے ۱۲ [2] ایک صاع تخمیناً ساڑھے تین سیر انگریزی وزن سے ہوتا ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

سالکوں کو ترک لذائذ کی ضرورت

نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی کہ صاحبزادے کبھی گوشت روٹی کھاؤ اور کبھی روٹی اور گھی اور کبھی دودھ روٹی۔ کبھی سرکہ روٹی۔ کبھی زیتون کے ساتھ روٹی کھاؤ اور کبھی نمک کے ساتھ اور کبھی روٹی پر قناعت کیا کرو۔ حضرت فاروق کا یہ ارشاد بھی ان لوگوں کے لیئے ہے جن کی ترکاری کی ہمیشہ عادت ہے اور جو اہل طریقت اور سالک ہیں ان کو ترکاری کیا معنی ساری ہی مزہ دار چیزوں اور خواہشوں کے پورا کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے ایک ایک چیز کی خواہش کو دس دس اور بیس بیس برس روکے رکھا ہے اور پورا نہیں ہونے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے کہ میری امت میں بدتر لوگ وہ ہیں جن کے بدن عمدہ غذاؤں اور لذیذ طعام سے پرورش پائے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کی ہمتیں بس طرح طرح کے کھانوں اور قسم قسم کے لباس ہی کی جانب متوجہ ہیں کہ منہ پھاڑ پھاڑ کر باتیں بناتے ہیں اور کام کچھ بھی نہیں کرتے۔

دوسری اصل کثرتِ کلام کی ہوس اور فضول گوئی کا بیان

کثرت کلام کی عادت کا نقصان

اس کا قطع کرنا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ یوں تو اعضاء کے تمام کاموں کا اثر قلب پر پڑتا ہے مگر زبان چونکہ قلب کی سفیر ہے اور جو نقشہ قلب میں کھنچتا اور جس چیز کا تصور دل میں آتا ہے اس کا اظہار زبان ہی کیا کرتی ہے اس لئے اس کی تاثیر قلب پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے یاد رکھو جب زبان جھوٹی ہو جاتی ہے تو دل میں بھی صورت کاذبہ[2] کی تصویر کھنچتی اور کجی آجایا کرتی ہے خصوصاً جبکہ جھوٹ کے ساتھ فضول و لغو گوئی بھی شامل ہو تو اس وقت تو قلب بالکل ہی سیاہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کثرتِ کلام سے قلب مر جاتا ہے اور معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی قابلیت ہی اس میں نہیں رہتی اسی وجہ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3] ہے کہ جو شخص اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا کفیل[4] ہو گیا۔ میں اس کے لئے جنت کا کفیل ہوں حدیث[5] شریف میں آیا ہے کہ زبان ہی کے کرتوت اکثر لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں ڈھکیلینگے لہذا اس کی حفاظت بہت ضروری ہے مسلمان کو چاہیئے کہ اگر زبان ہلائے تو نیک بات اور کلمۃ الخیر[6] بولے ورنہ چپ رہے کیونکہ جب زبان زیادہ چلنے لگتی ہے تو لغو گوئی بڑھ جاتی ہے اور جب لغو گوئی بڑھ گئی تو خدا جانے کس حد پر پہونچے اور کیا کچھ منہ سے بکتا پھرے حضرت ابوبکر صدیق اپنے منہ میں پتھر رکھ لیتے تھے۔ تاکہ نفس کو تنبیہ[7] رہے اور زبان ضرورت سے زیادہ کلام نہ کرے

[1] حاکم حسن معتبر ۱۲ [2] جھوٹی ۱۲ [3] بخاری و ترمذی ۱۲ [4] ذمہ دار کہ ان سے گناہ نہ ہو کیونکہ اکثر گناہ ان ہی سے ہوتا ہے ۱۲ [5] طبرانی و ترمذی صحیح ۱۲ [6] بھلائی کی بات ۱۲ [7] خبر ۱۲

Marfat.com

فصل زبان کے متعلق گناہوں سے بچنے کے لئے اس آیت پر عمل کرنا کافی ہے لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ[۱] جس کا خلاصہ منشا یہ ہے کہ فضول اور بے فائدہ کلام نہ کرو صرف ضروری بات کے اظہار پر اکتفا کرو اسی میں نجات ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[۲] کہ کسی غزوہ میں ایک جوان شہید ہو گیا لڑائی سے فراغت کے بعد شہیدوں کی نعشوں میں اس کی نعش بھی ملی اور دیکھا گیا تو اس کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا تھوڑی دیر بعد اس کی ماں آئی اور فاقہ کی حالت میں اللہ کے کام پر جان دینے والے شہید بیٹے کے پاس بیٹھ کر اس کے منہ سے مٹی پونچھی اور کہا کہ بیٹا تجکو جنت مبارک ہو یہ سن کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خبر ہے ممکن ہے کہ بے فائدہ کلام کرنے کا عادی ہو[۳] اس سے معلوم ہوا کہ فضول گوئی کی عادت جنت میں جانے سے روکنے والی چیز ہے مسلمان کو وہی بات زبان سے نکالنی چاہیئے جس میں یا ثواب حاصل ہو یا کوئی نقصان رفع ہو اور جس بات کے زبان سے نکالنے میں نہ کوئی ثواب جاتا ہے نہ کچھ نقصان ہوتا ہے تو وہ عبث اور فضول ہے اور اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے جتنی دیر فضول گوئی میں مشغول رہتے ہو اگر یہ وقت ذکرِ الٰہی میں صرف ہو تو نیکیوں کا کتنا بڑا خزانہ جمع ہو جائے پھر بھلا خزانہ کو چھوڑنا اور پتھر ڈھیلے جمع کرنا کون سی عقل مندی ہے اور اگر فضول گوئی سے بڑھ کر دروغ گوئی تک نوبت پہونچی اور زبان سے غیبت اور گالیاں اور فحش یعنی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن میں نفع تو درکنار الٹ دین کا ضرر اور نقصان ہے تب تو ایسی مثال ہوگی کہ بھرپور خزانہ چھوڑ کر آگ کے الاؤ میں جا گھسے اللہ پناہ میں رکھے اس حالت سے۔ تمام قصے۔ کہانیاں، سفرنامے، مختلف ملکوں کی تاریخیں اور باشندگانِ دنیا کے لباس وخوراک اور طرزِ معاشرت وتمدن کے تذکرے اور تجارتوں حرفتوں، صنعتوں کے حالات سب اسی فضول اور عبث کلام میں داخل ہیں جن میں مشغول ہونا مقصود اور آیت مذکورہ کی منشا کے بالکل خلاف ہے۔

فصل زبان کے متعلق بیس آفتیں ہیں اور چونکہ ہر ایک کی جدا جدا تشریح کا یہ موقع نہیں ہے اس لئے مختصر طور پر یہاں صرف ان پانچ گناہوں کا بیان کئے دیتے ہیں جن میں لوگ بکثرت مبتلا ہیں اور جن سے زبان گویا نجس ستوں کی خوگر ہو گئی ہے **پہلی** آفت جھوٹ بولنا ہے حدیث[۴]

---

۱ نہیں بھلائی ہے ان کی بہت سی سرگوشیوں میں ۱۲ ۲ ابن ابی الدنیا وابویعلی ۱۲ ۳ جس سے اس کے مرتبوں میں کمی آجائے گو شہادت کا ثواب ہے اور حدیث میں سے ثواب کی نفی نہیں اور یہ جنت سے روکنے کا مضمون مترجم صاحب نے بڑھایا ہے۔ اصل عربی میں نہیں ہے ۱۲ ۴ بخاری ومسلم ۱۲

میں آیا ہے کہ" آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اور خدا کے یہاں جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[لہ] کہ جھوٹ بولنا مسلمان کی شان نہیں اور ایمان اور جھوٹ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے سے قلب میں کجی آجاتی ہے اور خواب بھی سچے نظر نہیں آتے مذاق میں بھی دوسروں کے ہنسانے کو جھوٹ نہ بولو اور ہمیشہ جھوٹے خیالات اور خطرات سے قلب کو بچائے رکھو ورنہ قلب میں کجی پیدا ہو جائے گی اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ایسے آدمیوں کو خواب بھی سچا نظر نہیں آتا۔ ایک مرتبہ کسی عورت[لہ] نے اپنے صغیر سن بچے کو بلایا اور کہا۔ آؤ ہم تمہیں ایک چیز دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ اگر بلانے سے بچہ آگیا تو کیا چیز دے گی عورت نے کہا۔ چھوارہ دیدوں گی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کچھ دینے کا ارادہ نہ ہوتا اور صرف بہلانے کے لئے ایسا لفظ نکلتا تو یہ بھی زبان کا جھوٹ شمار ہوتا۔ البتہ ضرورت کے وقت جھوٹ بولنا جائز بھی ہے بشرطیکہ سچ بولنے سے کسی ایسے گناہ یا نقصان کا اندیشہ ہو جو جھوٹ کے گناہ و نقصان سے زیادہ ہے مثلاً دو مسلمانوں میں صلح کرا دینے یا جہاد میں دشمن کو دھوکہ[لہ] دینے یا بی بی کو رضامند اور خوش کرنے کے لئے جھوٹ بول دینے کی حدیث[لہ] میں اجازت آئی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ مسلمان میں عداوت اور رنج رہنے سے جو برا نتیجہ پیدا ہوگا وہ جھوٹ کے نقصان سے بڑھا ہوا ہے اسی طرح جنگ کے راز کا پوشیدہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ اگر دشمن کو اطلاع ہوئی تو اس کو حملہ کا موقع ملے گا اور ہزاروں پاک جانیں تلف ہو جائیں گی اس لئے اصل بات کا ظاہر نہ کرنا اور جھوٹی بات بنا دینا افضل ہوا۔ اسی طرح خاوند کے بعض اسرار بی بی سے مخفی رہنے کے قابل ہیں پس اگر راست گوئی کے سبب کوئی خیال اس پر ظاہر ہو گیا اور میاں بی بی میں نا اتفاقی ہو گئی تو جو برا اثر پیدا ہوگا۔ اس میں جھوٹ بولنے کی بہ نسبت زیادہ گناہ ہے پس ایسی صورت میں جھوٹ بولنے کی اجازت ایسی ہے جیسے کوئی شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو جائے تو آسان اور ہلکی مصیبت کو ترجیح دے کر اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کسی شخص کے بھوکا مر جانے کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے مردار بھی حلال ہے اسی طرح اپنا یا اپنے مسلمان بھائی کا مال

(بعض صورتوں میں جھوٹ کا جواز اور اس کی حکمت)

لہ ابن عبدالبر مگر مضمون موطا میں صحیح ہے ۱۲ لہ بخاری تاریخ میں و طبرانی و ابن سعد و ذہلی ۱۲

لہ مسلم میں ہے ۱۲ منہ اس سے بد عہدی مراد نہیں کہ وہ تو حرام ہے بلکہ دھوکہ یہ ہے کہ حالت عدم صلح میں ایسی کارروائی کہ غنیم تو کچھ اور سمجھا اور بے فکر ہو گیا اور اس نے اپنا کام نکال لیا ۱۲ مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ

Marfat.com

ظالم کے ہاتھ سے بچانے کے لیے یا کسی کی خفیہ رکھی ہوئی امانت کو محفوظ رکھنے کے لیے دوسروں کے سامنے انکار کر دینا اور جھوٹ بول دینا جائز ہے اور اپنی معصیت و گناہ کا انکار کر دینا بھی اسی وجہ سے جائز ہے کہ فسق و فجور کا اعلان حرام ہے یا اپنی بی بی سے یہ کہہ دینا کہ میری دوسری بی بی تمہاری سوت مجھے تم سے زیادہ پیاری نہیں ہے یہ سب باتیں اسی بنا پر جائز ہیں کہ اس جھوٹ سے ایک ضرر دفع کیا گیا ہے۔ البتہ روپیہ کمانے یا عزت و جاہ حاصل کرنے کی غرض سے جھوٹ بولنا ہرگز حلال نہیں ہے کیونکہ اگر مال و جاہ نہ بڑھے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ نفع حاصل نہیں ہوتا اور نفع کا حاصل نہ ہونا نقصان نہیں کہلاتا ہے۔ اس باریکی کو لوگ سمجھتے نہیں اور اکثر اس غرض کے لئے جھوٹ بولا کرتے ہیں حالانکہ یہ حرام قطعی ہے اور درحقیقت ان کے دین کی تباہی کا یہی سامان ہے کیونکہ ضرورت اور بے ضرورت میں تمیز نہیں کرتے۔ افسوس کی بات ہے کہ جاہلوں نے فرضی اور خیالی ضرورتوں کو بھی ضرورت سمجھ لیا ہے حالانکہ شرعی اور واقعی ضرورت جس کا نام ہے وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جب تک حالت اضطرار اور کسی بڑے نقصان کا غالب گمان نہ ہووے اس وقت تک جیسے مردار کا کھانا حلال نہیں ہے ایسے ہی جھوٹ بولنا جو شرعاً حرام ہے وہ بھی جائز نہیں ہے اور اس شدید ضرورت کے موقع پر بھی جہاں تک ممکن تعریض اور توریہ ہی کرنا چاہیئے۔ تاکہ نفس کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہو جائے شیخ ابراہیم گھر کے اندر کسی ضروری کام میں مشغول ہوتے اور کوئی شخص ان کو باہر بلاتا تو خادمہ سے کہتے تھے یوں کہہ دے کہ مسجد میں ڈھونڈو اور حضرت شعبی انگلی سے ایک دائرہ کھینچ کر خادمہ سے فرماتے کہ اس گھیرے کے اندر انگلی رکھ کر کہہ دے کہ یہاں نہیں ہیں۔ اس تعریض سے اپنا مقصد بھی حاصل ہو جاتا تھا اور حقیقت میں جھوٹ بھی نہ ہوتا تھا۔ البتہ صورت جھوٹ کی سی تھی اور یہی تعریض اور توریہ کہلاتا ہے۔ اس قسم کی تعریضیں معمولی غرض کے لئے بھی جائز ہیں جبکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ جیسے ایک بڑھیا عورت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاح کے طور پر یوں فرما دیا تھا کہ بڑھیا جنت میں کبھی نہ جائے گی۔ وہ گھبرا کر رونے لگی کیونکہ جو مطلب ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آتا تھا وہ اس نے سمجھا یعنی بڑھیا جنتی نہیں ہے۔ حالانکہ مراد یہ تھی کہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہ جائے گی بلکہ جوان ہو کر جائے گی

۱؎ ترمذی ۱۲

جنت میں جائے گی وہ جوان بن کر جائے گی یا مثلاً ایک شخص[1] نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ نے فرمایا کہ "اچھا ٹھہرو ہم تمہیں اونٹ کا بچہ دیں گے" یہ سن کر سائل نے عرض کیا کہ بچہ لے کر کیا کروں گا اس وقت آپ نے تعریض کا مطلب سمجھا دیا کہ "میاں بڑا اونٹ بھی تو آخر کسی اونٹ سے ہی پیدا ہوا ہے جس اونٹ سے پیدا ہوا اس کا تو بچہ ہی ہے" یا مثلاً ایک شخص سے آپ نے فرمایا[2] کہ تمہاری آنکھ میں سفیدی ہے"۔ اور ظاہر ہے کہ سب کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ بظاہر یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ پتلی میں عیب اور سپیدی کا مرض پیدا ہو گیا ہے اس لئے سننے والے کو فکر لاحق ہو کر اچھا خاصا مزاح ہو گیا۔ اس قسم کی تعریضیں بی بی بچوں سے خوش طبعی کے طور پر جائز ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کھانا کھانے کی صلاح کرے اور تمہیں باوجود بھوک ہونے کے کھانا منظور نہ ہو تو یہ ہرگز نہ کہو کہ "مجھے بھوک نہیں ہے" کیونکہ جھوٹ ہوگا بلکہ تعریض کرو۔ بلکہ یوں کہدو کہ "میں اس وقت نہ کھاؤں گا۔ آپ نوش فرمایئے وغیرہ **دوسری** آفت غیبت کرنا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے[3] کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے (اور غیبت کرنا متوفی مسلمان کا گوشت ہی کھانا ہے) پس اس سے پرہیز کرو۔ حدیث[4] میں آیا ہے کہ غیبت زنا سے بھی سخت تر ہے۔ رسول مقبول[5] صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[6] کہ شب معراج میں میرا گذر ایسی جماعت پر ہوا جو اپنے منہ اپنے ناخن سے نوچ رہے تھے یہ لوگ غیبت کیا کرتے تھے۔ "کسی مسلمان کے . . . پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنی کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے غیبت کہلاتی ہے[7]۔ مثلاً کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا یا کسی کے حسب و نسب میں نقص نکالنا یا کسی شخص کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس غرض جس شے سے کبھی اس کو تعلق ہو اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گذرے خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز وکنایہ سے یا ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے یا تعریض کی جائے یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھنگنا ہونا ہاتھ کے اشارہ سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ یا رسول اللہ

غیبت کی تعریف

---

[1] ترمذی وابوداؤد ۱۲ [2] ابن ابی الدنیا وزبیر بن بکار ۱۲ [3] مردہ اور جیسے مردہ کو اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ایسے ہی جسکی غیبت کی جائے اُسے بھی نہیں ہوتا ۱۲ [4] ابن ابی الدنیا اور یہ اسلئے کہ زنا حق اللہ ہے اور غیبت حق العبد ۱۲ [5] ابوداؤد صحیح ۱۲ [6] مضمون حدیث ترمذی ۱۲ [7] ابن ابی الدنیا معتبر ہے ۱۲ ؛

Marfat.com

وہ عورت جو اتنی سی ہے"۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ تم نے اس کی غیبت کی ہے اور سب میں بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دیندار لوگوں میں ہو رہا ہے کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں مثلاً مجمع میں کہنے لگے کہ "اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو امیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے۔ ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے اس کلمہ سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ امرا کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے اور ساتھ ہی اپنی صلاحیت و تقوی جتا رہے اور ریاکاری کا گناہ کما رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً کہنے لگے کہ فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے اگر اس میں حرص دنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم سب وال مبتلا ہو جاتے ہیں اس فقرہ سے جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تامل میں سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں اور اپنی طرف عیب کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے اور یہی غیبت ہے اور ساتھ ہی ریاکاری بھی ہے زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں یا مثلاً بول اٹھے "سبحان اللہ بڑے تعجب کی بات ہے" اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق میں ان کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے "کچھ نہیں فلاں شخص کا خیال آگیا تھا حق تعالے ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے" اس فقرہ کا بھی جو منشا ہے وہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم و شفقت یا دعا کی نیت سے نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے وہم پڑتا ہے اس لئے کہ اگر دعا کرنی اگر مقصود ہوتی تو دل ہی دل میں کیوں نہ کر لیتے۔ سبحان اللہ کہہ کر لوگوں کو متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ترحم رفقت بھلا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیر خواہی کی بات ہے اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بھائی غیبت مت کیا کرو مگر دل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دینداری اور تقوی ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں کہ "میاں غیبت کرنا گناہ ہے اس سے ہم سننے والے بھی گنہگار ہوتے ہیں" یہ لوگ کہنے کو کہہ جاتے ہیں مگر دل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ کاش یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا انتظار بھی ہے اور پھر

Marfat.com

یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کر کے گناہ سے سبکدوش ہو گئے یاد رکھو کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دل سے بُرا نہ سمجھو گے۔ اُس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچو گے کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے

اول مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر افسرِ اعلےٰ تک پہنچائے اور اپنے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنھیں ان کو سزا دینے یا مظلوم کے اوپر سے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہ ہو بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف کا ذکر آگیا تھا تو انھوں نے یوں فرمایا کہ حق تعالےٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا۔ اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں ہے تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہو سکتی ہے

دوم۔ کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلافِ شرع امر کے رفع کرنے میں بدلینی ہو یا کسی کو اس کے فتنہ سے بچانا ہو تو اُس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے مگر جائز ہے

فتوی کی ضرورت سے کسی کی غیبت کرنا درست ہے

سوم۔ مفتی سے فتوی لینے کے لئے استفتاء میں امرِ واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے اگرچہ اس اظہارِ حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا خاوند ابوسفیان اتنا بخیل ہے کہ بقدر کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا[۱]" اور ظاہر ہے کہ ابوسفیان کی شکایت اور غیبت تھی۔ مگر چونکہ مفتی شریعت سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ ایسی صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت اسی وقت جائز ہے جب کہ اس میں اپنا یا کسی مسلمان کا کوئی فائدہ متصور ہو۔

دوسرے کو نقصان سے بچانے کیلئے غیبت جائز ہے

چہارم۔ اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے اور تم کو علم ہوا کہ اس معاملہ میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے تو اُس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کر دینا بھی جائز ہے اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحبِ حق

---

[۱] بخاری و مسلم۔ ابوسفیان حضرت معاویہ کے والد ہیں اور ہندہ انھیں کی زوجہ ہیں ۱۲ ؛

کو اس مقدمہ میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہونچے جائز ہے البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلہ اور حکم کا مدار ہو۔ پنجم اگر کوئی شخص اپنے نام ہی سے مشہور ہو گیا ہے جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے مثلاً اعمش (چندھا) اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتہ بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے پھر بھی اگر دوسرا پتہ بتلا دیا تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔ ششم۔ اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گذرتا مثلاً مخنث یا مسخرا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خارج ہے البتہ اگر اس کو ناگوار گذرے تو حرام ہے کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اس کو ناگوار گذرے بلا عذر خاص جائز نہیں ہے[1]

فصل نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ آگ جو اثر گھاس میں کرتی ہے غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے۔ یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل جاتے ہیں اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکوکار شخص جس نے دنیا میں مشقتیں اٹھا اٹھا کر نیکیاں جمع کی تھیں جب قیامت کے دن اعمال کو رہے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا تو کس قدر حسرت و افسوس کرے گا۔ مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہتیرے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہو جاؤ کہ دوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہونچائے گا دوسروں کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہونچائیگا اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کی برابر کوئی عیب نہیں کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے اس لئے اول اس کا علاج کرو اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں اُن کی اصلاح کرتے رہو اور اگر اتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہو جائے تو اللہ سے توبہ کرو اور اس شخص کے پاس جا کر غیبت کی خطا معاف کراؤ اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دعائے مغفرت مانگو اور خیرات کر کے اس کی روح کو ایصال ثواب کرو غرض چونکہ تم نے غیبت کر کے

---

[1] بشرطیکہ علم کھلا گناہ نہ کرتا ہو ۱۲

Marfat.com

اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس جرم کی جلدی تلافی کرے۔ **تیسری آفت** فضول جھگڑا کرنا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ "جو مسلمان باوجود حق پر ہونے کے جھگڑے سے دست بردار ہو جائے تو اس کے لئے اعلےٰ جنت میں محل تیار ہوگا۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ برسر حق ہو کر خاموش ہو بیٹھنا بہت دشوار ہے اور اس لئے حق پر ہو کر جھگڑے سے علیحدہ ہو جانا ایمان کا کمال شمار کیا گیا ہے۔ جان لو کہ کسی کی بات پر اعتراض کرنا اور اس کے لفظ یا معنی میں غلطی یا نقص نکالنا جھگڑا کہلاتا ہے اور اکثر یہ دو وجہ سے ہوتا ہے یعنی یا تو تکبر کی بنا پر کہ اپنی بڑائی اور لسانی یا تیز زبانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور یا دوسرے شخص کو چپ کرنے اور عاجز بنا دینے کا شوق ہوتا ہے اس لئے مسلمان کو چاہیئے کہ جو بات واقعی اور حق ہو اس کو تسلیم کرے اور جتنی خلاف واقع یا غلط ہو تو اس پر سکوت اختیار کرے۔ البتہ اگر اس غلطی کے اظہار کرنے میں کوئی دینی فائدہ ہو تو اس وقت سکوت کرنا جائز نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا ضرور خیال رکھے کہ جو کچھ بیان کرے وہ نرمی اور سہولت سے بیان کرے تکبر اور سختی کے ساتھ نہ کہے۔ **چوتھی آفت** مذاق و دل لگی کرنا اور زیادہ ہنسنا ہنسانا ہے اس سے قلب مردہ ہو جاتا ہے اور ہیبت و وقار جاتا رہتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے اور بسا اوقات دوسروں کو اس کے ساتھ کینہ و عداوت بھی پیدا ہو جاتی ہے نور معرفت میں تاریکی آجاتی ہے اور تحت الثری[2] میں پھینک دیا جاتا ہے البتہ تھوڑے مزاح[3] میں کچھ مضائقہ نہیں۔ خصوصاً اگر بیوی بچوں کا دل خوش کرنے کو ہو تو سنت ہے کیونکہ ایسا مزاح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول[4] ہے مگر وہ مزاح درحقیقت واقعی بات ہوتی تھی کسی قسم کا جھوٹ نہ ہوتا تھا۔ مثلاً ایک بڑھیا سے آپ نے فرمایا کہ "جنت میں بوڑھی عورت کوئی نہ جائے گی۔ اس کا مطلب تھا کہ جنت میں جو عورت بھی جائے گی وہ جوان ہو کر جائے گی یا مثلاً حضرت صہیب لڑکے تھے اور انھوں نے لال پال رکھا تھا۔ اتفاق سے لال مر گیا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[5]۔ کہو جی ابو عمیر تمہارا لال کیا ہوا؟ اسی طرح ایک دفعہ حضرت صہیب چھوارا کھا رہے تھے اور ان کی ایک آنکھ دکھتی تھی تو آپ نے فرمایا[6] کیوں صاحب۔ آنکھ تو دکھتی ہے اور چھوارا کھا رہے ہو"۔ انھوں نے مزاحاً جواب دیا۔ یا رسول اللہ

---

[1] ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ ۱۲ [2] زمین کے نیچے ۱۲ [3] ہنسی کی بات ۱۲ [4] جیسے کہ صفحہ ۵۲ پر گزرا ۱۲ [5] بخاری و مسلم و ترمذی ۱۲ [6] ابن ماجہ سب راوی ثقہ ہیں۔

Marfat.com

دوسری طرف سے کھا رہا ہوں یعنی جس طرف کی آنکھ دکھتی ہے اس داڑھ سے نہیں کھاتا۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رض کے ساتھ محض دل جوئی اور خوش طبعی کے طور پر دوڑے[1] بھی ہیں .... غرض ایسے مزاح میں کچھ حرج نہیں البتہ اس کی عادت ڈالنی اچھی نہیں ہے

مدح سرائی کا نقصان

پانچویں آفت مدح کرنا ہے تم نے دیکھا ہوگا کہ اکثر واعظوں اور دنیا دار مسلمانوں کی عادت ہوتی ہے کہ مالدار اور جاہ وحشم لوگوں کی تعریفیں کرتے۔ ان کی شان میں مدحیہ قصیدے لکھتے اور ان کو نذرانے کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ اس میں چار خرابیاں مدّاح[2] کے حق میں ہیں اور دو برائیاں ممدوح[3] کے حق میں مدح خواں کی خرابیاں تو یہ ہیں۔ اول۔ ایسی باتیں بیان کی جاتی ہیں جو واقع کے خلاف ہوتی ہیں اور جن کا ممدوح میں نشان بھی نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ صریح جھوٹ ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ دوم۔ محبت کا لمبا چوڑا اظہار کرتے ہیں حالانکہ دل میں خاک بھی محبت نہیں ہوتی اور صریح ریا اور نفاق ہے جو گناہ و حرام ہے۔ سوم۔ اٹکل کے تیر چلائے جاتے ہیں اور جو بات یقینی طور پر معلوم نہیں محض تخمین[4] و گمان کی بنا پر ان کو واقعی ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً یہ کہ آپ بڑے متقی ہیں، نہایت منصف ہیں حالانکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[5] کہ کسی کو مدح کرنی ہو تو یوں کہا کرے کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ ایسے ہیں کیونکہ ظنی باتوں کو واقعی بنانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ چہارم۔ اگر ظالم اور فاسق کی مدح کی جاتی ہے اور وہ اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے تو فاسق کو خوش کرنے والا مداح بھی فاسق اور نافرمان ہوا۔ حدیث[6] میں آیا ہے کہ فاسق کی تعریف سے حق تعالیٰ کا عرش کانپ اٹھتا ہے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فاسق کی زندگی و عمر کی زیادتی کی دعا کرنے والا شخص بھی فاسق ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ فسق و فجور قائم اور دنیا میں مدت تک باقی رہے اور ظالم اور فاسق شخص کی تو مذمت کرنی چاہیئے تاکہ گھبرا کر ظلم و معصیت چھوڑ دے نہ کہ تعریف اور ممدوح کو جو دو نقصان پہنچتے ہیں وہ یہ ہیں اول یہ کہ ممدوح مغرور ہو جاتا ہے اور اپنے نفس کو قابل تعریف سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی ہلاکت و تباہی کی جڑ ہے۔ حدیث[7] میں آیا ہے کہ ایک شخص نے مجمع میں اپنے دوست کی تعریف کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹ دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے نفس میں خود پسندی و برائی پیدا کر کے اس کو

---

[1] ابوداؤد ۱۲ [2] بہت تعریف کرنے والا ۱۲ [3] جس کی تعریف کی جائے ۱۲ [4] اٹکل ۱۲ [5] بخاری و مسلم۔ جب کہ واقع میں ایسا سمجھتا بھی ہو ورنہ جھوٹ ہوگا ۱۲ [6] ابن ابی الدنیا و بیہقی و ابو یعلی ۱۲ [7] بخاری و مسلم ۱۲

ہلاک کر دیا۔ دوم اپنی تعریف سن کر پھولنا اور اعمال خیر میں سست پڑ جاتا ہے۔ حدیث[1] میں آیا ہے کہ مسلمان بھائی کو کند چھری سے ذبح کر دینا اس سے بہتر ہے کہ اس کے منہ پر اس کی تعریف کی جائے کیونکہ قتل سے تو دنیا ہی کی زندگی تلف ہوگی اور ان بڑے نتیجوں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے آخرت کی باعظمت زندگی برباد ہو جائے گی۔ البتہ ان مضرتوں کا اندیشہ نہ ہو تو تعریف میں کچھ حرج بھی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات مستحب اور باعث اجر ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض صحابہ کی مدح فرمائی ہے مثلاً آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں[2] کہ تمام دنیا کے ایمان کو ابوبکر رضہ کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر رضہ ہی کا ایمان وزنی رہے گا نیز فرماتے ہیں[3] کہ اے عمر اگر میں نبی بنا کر نہ بھیجا جاتا تو ضرور تم کو نبی بنایا جاتا۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں رسالت اور نبوت کی قابلیت کا انھیں سے اظہار فرمایا پس چونکہ صحابہ میں خود پسندی اور کوتاہی عمل کا اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے ان میں نشاط پیدا کرنے کے لئے یہ مدح مستحب تھی کہ ان کی طاعات میں ترقی کا وسیلہ تھی۔

فصل اگر کسی شخص کی کوئی مدح کرے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے اعمال اور خطرات و وساوس کا دھیان کرے اور سوچے خدا جانے میرا انجام کس حالت پر ہونا ہے واقعی یہ خوبیاں جو یہ شخص بیان کر رہا ہے اگر مجھ میں موجود بھی ہیں تو ابھی ان کا کیا اعتبار نیز اپنی باطنی بیماریوں اور عیوب پر نظر کرے اور خیال کرے کہ یہ پوشیدہ عیب ایسے ہیں کہ اگر اس مداح کو معلوم ہو جائیں تو میری مدح کبھی نہ کرے۔ غرض مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی تعریف سن کر خوش نہ ہو بلکہ اس کو دل سے مکروہ سمجھے۔ اسی کی جانب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں[4] کہ مداح کے منہ میں مٹی بھر دو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جب مدح ہوتی تھی تو یوں دعا فرماتے پھرتے تھے کہ بار الٰہا میرے جو گناہ انھیں معلوم نہیں ہیں وہ بخشد یجئے میں جیسا ہوں آپ ہی خوب جانتے ہیں اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجئے اور مجھے ان کے گمانوں سے بہتر بنا دیجئے میں جیسا ہوں آپ ہی خوب جانتے ہیں یہ نہیں جانتے۔

تیسری اصل غصہ کا بیان

غصہ آگ کا شعلہ ہے اس کا زور توڑنا بھی ضروری ہے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[5]

لہ عراقی لتے ہیں۔ ملی نہیں ۱۲ ؎ ابن عدی ۱۲ ؎ انبیاء کے علاوہ کیونکہ ہر نبی کا ایمان سب دلیلوں سے بھی بڑھا ہوا ہے ؎ ترمذی حسن ۱۲ ؎ مسلم ۱۲ ؎ بخاری و مسلم و احمد ۱۲

Marfat.com

کہ کسی شخص کے پچھاڑنے سے آدمی پہلوان نہیں ہوتا۔ بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو پچھاڑے"۔ یاد رکھو کہ جس طرح[1] تخم ایلوے سے شہد بگڑ جاتا ہے اسی طرح غصے سے ایمان بگڑ جاتا ہے۔ غصہ بڑی بلا ہے یہی مار پیٹ۔ گالی اور زبان درازی کھلے گناہ کرا دیتا ہے اور اسی سے کینہ، حسد، بدگمانی اور افشائے[2] راز و ہتک عزت کے عزم کی باطنی معصیتیں ہوتی ہیں غصہ کی وجہ سے مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کا خوش کرنا ناگوار گذرتا ہے اور اس کا رنج و تکلیف میں پڑنا پسند آتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب تباہ کن معصیتیں ہیں۔ **تفصیل** اس کا علاج دو[3] طرح کرنا چاہیے اول تو ریاضت اور مجاہدے سے اس کو توڑنا چاہیے۔ مگر توڑنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غصہ کا مادہ ہی باقی نہ رہے اس لئے اگر مادہ ہی جاتا رہے گا تو کفار سے جہاد اور جنگ کیونکر ہوگی۔ اور فساق و فجار اور مبتدعین کے خلافِ شرع باتوں پر ناگواری کس طرح ہوگی؟ ناجائز افعال دیکھ کر غصہ آنا تو ضروری اور شرع کا عین مقصود ہے لہذا غصہ کے توڑنے اور ریاضت کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو مہذب اور عقل و شرع کا تابعدار بنا لیا جائے اور ایسا کر دیا جائے جیسا شکاری کتا ہوتا ہے کہ جب اس کا مالک اس کو بھگاتا ہے تو وہ بھاگتا ہے اور جب وہ کسی پر حملہ کراتا ہے تو حملہ کرتا ہے ورنہ چپ پڑا رہتا ہے یہی حالت غصہ کی ہونی چاہیے کہ اگر شریعت حکم دے اور غصہ کو کچھ کام لے تو فوراً بھڑک اٹھے اور اپنا کام کرے ورنہ چپ اور بے حس و حرکت پڑا رہے اور غصہ کو ایسا مہذب بنانے کی ترکیب یہ ہے کہ نفس کی ایک روز تو حلم و برداشت کی عادت ڈالو اور جب کوئی غصہ پیدا کرنے والا واقعہ پیش آئے تو نفس پر جبر کیا کرو اور غصہ کو بھڑکنے نہ دو بس یہی وہ ریاضت ہے جس سے غصہ مطیع و فرمانبردار ہو جائے گا دوم۔ غصہ کے جوش کے وقت ضبط سے کام لو اور اس کو پی جاؤ اور اس کا ایک علاج علمی ہے اور ایک عملی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ غصہ کے وقت سوچو کہ غصہ کیوں آتا ہے؟ ظاہر ہے کہ کہ اس کا سبب حکم خداوندی میں دخیل ہونا اور دست اندازی کرنا ہے کیونکہ غصہ کرنے والے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام میری مرضی کے مطابق کیوں نہیں ہوا اور ارادہ خداوندی کے موافق کیوں ہوا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ یہ حماقت ہے یا نہیں؟ کیا حق تعالیٰ کے ارادہ کو اپنے ارادہ و منشا کا تابع بنانا چاہتے ہو؟ یاد رکھو کہ خدا کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا۔ پھر تم اسباب دخل دینے والے اور اس کو ناگوار سمجھنے والے کون؟ دوسرے اس بات کا خیال کرو کہ میرا اس شخص پر کیا حق

[1] مضمون قریب قریب ترمذی میں ۱۲ [2] یعنی راز ظاہر کرنا [3] عزت کو رسوا کرنا ۱۲

Marfat.com

ہے؛ اور خدا کا مجھ پر کیا حق ہے اور پھر خدا کا تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے اور تم اس شخص کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہتے ہو۔ ظاہر ہے کہ تم جس شخص پر غصہ کر رہے ہو۔ اس کے مالک نہیں ہو، خالق نہیں ہو، رزق تم اس کو نہیں دیتے حیات تمہاری دی ہوئی نہیں ہے اور خداوند تعالیٰ کے تم پر ہر قسم کے حقوق ہیں کہ تم ہر طرح سے اس کے محکوم و مملوک اور احسان مند ہو۔ با ایں ہمہ تم اپنے مالکِ حقیقی کی سیسیوں خطائیں اور نافرمانیاں رات دن کرتے ہو اور باوجود اس احسان و استحقاق کے وہ سب کو برداشت کرتا ہے اگر ایک قصور پر بھی سزا دے تو کہیں تمہارا ٹھکانہ نہ رہے اور تمہارا حالانکہ کسی پر کچھ بھی حق نہیں ہے پھر یہ حالت ہے کہ ذرا سی خلافِ طبع حرکت پر غصہ میں آپے سے باہر ہوئے جاتے ہو اور اس کو دنیا سے ناپید کر دینے کے لئے تیار رہو۔ کیا تمہاری اطاعت ورضامندی خدا کی عبادت وحکم سے بھی زیادہ ضروری ہے اور عملی علاج یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو اعوذ پڑھو۔ کیونکہ غصہ شیطانی اثر ہے اور شیطان کے شر سے جب پناہ مانگی جائیگی تو وہ اثر زائل ہو جائے گا نیز اپنی حالت بدل دو۔ یعنی اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ اور اگر اس سے بھی غصہ ٹھنڈا نہ ہو تو وضو کر لو اور اپنا رخسارہ زمین پر رکھدو کہ تکبر ٹوٹے اور عزت والا عضو جب زمین پر رکھا جائے تو نفس مرے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ جو مسلمان پیتا ہے وہ غصہ کا گھونٹ ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کو اپنے بی بی بچوں یا ایسے لوگوں پر غصہ آئے جن پر اپنا غصہ جاری کر سکتا اور سزا دے سکتا ہے اور وہ اس کو ضبط کر جائے اور تحمل سے کام لے تو حق تعالےٰ اُس کا قلب امن اور ایمان سے لبریز فرما دے گا" یاد رکھو کہ تحمل کی بدولت مسلمان شب بیدار، روزہ دار، عابد وزاہد کا مرتبہ پالیتا ہے۔

چوتھی اصل حسد کا بیان

حسد کے یہ معنی ہیں کہ کسی شخص کو فارغ البالی یا عیش و آرام میں دیکھ کر کلپے اور اس نعمت کے جاتے رہنے کو پسند کرے۔ "حسد کرنا حرام ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندہ پر نعمت دیکھ کر حسد کرنے والا گویا میری اس تقسیم سے ناراض ہے جو میں نے اپنے بندوں میں فرمائی ہے"

لہ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے ۱۲ ۲ ابوداؤد واحمد ۱۲ ۳ ابوداؤد واحمد ۱۲ ۴ مضمون قریب قریب ترمذی میں ۱۲ ۵ ابن ابی الدنیا ۱۲ ۶ ابوداؤد ۱۲ ۷ یہ آیت نہیں بلکہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں ۱۲

Marfat.com

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے[1] ہیں کہ "حسد نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔" البتہ ایسے لوگوں پر حسد کرنا جائز ہے جو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ظلم یا معصیت میں خرچ کر رہا ہو مثلاً مالدار ہو اور شراب خوری و زناکاری میں اڑا رہا ہو۔ لہٰذا ایسے شخص سے مال چھن جانے کی آرزو کرنا گناہ نہیں ہے کیونکہ یہاں درحقیقت مال کی نعمت چھن جانے کی تمنا نہیں ہے بلکہ اس فحش و معصیت کے بند ہو جانے کی آرزو ہے اور اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر مثلاً وہ شخص اس معصیت کو چھوڑ دے تو اب اس نعمت کے جاتے رہنے کی آرزو بھی نہ رہے یاد رکھو کہ عموماً حسد کا باعث یا تو نخوت[2] و غرور ہوتا ہے اور یا عداوت و خباثتِ نفس کہ بلا وجہ خدا کی نعمت میں بخل کرتا ہے اور چاہتا ہے جس طرح میں کسی کو کچھ نہیں دیتا اسی طرح حق تعالیٰ بھی دوسرے کو کچھ نہ دے۔ البتہ دوسرے کو نعمت میں دیکھ کر حرص کرنا اور چاہنا کہ اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور مجھے بھی ایسی ہی حاصل ہو جائے غبطہ کہلاتا ہے اور غبطہ شرعاً جائز ہے کیونکہ غبطہ میں کسی کی نعمت کا ازالہ[3] مقصود نہیں ہوتا بلکہ اسی جیسی نعمت کی اپنے آپ کو حاصل ہو جانے کی تمنا ہوتی ہے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

غبطہ جائز ہے

فصل حسد قلبی مرض ہے اس کا علاج ایک علمی ہے اور ایک عملی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ حاسد کو جاننا چاہیئے کہ اس کا حسد اسی کو نقصان پہونچا رہا ہے اس محسود[4] کا جس پر حسد کر رہا ہے کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ بلکہ اُس کا تو اور نفع ہے کہ حاسد کی نیکیاں مفت میں اس کے ہاتھ آ رہی ہیں برخلاف حاسد کے کہ اس کے دین کا بھی نقصان ہے اور دنیا کا بھی دین کا نقصان تو یہ ہے کہ اس کے کئے ہوئے نیک اعمال حبط[5] ہو جاتے ہیں نیکیاں چلی جاتی ہیں اور حق تعالیٰ کے غصہ کا نشانہ بنا ہوا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وسیع خزانے کی بے شمار نعمتوں میں بخل کرتا اور دوسرے پر انعام ہونا چاہتا ہی نہیں اور دنیا کا نقصان یہ ہے کہ حاسد ہمیشہ رنج و غم میں مبتلا اور اسی فکر میں گھلتا رہتا ہے کہ کسی طرح فلاں شخص کو ذلت و افلاس نصیب ہو۔ بس جس پر حسد ہے اس کے لئے بھی خوشی کا مقام ہے کہ مجھے رنج پہنچانا چاہتے تھے اور خود ہر وقت کے رنج میں گرفتار ہوئے لہٰذا اس کے حسد سے اس کی مراد پوری ہو گئی اور حسد کرنے والا بڑے خسارہ میں رہا تم ہیں خوب کہ تمہارے حسد کرنے سے محسود کو کیا نقصان ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس کی نعمت میں کسی قسم کی بھی کمی نہیں آئی بلکہ نفع ہوا کہ تمہاری نیکیاں اُس کے اعمال نامہ میں درج ہو گئیں کیسا اچھا قصہ ہوا

---

[1] ابن ماجہ ۱۲ [2] تکبر ۱۲ [3] دور کرنا ۱۲ [4] حسد کیا ہوا ۱۲ [5] ساقط ۱۲ ؛

حاسد چاہتا تو یہ تھا کہ محسود دُنیا میں تنگدست ہو جائے اور نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی نعمتیں بحال رہیں اور دین کی نعمت نفع میں ملی اور حاسد نے عذابِ آخرت بھی سر رکھا اور اپنی قناعت اور آرام کی زندگی کو رخصت کر کے ہر وقت کی خلش اور دیوی کو نت خریدی یہ تو ایسی صورت ہو گئی کہ دشمن کے ڈھیلا مارنا چاہتا تھا اور وہ اپنے ہی آلگا کہ جس سے اپنی آنکھ پھوٹ گئی اور طرّہ یہ کہ دشمن یعنی شیطان کو بھی ہنسنے کا موقع مل گیا۔ خصوصاً اگر کسی عالم یا متقی پر حسد کیا جائے کہ اس کا علم و تقویٰ زائل ہونے کی تمنا ہو تو یہ حسد سب سے زیادہ بُرا اور بدتر ہے۔ عملی علاج حسد کا یہ ہے کہ حسد کا مقصود تو یہ ہے کہ تم محسود کی عیب جوئی کرو اور رنج و غم کے گھونٹ رات دن پیو لہٰذا تم نفس پر جبر کرو اور قصداً اُس کے منشا کی مخالفت کر کے اس کی ضد پر عمل کرو یعنی محسود کی تعریف بیان کرو اور اس کے سامنے تواضع اور اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرو جو اُسے مرحمت ہوئی ہے جب چند روز بہ تکلف ایسا کرو گے تو محسود کے ساتھ تم کو محبت ہو جائے گی اور جب عداوت جاتی رہے گی تو حسد بھی نہ رہے گا اور اس رنج و غم سے تم کو نجات مل جائے گی جس میں حسد کی وجہ سے تم مبتلا ہو رہے تھے۔

حسد کا علاج

فصل) شاید تم کو یہ شبہ لاحق ہو کہ دوست میں اور دشمن میں فرق ہونا تو انسان کا طبعی امر ہے اور اپنی اختیاری بات نہیں کہ جس طرح اپنے دوست کو راحت میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے اسی طرح دشمن کو بھی راحت میں دیکھ کر مسرت ہوا کرے اور جب اختیاری بات نہیں ہے تو انسان اس کا مکلف بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں کہتا ہوں کہ بے شک اتنی بات صحیح ہے اور اگر اسی حد تک بات رہے تو گناہ بھی نہیں لیکن اس کے ساتھ جتنی بات اختیاری ہے اس سے بچنے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ دو امر ہیں ایک یہ کہ اپنی زبان اور اعضاء اور افعالِ اختیاریہ میں حسد کا اثر بالکل نہ ہونے دو بلکہ نفس پر جبر کر کے اس کی ضد پر عمل کرو جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں دوم یہ کہ نفس میں جو حسد کا مادہ موجود ہے اور جو اللہ کی نعمتوں کو بندوں پر دیکھنی پسند نہیں کرتا۔ اس کو دل سے مکروہ سمجھ لو اور یہ خیال کرو کہ یہ خواہش دین کو برباد کر دینے والی ہے ان دو باتوں کے بعد اگر طبعی امر باقی رہے یعنی دل بے اختیار چاہے کہ دوست خوش حال رہیں اور دشمن پامال ہوں تو اب اس کا کچھ خیال نہ کرو کیونکہ جب اس کے ازالہ پر تم کو قدرت نہیں ہے تو اس پر گناہ بھی نہیں ہوگا۔ مگر دل کی ناگواری ضروری بات ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر محسود کی نعمت کے زائل کرنے پر تم کو قدرت حاصل ہو جائے

Marfat.com

تو اپنی طبیعت سے تمہاری خواہش یہی ہو کہ کاش اس کی نعمت چھن جائے۔ مگر اپنے ہاتھ پاؤں سے ایسا انتظام نہ کر دیا مثلاً محسود کی نعمت کے قائم رہنے یا بڑھ جانے میں اگر مدد دے سکتے ہو تو باوجود اس کے ناگوار گذرنے پر بھی اس کو مدد دو۔ اگر ایسی حالت ہو جائے تو سمجھ لو کہ جہاں تک اختیار اور قابو ہے وہاں تک ہم نے خدا کے حکم پر عمل کر لیا اور سبکدوش ہو گئے ایسی صورت میں طبعی بات کا دور کرنا اپنے قبضہ میں نہیں ہے اور وہ موجود تو ہے مگر چونکہ اختیاری کاموں نے اس کو چھپا اور دبا لیا ہے۔ اس لئے گویا معدوم ہو گئی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ جن کی نظر عالم دنیا پر اٹھ جاتی ہے وہ تو سمجھ جاتے ہیں کہ دنیا بھی ناپائدار ہے اور اس کی تمام نعمتیں بھی فنا ہونے والی ہیں پس اگر اپنا دشمن فراخی یا وسعت اور آرام ہی میں ہے تو کے دن کے لئے ہے اگر اعمال کے سبب مرنے کے بعد دوزخ میں جانے والا ہے تو اس کم نصیب کو اس چند روزہ آرام سے کیا نفع؟ اور اگر جنتی ہے تو جنت کی نعمتوں کو اس ناپائدار نعمت سے کیا مناسبت ہے پس حسد کرنا اور دشمن کو دنیا کی کسی خوشی میں دیکھ کر جلنا بہر حال محض بے سود اور عبث ہوا، ساری مخلوق خدا کی پیدا کی ہوئی ہے اور سارے آدمی اپنے پیارے خدا کے غلام ہیں پس محبوب کی طرف سے جو انعام ہوں ان کے اثر اس کے غلاموں پر ظاہر ہی ہو جانے چاہئیں لہذا جب کسی پر بھی تمہارے قدرت والے محبوب کی عطاؤں کے آثار ظاہر ہوں تمہارے لئے خوش ہونے کا مقام ہے نہ کہ حسد اور رنج کرنے کا۔

پانچویں اصل بخل اور محبت مال کا بیان

بخل بھی ایک بڑا مہلک مرض ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمت میں بخل کرتے ہیں وہ اس کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ اُن کے لئے نہایت بُرا ہے کیونکہ جس میں بخل کریں گے اس کا طوق بنا کر اُس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ کہ اس نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے[1] پس مسلمان کو شایاں نہیں کہ بخل کرے اور جہنم میں جائے اور چونکہ بخل درحقیقت مال کی محبت ہے اور دل کی محبت قلب کو دنیا کی طرف متوجہ کر دیتی ہے جس سے اللہ کی محبت کا علاقہ[2] ضعیف اور کمزور ہو جاتا ہے اور بخیل مرتے وقت حسرت بھری نظروں سے اپنا جمع کیا ہوا محبوب مال دیکھتا اور جبراً و قہراً آخرت کا سفر کرتا ہے اس لئے کہ اس کو خالق جل جلالہ[3] کی ملاقات محبوب نہیں ہوتی۔

[1] ابوداؤد و نسائی سنن کبریٰ میں ابن حبان ۱۲ [2] لگاؤ و تعلق ۱۲ [3] بڑی ہے ان کی بزرگی ۱۲

Marfat.com

اور حدیث[۱] میں آیا ہے کہ جو شخص مرتے وقت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہ کرے وہ جہنمی ہے جس شخص کے پاس مال نہ ہو وہ بخیل تو نہیں ہے۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ اس کے قلب میں مال کی محبت ہو اور اس آرزو میں ہو کہ کاش مالدار ہو جائے۔ اسی طرح بعض اہل ثروت سخی ہوتے ہیں مگر چونکہ سخاوت سے ان کو محض اپنی شہرت اور مدح مقصود ہوتی ہے اس لئے ان پر اگرچہ بخل کی تعریف صادق نہیں آتی۔ مگر حب مال کا مضمون ضرور صادق آتا ہے پس بخل کے علاج کے ساتھ حب مال کا بھی علاج ہونا چاہیئے۔ یاد رکھو کہ مال کی محبت خدا کے ذکر سے غافل بنا دیتی ہے یہ مال مسلمان کے لئے بڑا فتنہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] کہ جب انسان مرتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں کہ کیا چھوڑا؟ پس اگر زندگی میں مال خرچ کر کے آخرت کا کچھ ذخیرہ جمع کر لیا تھا تو مرتے وقت خوش ہوگا کہ بھیجا ہوا مال وصول کرنے کا وقت آگیا ورنہ رنجیدہ ہوگا اور اس پر مرنا بہت شاق گذرے گا۔ ردیّہ[۳] کا بندہ تباہ ہو نگوں سار ہو اس کے کانٹا چبھے تو کوئی نکالنے والا نہ ملے۔ یہ حدیث کا مضمون ہے اب تم ہی سوچو کہ جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بد دعا دیں اُس کا کہاں ٹھکانا

(فصل) مال مطلقاً مذموم نہیں ہے اور مذموم کیسے ہو سکتا ہے جب کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے کہ ساری مخلوق جسم کے گھوڑے پر سوار ہو کر سفر آخرت طے کر رہی ہے اور سواری کو اس مسافر خانہ دنیا میں گھاس دانہ کی ضرورت ہے اور وہ مال کے بغیر نہیں مل سکتا۔ کیونکہ جب تک پیٹ نہ بھرے اُس وقت تک عبادت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا قوت حیات قائم رکھنے کی مقدار کے موافق مال حاصل کرنا ضروری ہے البتہ اس سے زیادہ مال و متاع ہلاکت کا سامان ہے کیونکہ مسافر بقدر ضرورت ہی توشہ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جہاں بوجھ زیادہ ہوا تو سفر کرنا بھی اس کو مشکل پڑ جاتا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[۴] تھا کہ اے عائشہ مجھ سے ملنا چاہو تو اتنی ہی دنیا پر قناعت کرو جتنا مسافر کا توشہ ہوتا ہے کہ جب تک پیوند نہ لگ جایا کرے اُس وقت تک کرتہ نہ اتارا کرو۔ الٰہی[۵] محمد کے متعلقین کی معاش بقدر کفایت ہی رکھیو اور زیادہ نہ دیجیو ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ یاد رکھو کہ ضرورت سے زیادہ مال جمع کرنا تین وجہ سے مضر ہے اول۔ مال کی وجہ سے معصیت پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے صبر کرنا اور گناہ سے بچنا بہت دشوار ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ گناہ پورا نہ

ضرورت سے زیادہ مال کے مضر ہونے کی وجوہات

[۱] یہ حدیث اصل کتاب میں نہیں مترجم صاحب نے لکھدی ہے اسلئے نہیں ملتی ۱۲ [۲] بیہقی ۱۲ [۳] بخاری ۱۲ [۴] ترمذی ضعیف [۵] مسلم واحمد وترمذی وابن ماجہ ۱۲

Marfat.com

ہوسکے گا۔ دوم۔ اگر معمول شخص عابد و زاہد بھی ہو اور مباح ہی لذتوں میں پیسہ خرچ کیا تب بھی اتنا نقصان اس کو ضرور پہنچا کہ اس کے جسم نے چونکہ لذیذ نعمتوں سے پرورش پائی۔ اس لئے لذتوں کا خوگر ہو گیا اور مال کو چونکہ پائداری نہیں ہے۔ اس لئے اپنی عادت کے بنانے کو مخلوق کا محتاج بنا رہے گا اور کیا عجب ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا یا ان کی چاپلوسی کرنا پڑے تاکہ جن لذتوں کا عادی ہو گیا ہے وہ مرتے دم تک حاصل ہوتی رہیں اور جب یہ ہوا تو اب نفاق جھوٹ ریا، عداوت، بغض اور حسد سب ہی ظاہر ہوں گے اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۱] کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے اور جب ضرورت سے زیادہ پیسہ ہی پاس نہ ہوگا تو مباح چیزوں کا مزہ بھی منہ کو نہ لگے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر سے غفلت ہو جائے گی۔ کیونکہ کاشتکاروں کارندوں، محرروں اور ملازموں کی نگرانی اور شریکوں سے حساب کتاب کرنے اور ترقی کے اسباب فراہم کرنے کی تدبیروں میں ایسی مشغولی ہوگی کہ اصلی سعادت یعنی ذکر الٰہی کا وقت ہی نہ مل سکے گا۔ اول روپیہ کی تحصیل، اور جب وصول پائی پھر اس کی حفاظت و نگہبانی اور پھر اس کا نکالنا اور کسی کام میں لگانا یہ سب دھندے قلب کو سیاہ کرنے والے ہیں جس سے نور بصیرت جاتا رہتا ہے اور جب ضرورت سے زیادہ مال ہی نہ ہوگا تو یہ تفکرات و خفت کبھی پیش نہ آئیں گے۔

فصل۔ اب معلوم کرنا چاہیئے کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور بقدر کفایت کس قدر مال کو کہتے ہیں کیونکہ یوں تو ہر شخص کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو جائے یہاں تک ہفت اقلیم کی سلطنت بھی اس کو مل جاتی ہے تب بھی یہی سمجھتا ہے کہ میری ضرورتوں کو کافی نہیں ہے اس لئے جاننا چاہیئے کہ ذہنی ضرورتوں کا اعتبار نہیں ہے اور واقعی ضرورت انسان کو صرف پیٹ بھرنے اور بدن ڈھکنے کی ہے پس اگر زینت و تجمل کا خیال نہ ہو تو سال بھر میں جاڑے گرمی کے لئے دو دینار[۲] کافی ہیں جن میں موٹے کپڑے جو گرمی سردی رفع کر سکیں آسانی تیار ہو سکتے ہیں اور کھانے میں شکم سیری اور چٹورا پن اگر چھوڑ دیا جائے تو ایک مُد روزانہ کے حساب سے سال بھر میں پانچو مد اناج اور کبھی کبھی معمولی دال ترکاری کے لئے ارزانی کے موسم میں تخمیناً تین دینار کافی ہیں اب حساب لگا دیکھ کہ نفر کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے پس محنت مزدوری سے اسی مقدار کے موافق اپنا اور اپنے بال بچوں کا نفقہ روزانہ حاصل کرو اور خرچ ڈالو۔ باقی سارا وقت اللہ کی یاد میں خرچ کرو اگر

ضرورت کی کم از کم مقدار کی حقیقت

[۱] بیہقی مرسل گر معتبر ہے ۱۲ ع [۲] ایک دینار تخمیناً [illegible] کا ہوتا ہے دو دینار تقریباً للعہ کے ہوئے ۱۲

اس سے زیادہ کماؤ اور جمع کرو گے تو دنیا دار اور مالدار سمجھے جاؤ گے اور اگر کوئی زمین جائداد جس کی سالانہ آمدنی مذکورہ مقدار کے موافق ہو جائے اس نیت سے خرید لو۔ روزانہ کسب اور محنت مزدوری سے سبکدوش ہو کر اطمینان کے ساتھ اللہ اللہ کر سکو گے فی زمانہ اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ جائداد کا خریدنا اور زمین ومٹی میں روپیہ لگانا اُس وقت ناجائز ہے جب کہ دنیا طلبی کے لئے ہو کہ عزت وجاہ میں ترقی یا زمیندار بننے کی دل میں خواہش ہو اور مذکورہ صورت میں چونکہ دین ہی کا حاصل کرنا مقصود ہے اس لئے یہ اس ممانعت سے خارج ہے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے[1] اس کے ساتھ ہی اس کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے کہ طبائع اور ہمتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگ مذکورہ قدرِ کفایت پر قناعت نہ کر سکیں لہٰذا اُن کے لئے اس سے دوچند کی بھی اجازت ہے کیونکہ دین میں تنگی نہیں ہے البتہ اس زیادتی میں نیت یہی ہونی چاہیئے کہ چونکہ تخفیف میں مشقت پیش آتی ہے اور عبادت میں اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم کو باطمینان قلب یادِ حق میں مشغول رہنے کے لئے زائد خرچ کی ضرورت ہے نہ کہ تلذذ[2] اور تنعم کے لئے، پس اس سے زیادہ جو کوئی جمع کر کے رکھے وہ دنیا دار ہے اور اس کو مال کی محبت ہے جو اس کا دین برباد کرنے والی ہے یاد رکھو کہ مال جمع کرنے والوں کی غرض مختلف ہوتی ہے یا تو یہ کہ مزہ اڑائیں گے اور لذتیں پائیں گے اور یا یہ کہ موقع اور وقت پر آئندہ صدقات وخیرات کریں گے اور یا دوراندیشی اور اس مصلحت کے لئے جوڑ کر رکھتے ہیں کہ اگر کوئی وقت افلاس کا آگیا یا محنت مزدوری نہ ہو سکی یا فاقہ کشی کی نوبت آئی تو یہ پس ماندہ پونجی کام آئے گی۔ حالانکہ یہ تینوں نیتیں درست نہیں ہیں کیونکہ تلذذ اور تنعم تو خدا سے غافل بنانے والی ہے اور خیرات کرنے کی نیت سے مال جمع کرنے کی نسبت تو بہتر یہ ہے کہ مال ہی پاس نہ ہو۔ اب رہا آئندہ کے لئے مال جمع کرنا جس کا نام دوراندیشی ہے سو وہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ اگر تقدیر میں فاقہ کشی اور مصیبت لکھی ہے تو وہ اس مال کی بدولت ٹل نہیں سکتی اور نیز جس طرح آفت ناگہانی کی طرف سے اطمینان نہیں اسی طرح اس بات سے بھی ناامیدی نہیں ہے کہ حق تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق پہونچائے جہاں گمان بھی نہ جاتا ہو اور بھلا اس بدگمانی کا موقع ہی کیا ہے کہ شاید کسی وقت میں حق تعالےٰ رزق بند کرے اور فاقہ کرائے

---

[1] احمد وترمذی وحاکم نے صحیح روایت کیا ہے کہ لا تتخذوا الضیعۃ فترغبوا فی الدنیا تم جائداد نہ لو کہ دنیا سے رغبت کرنے لگو گے ۱۲) [2] مزہ پانا۔ نعمت میں رہنا ۱۲

Marfat.com

غلام کو اپنے آقا کے ساتھ تو نیک گمان رکھنا چاہیئے نہ کہ گمان بد۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس کی ہوس کرنا کہ تمام عمر مالدار اور تندرست ہی رہیں اور کسی وقت بھی کسی قسم کی مصیبت یا رنج ہم کو نہ پہونچے اچھی بات نہیں ہے فراخ دستی و آرام کی زندگی کو بہتر خیال کر لینا عقلمندوں کا کام نہیں ہے اس لئے کہ مصیبتوں اور پریشانیوں کی بدولت بندوں کو بڑے بڑے درجے ملتے ہیں اسی سے قلب کی صیقل[1] ہوتی ہے اسی سے گناہ معاف اور وہ فائدے حاصل ہوتے ہیں جن کا حاصل ہونا آسان نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ پریشانیاں انبیا علیہم السّلام کو برداشت کرنی پڑیں اور ان سے کم پریشانیاں ان سے کم رتبہ والوں کو غرض قرب خدا میں انبیا علیہم السلام کے ساتھ جتنی مناسبت ہوئی اسی نسبت سے اس کو پریشانیاں و مصیبتیں بھی اٹھانی پڑیں یاد رکھو کہ حق تعالےٰ بڑی حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے پس تم کو جس حال میں بھی رکھے گا تمہارے لئے اسی میں بھلائی ہوگی۔ لہذا اپنی طرف سے راحت کو اپنے لئے انتخاب کرنا اور اس ہوس میں آنے والی مصیبت کے لئے ذخیرہ جمع کرنا گویا اپنا انتظام اپنے ہاتھ میں لینا اور اپنے انتخاب کو انتخاب خداوندی پر ترجیح دینا ہے جو سراسر حماقت ہے علاوہ ازیں یہ بھی قابل غور ہے کہ قبل از مرگ واویلا کرنے سے فائدہ کیا اور آئندہ کی دنیوی زندگی یعنی بڑھاپے یا ضعیفی کے زمانہ کی فکر سے نتیجہ کیا ہ نہ تم اس فکر کے لئے پیدا ہوئے ہو اور نہ تمہارے فکر کرنے سے تمہارا رزق جو مقدر ہو چکا ہے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے تم تو آخرت کے مسافر ہو اور اسی کا سامان فراہم کرنے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو پس اس کی فکر کرو دنیا کی پرواہ بھی نہ کرو کہ کتنی ملتی ہے اور کیوں کر گذر رہی ہے (فصل) کفایت کی مقدار کو جو حساب ہم نے بیان کیا ہے وہ چونکہ تخمینی ہے اس لئے لوگوں کی طبیعتوں حالتوں اور موسم کی ارزانی و گرانی کے اختلاف سے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے ہمارا مقصد یہ ہے کہ مال کو دوا کی مثل سمجھو کہ بقدر ضرورت تو مفید و نافع ہوا کرتی ہے اور اس میں کچھ زیادتی کر دی جائے تو وہ بیماری کو بڑھا دیتی ہے اور اگر اس میں بہت ہی زیادتی کر دی جائے تو جان ہی سے مار دیتی ہے پس جہاں تک ہو سکے اخراجات و مصارف میں کمی کرو کیونکہ اگر تکلیف بھی ہے تو بس چند ہی روز کی ہے کیونکہ زندگی ہی چند روزہ ہے پس یہ تو جس طرح ہوگی

---

[1] صفائی ۱۲

بخل کی حد اور حقیقت

گذر ہی جائے گی اور یہ بھی یاد رکھو کہ کھانے کا مزہ بھی بھوک ہی میں معلوم ہوا کرتا ہے پس جتنے یہاں بھوکے رہوگے اسی قدر جنت کی نعمتوں میں مزہ بھی زیادہ آئے گا فصل بخل کی حد بھی معلوم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اکثر آدمی خود اپنی حالت میں شک کرتے ہیں اور نہیں سمجھ سکتے کہ بخیل ہیں یا سخی۔ اس لئے جاننا چاہیئے کہ جہاں مال خرچ کرنے کا شرع حکم دے یا مروت تقاضا کرے وہاں مال خرچ نہ کرنا بخل ہے پس اگر کوئی شخص اپنے بی بی بچوں کو وہ نفقہ تو برابر دئے جائے جو قاضی نے مقرر کیا اور اس پر واجب کر دیا ہے مگر اس سے زیادہ ایک لقمہ بھی دینا اس کو گوارا نہ ہو تو چونکہ یہ سختی اگرچہ شریعت کیخلاف نہیں لیکن مروت کے خلاف ہے اس لئے بخل میں شمار ہے یا مثلاً تم نے کسی دوکاندار سے کوئی شے خریدی اور ذرا سے نقص یا عیب کی وجہ سے اس کو واپس کر دیا تو اگرچہ یہ واپسی شرعاً جائز ہے مگر چونکہ خلاف مروت ہے اس لئے بخل کہلائے گا۔ یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جب یہ صورتیں مروت کے خلاف ہونے کی وجہ سے بخل میں داخل ہیں تو پھر شریعت نے ان کو جائز کیوں کہدیا۔ بات یہ ہے کہ شریعت کا منشا اس قسم کی بے مروتی کی باتوں کو جائز کہدینے میں یہ ہے کہ عام لوگوں کا باہمی نزاع دور کرے اور بخیلوں پر اتنا قلیل بوجھ ڈال کر جس کے وہ متحمل ہوسکیں۔ انتظام دنیوی کو قائم رکھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی مروت کا برتاؤ اور جو ضرورتیں اتفاقیہ پیش آ جائیں ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے حدیث میں آیا ہے کہ جس مال کے ذریعے سے آدمی اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے[1] مثلاً کسی لدار کو اندیشہ ہو کہ یہ شاعر میری ہجو کرے گا اور اگر میں اس کو کچھ دیدوں تو اس کا منہ بند ہو جائے گا اور باوجود اس علم کے اس کو کچھ نہ دے تو وہ شخص بخیل سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنی آبرو محفوظ رکھنے کی تدبیر نہ کی اور بدگو کو بدگوئی کا موقع دیا۔ یہ ظاہر ہے کہ مال کی ذات تو مقصود اور محبوب نہیں ہے چنانچہ کوئی اس کو چباتا یا نگلتا نہیں ہے ہاں البتہ چونکہ اس سے ضرورتیں پوری اور منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اس لئے مال مرغوب ہے لہذا جس جگہ اس کے خرچ کرنے میں فائدہ ہو وہاں خرچ نہ کرنا غلطی کی بات ہے پس جو شخص باوجود ضرورت کے مال خرچ نہ کرے تو سمجھ لو کہ اس کو مال کی ذات کے ساتھ محبت ہے اس نفع کے ساتھ جو کہ مال سے مقصود ہے اس کو مطلق بحث نہیں۔ کبھی مال کی محبت یہاں تک بڑھ جاتی ہے

---

[1] حاکم صحیح ہے ۱۲

کہ انسان کو اپنا فائدہ اور نقصان بھی نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت بہت خطرناک ہے جس کو جہل مرکب کہنا چاہیئے پس ایسی صورت میں عقل و شرع کے پابند بننے کی طرف زیادہ توجہ کرو اور جس جگہ پر خرچ کرنے کا یہ دونوں حکم کریں وہاں بے دریغ مال خرچ کرو یہ تو بخل کا تذکرہ تھا۔ اب رہی سخاوت تو اس کی تو کوئی حد ہی مقرر نہیں ہے بس اتنا سمجھ لو کہ بخل کی حد سے باہر نکل کر جتنا بھی خرچ کیا جائے گا وہ سب سخاوت میں داخل ہے (فصل)

بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ بخل کے نقصانات معلوم کرو کہ کہ آخرت کی تباہی اور دنیا کی بدنامی دونوں اس سے پیدا ہوتی ہیں خوب سمجھ لو کہ مال بخیل کے ساتھ جانے والا نہیں ہے صرف قبر کے گڑھے تک کا دھندا ہے پس دنیا میں انسان کو مال دیا گیا ہے تو صرف اس غرض سے دیا گیا ہے کہ وہ اس کو اپنی ضرورتوں میں خرچ کیا کرے سو اگر تم جانور بن کر اسکو اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں خرچ کر دوگے تو بڑی ضروری نعمت یعنی آخرت کی لذتوں سے محروم رہوگے اور اگر دنیا میں اولاد کے لئے چھوڑ مروگے تو گویا اولاد کو تو آرام دے جاؤگے مگر خود خالی ہاتھ چلے جاؤگے اب تم ہی بتاؤ کہ اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے؟ ذرا غور کرو کہ اگر تمہارے پس ماندہ بچے صالح اور نیکوکار اٹھیں گے تو کیا خدا ان کی ضرورتوں کا کفیل نہ ہوگا پھر تمہارے جمع کرنے سے کیا فائدہ؟ اور اگر خدانخواستہ وہ بدکار رہے تو ظاہر ہے کہ یہ تمہارا جمع کیا ہوا مال حق تعالیٰ کی معصیت میں خرچ ہوگا اور اس کا تم پر وبال پڑے گا کہ معصیت کے سبب تم قرار پاؤگے جوں جوں دوسرے لوگ تمہارے مال سے مزے اڑائیں گے دوں دوں تم پر عذاب بڑھے گا۔ اس قسم کی باتیں سوچنے اور بخل کے نتائج پر غور کرنے سے امید ہے انشاء اللہ بخل سے نجات مل جائے گی اور عملی علاج یہ ہے کہ نفس پر جبر کرو اور خرچ کرنے کی بتکلف عادت ڈالو۔ ضرورتوں کے وقت خرچ کرنے کی خوبی کا تصور باندھ کر اتنا زور ڈالو کہ خرچ کرنے کی رغبت ہونے لگے اور پھر بتدریج برے خیالات اور مذموم اخلاق کو دور کرتے رہو یہاں تک کہ بخل کی جڑ کٹ جائے اور اب مال کا خرچ کرنا خواہش نفس بن جائے۔

چھٹی اصل رعونت[1] اور شہرت وجاہ[2] کی محبت کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ دار آخرت کی بھلائیاں انہیں کے لئے مخصوص ہیں جو زمین پر رہ کر نہ

---

[1] خود آرائی ۱۲ [2] عزت ۱۲

Marfat.com

خمول و عدم شہرت سے بڑے فائدے ہیں

چڑھنا اور فتنہ و فساد کرنا نہیں چاہتے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ "بکریوں کے گلہ میں دو بھیڑیئے آپڑیں تو وہ اتنا نقصان نہ کریں گے جتنا مال و جاہ کی محبت دیندار مسلمان کے دین کا نقصان کرتی ہے۔" خوب سمجھ لو کہ رعونت اور حُبِّ جاہ بُری بلا ہے ان سے قلب میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں وہ لوگ بڑے آرام میں ہیں جن کو کوئی جانتا بھی نہیں پریشان حال غبار آلود کہ نہ لوگ ان کو پاس بٹھانا پسند کرتے ہیں اور نہ امراء ان کو اپنی کوٹھی بنگلوں میں گھسنے کی اجازت دیتے ہیں اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو کوئی ان کو لڑکی دینا پسند نہیں کرتا۔ پھٹے پُرانے کپڑے پہنے اور ذلت و مسکنت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں لیکن میں ایسے بندے ہوتے ہیں کہ اگر کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو حق تعالیٰ ان کی خاطر اس کو پوری فرماتا ہے یاد رکھو کہ جہاں انسان کی شہرت ہوئی اور اس کو مسندِ عزت کی جگہ بیٹھنا اور لوگوں کے آگے آگے چلنا پسند آیا تو بس تباہی آگئی۔ خدا کے بندے اپنے آپ کو بہت چھپاتے ہیں البتہ بلا طلب و بلا خواہش اگر حق تعالیٰ ہی ان کو ظاہر فرما دے تو اب ان کو اپنا چھپانا مناسب نہیں رہتا۔ دیکھو انبیاء علیہم السّلام خلفاء راشدین اور اکثر اولیاء کی دنیا میں شہرت ہوئی ہے مگر چونکہ ان میں سے کسی نے بھی اپنی شہرت کی آرزو یا خواہش نہیں کی بلکہ محض حق تعالیٰ کی اطاعت تھی کہ اُس نے جس حال میں بھی رکھا اُس پر راضی ہو گئے۔ اس لئے نہ تکبر پیدا ہوا اور نہ حبِ جاہ کہلائی۔ کیونکہ حبِ جاہ اس کا نام ہے کہ اپنی شہرت کی خود خواہش کرے اور ظاہر ہے کہ اس سے رعونت پیدا ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

حبِ جاہ و حبِ مال کا فرق

فصل۔ حبِ جاہ کے معنی یہ ہیں کہ "انسان لوگوں کے قلوب پر قبضہ کرنا چاہے اور اس کی خواہش کرے کہ ان کے دل میرے مطیع بن جائیں، میری تعریف کیا کریں، میری حاجت کے پورا کرنے میں لگیں اور جان تک سے دریغ نہ کریں"۔ مال کے ساتھ بھی انسان کو اسی غرض سے محبت ہوتی ہے کہ وہ رفع حاجات کا ذریعہ ہے اور جاہ و شہرت کی خواہش بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ کوئی ضرورت بند نہ رہے پس مقصود کے اعتبار سے دونوں ایک ہی نفع کے سبب ہیں البتہ چونکہ حبِ جاہ سے مال بھی حاصل ہو سکتا ہے اور نہ اُس کو کوئی چرا سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے اور مال کے ذریعہ سے بسا اوقات جاہ حاصل نہیں ہوتا اور مال میں چوری کا اور لوٹ کا بھی خطرہ رہتا ہے اس لئے حبِ جاہ کا درجہ حبِ مال سے بڑھا ہوا ہے اور

---

[1] ترمذی و احمد۔ صحیح ہے ۱۲

مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت زیادہ ہونے کا پہلا سبب

چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی کی تعظیم کا اعتقاد لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تو لا محالہ لوگ اس کی تعریفیں کرتے اور دوسروں کو اس مضمون میں اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں اور جب ان کو اس کی دھن لگتی ہے تو بسا اوقات کامیاب بھی ہو جاتے ہیں پس اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور آخر کار حب جاہ میں بلا تکلف و بلا مشقت کامیابی ہو جاتی ہے برخلاف اس کے مال کے جمع کرنے میں بیسیوں تدبیریں اور حیلے کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی خاطر خواہ مال جمع ہونا مشکل ہوتا ہے اس وجہ سے انسان کو مال کی بہ نسبت جاہ کی محبت و خواہش زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقراء بھی حب جاہ میں مبتلا پائے جاتے ہیں حب جاہ کے بکثرت ہونے کا

حب جاہ کا دوسرا سبب

ایک یہ بھی سبب ہے کہ ہر آدمی کو اپنی بڑائی اور عزت کی بالطبع خواہش ہوتی ہے اور ہر شخص چاہتا ہے کہ میں ایسا بے مثل دیکتائے روزگار رہوں کہ بس میں ہی میں ہوں حالانکہ یہ حقیقت الہیہ[1] ہے اور خداوند تعالیٰ ہی کو شایاں ہے کیونکہ یکتائی اسی کی شان ہے اور تمام مخلوق اس واجب الوجود کے نور قدرت کا پرتو ہے پس جو انسان حب جاہ کے مرض میں گرفتار ہے وہ گویا اللہ عز اسمہ کے ہم پلہ ہو جانے کا خواہش مند اور اس کے ساتھ اس نسبت کے قائم رکھنے سے ناراض ہے جو دھوپ کو آفتاب کے ساتھ ہوتی ہے گویا اس کا نفس فرعون کی طرح اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی پکار رہا ہے کہ میں ہی تم سب کا بڑا پروردگار ہوں بس اتنا فرق ہے کہ فرعون نے یہ کلمہ زبان سے نکال دیا اور لوگوں کے سامنے کہدیا تھا اور دوسرے لوگ اس کو اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں مگر چونکہ شان یکتائی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی اور اس آرزو میں کامیاب ہونا محال ہے اس لئے انسان کا نفس چاہتا ہے کہ اگر مستقل وجود میں کامیاب نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہو کہ ساری مخلوق پر قبضہ ضرور حاصل ہو جائے کہ جس شے پر چاہوں تصرف کروں مگر چونکہ آسمان، ستاروں، پہاڑ اور دوسری بڑی مخلوقات پر قبضہ ہونا دشوار نظر آیا اس لئے ذرا نیچے اتر کر اس کا متمنی ہوا کہ صرف زمین ہی کی مخلوق پر مالکانہ تصرف حاصل ہو جائے یعنی حیوانات مسخر[2] ہو جائیں اور معدنیات[3] و نباتات تابع فرمان بن جائیں اور ان علویات[4] آسمانی اور بڑی مخلوقات ارضی[5] کی جن پر مالکانہ تصرف حاصل ہونا ممکن ہی

---

[1] یعنی معبود ہونے کی تو حقیقت یہی ہے کہ وہ ذات اور اوصاف میں یکتا ہو تو گویا یہ خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے ۱۲ [2] تابع ۱۲ [3] کان سے نکلنے والی چیزیں [4] بلندی والی چیزیں ۱۲
[5] زمین والی ۱۲ ؎

Marfat.com

پوری واقفیت اور تحقیق تام[1] حاصل ہو جائے تاکہ ہاتھ کا قبضہ نہ ہو تو علم ہی کا قبضہ قائم رہے اور دنیا کی آبادی میں سے ذوی العقول[2] مخلوق یعنی انسان اپنے قلوب کے اعتبار سے میرے مطیع و فرمانبردار بن جائیں کہ میری عظمت و بڑائی کے معتقد ہو کر مجھکو صاحب کمال سمجھنے لگیں ہاتھ باندھے ہوئے میری تعظیم کریں اور میری شہرت کا آوازہ ان ملکوں تک پہنچ جائے جہاں میں خود نہیں پہنچ سکتا۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ فصل۔ انسان ایک دن مرنے والا ہے اور جاہ و شہرت مرنے کے بعد ختم ہو جائے گی پس اگر یہ ناپائدار شہرت حاصل بھی ہوئی اور مخلوق میں عزت اور جاہ مل بھی گئی ہو تو ہوا کیا؟ یہ تو کوئی خوبی اور کمال کی بات نہیں۔ کمال تو ایسی چیز کا حاصل کرنا ہے کہ جس میں موت کوئی خلل یا کمی نہ پیدا کرے اور وہ معرفتِ الٰہی ہے کہ صاحبِ معرفت شخص دنیا سے انتقال بھی کر جائے تب بھی معرفت کی بے شمار مراتب ہیں اس کی ترقی رہتی ہے لہٰذا اس رعونت اور طلب شہرت کا علاج کرو اور اس کی محبت دل سے یوں دور کرو یوں سمجھو کہ اگر مثلاً تمام دنیا تم کو سجدہ بھی کرنے لگے تو کے دن کے لئے آخر ایک دن وہ ہو گا کہ نہ تم باقی رہو گے اور نہ سجدہ کرنے والے باقی رہیں گے تعجب ہے کہ زمانہ تو تمہارے ساتھ یہاں تک بخل کرتا ہے کہ شہر یا قصبہ تو درکنار تمہارے محلہ پر بھی تم کو پورا قبضہ نہیں دنیا اور تم زمانہ کی ہمدردی میں ایسے ڈوبے کہ دائمی نعمت اور جاوید سلطنت کے چھوڑنے پر راضی ہو گئے کہ دنیا کی اس مکدر و حقیر شہرت اور چند ایسے احمق و ضعیف لوگوں کی تعظیم و تکریم میں نازاں ہو گئے جن کو نہ کسی کی موت و حیات کا اختیار ہے اور نہ کسی کے ضرر اور نفع پر دسترس ہے اور اس کی بدولت اس ناپائدار عزت اور عالم ملکوتی کی شہرت کو کھو بیٹھے جو حق تعالیٰ اور اس کی برگزیدہ پاک مخلوق یعنی فرشتوں میں تم کو حاصل ہوتی ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ انسان مال کی طرح بقدر ضرورت جاہ کا بھی محتاج ہے تاکہ اس کی وجہ سے مخلوق کے ظلم و تعدی سے محفوظ اور ظالم حاکموں کی دست برد سے بے خوف ہو کر باطمینانِ قلب عبادت میں مشغول رہ سکے لہٰذا اتنی طلب جاہ میں مضائقہ نہیں ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ یہ بقدر ضرورت جاہ اپنی عبادتوں میں ریا اور دکھاوا کر کے حاصل نہ کرو۔ کیونکہ ریا حرام ہے نیز متقی اور صوفی کی صورت بنا کر بھی مخلوق کو دھوکہ نہ دو کیونکہ اگر درویشانہ یا عالمانہ صورت کی بدولت مخلوق میں عزت

---

[1] پوری ۱۲ [2] عقل والے ۱۲

حاصل کروگے تو خدا کے نزدیک مکار سمجھے جاؤ گے کہ جو مضمون قلب کو حاصل نہ ہو اور محض صورت بنا کر اس کا اظہار کیا جائے وہ دھوکہ اور مکر کہلاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دھوکہ حرام ہے بہرحال طلب جاہ بڑی خطرناک چیز ہے کیونکہ اس کی ہوس انسان کو ایک حالت پر قناعت نہیں کرنے دیتی پس اگر سچ پوچھو تو دین ان ہی لوگوں کا محفوظ ہے جن کا حال اتنا مخفی اور پوشیدہ ہے کہ ان کو کوئی جانتا ہی نہیں کہ وہ کس رتبہ کے ہیں **فصل** اکثر حب جاہ کا سبب اپنی مدح وثنا کی خواہش ہوا کرتی ہے کیونکہ انسان کو اپنی تعریف ومدح میں لذت آتی ہے اور لذت آنے کی تین وجہ ہیں اوّل چونکہ کمال حق تعالیٰ کی صفت ہے اور ہر شخص کو مرغوب ہے کہ میرے اندر بھی یہ صفت پیدا ہو لہٰذا نفس اپنی تعریف سے خوش ہوتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ تعریف کرنے والا میرے کمال سے واقف ہے اور یہی وجہ ہے کہ بے وقوف اور جاہل شخص کی تعریف سے اتنی خوشی نہیں ہوا کرتی جتنی کسی ہوشیار اور عقلمند آدمی کی مدح سے ہوتی ہے دوم تسخیر کی خواہش ہر شخص کو ہے اور اپنی مدح سنکر چونکہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مداح کے دل پر میرا قبضہ اور اثر ہوگیا ہے لہٰذا نفس کو اس میں مزہ آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صاحب عزت شخص تعریف کرے تو زیادہ مسرت ہوتی ہے اور کوئی محتاج یا بھک منگا فقیر مدح کرے تو بالکل مسرت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے قلب پر قبضہ کرنا کوئی کمال یا خوبی نہیں سمجھی جاتی۔ سوم یہ خیال ہوتا ہے کہ میرے آوازۂ شہرت کے بلند ہونے کا ذریعہ پیدا ہوگیا۔ کیونکہ لوگوں کو میری تعریف کرنے کی طرف توجہ ہوئی اور اب یہ آہستہ آہستہ تمام دنیا بھر میں بہت جلد میری شہرت کرادے گی لہٰذا مدح سے نفس پھولتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مجمع میں تعریف ہونے سے جتنی مسرت ہوتی ہے تنہائی میں مدح ہونے سے اتنی مسرت نہیں ہوتی خوب سمجھ لو کہ اس حب مدح نے لوگوں کو برباد کردیا۔ اسی کی بدولت ریا اور طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہوگئے پس اس کا علاج کرنا چاہیے۔ غور کرو کہ تعریف کرنے والا کس بات کی تعریف کرتا ہے؟ اگر تمہارے مال اور عزت کی تعریف کررہا ہے تو سمجھو کہ یہ کوئی کمال کی چیز نہیں ہے مسرت تو حقیقی کمال یعنی معرفت الٰہی کے حصول پر ہونی چاہیے اور یہی کمال تو رنج کا مقام ہے نہ کہ مسرت کا اور اگر تمہارے زہد اور اتقا کی تعریف ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یعنی یا تو یہ کہ درحقیقت تم زاہد ومتقی ہو اور تمہاری تعریف اس بارہ میں سچی ہورہی ہے اور یا محض تمہیں خوش کرنے کے لئے تمہاری جھوٹی تعریف کی جارہی ہے پس اگر سچی تعریف ہے

حبِ مدح کی وجوہ

حبِ مدح کا علاج

Marfat.com

تو اس کا علاج اس طرح کرو کہ دل میں سوچو اور غور کرو کہ ان باتوں کا اپنے اندر آجانا اور حق تعالیٰ کا قبول فرما لینا خوشی کی بات ہے نہ کہ دوسروں کا بیان کرنا۔ کیونکہ لوگوں کے اظہار کو قبولیت اور قربِ الٰہی میں کچھ دخل نہیں ہے اور اگر زہد و اتقا کی تعریف جھوٹی ہو رہی ہے تب تو خوش ہونا کھلی حماقت ہے کیونکہ اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ کوئی شخص تمہاری تعریف کرنے لگے کہ آپ کی آنتوں اور معدہ میں عطر کی خوشبو آرہی ہے حالانکہ تم واقف ہو کہ اس میں تو نجاست اور فضلہ بھرا ہوا ہے اور پھر اس بے جا مدح اور بے موقع بلکہ صریح جھوٹی تعریف پر خوش ہونے لگو تم ہی بتاؤ اس سے زیادہ بے وقوفی کیا ہوگی اور جاہ و شہرت کا علاج ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس پر عمل کرنے سے اُمید ہے کہ حبِ جاہ اور حبِ مدح کی جڑ جاتی رہے گی

ساتویں اصل دنیا کی محبت کا بیان

حبِ دنیا کی ماہیت

دنیا صرف مال و جاہ ہی کی محبت کا نام نہیں ہے بلکہ موت سے پہلے جس حالت میں بھی تم ہو وہ سب دنیا ہے اور دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے دنیا کے تمام جھگڑوں بکھیڑوں اور مخلوقات اور موجودہ چیزوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا نام دنیا کی محبت ہے البتہ علم اور معرفتِ الٰہی اور نیک کام جن کا ثمرہ مرنے کے بعد ملنے والا ہے ان کا وقوع اگرچہ دنیا میں ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت وہ دنیا سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی محبت دنیا نہیں ہے بلکہ آخرت کی محبت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے دنیا کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت کا سامان بنایا ہے تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ کون اُن پر فریفتہ ہو کر آخرت ضائع کرتا ہے اور کون بقدرِ ضرورت سفر کا توشہ سمجھ کر اپنی آخرت سنوارتا ہے۔" یاد رکھو کہ آدمی کو جاہ و مال کے علاوہ زمین کی بھی محبت ہوا کرتی ہے مثلاً مکان بنائے یا کھیتی کرے نباتات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً جڑی بوٹی ہو کہ اس کو دواؤں میں استعمال کرے یا ترکاری و دیگر پیداوار یا پھل پھول ہو کہ اس کو کھائے اور مزہ اڑائے، معدنیات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً برتن اور اوزار بنائے یا زیور بنوا کر پہنے یا نقد جمع کرے۔ حیوانات کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً شکار کرے اور کھائے یا ان پر سواری کرے اور اپنی زینت بڑھائے اور آدمیوں کی بھی محبت ہوتی ہے مثلاً یہ کہ عورتوں کو منکوحہ اور خادمہ بنائے یا مردوں کو غلام اور نوکر و خدمت گار بنائے انھیں چیزوں کی محبت کا نام ہوائے نفس ہے جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جس نے اپنے نفس کو خواہش سے روک لیا اُس کا ٹھکانہ جنت ہے"۔ یاد رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشہ

ہوائے نفس اور خواہشاتِ دنیا کی محبت کا نام ہے

Marfat.com

ہے اور اسی میں اکثر باطنی امراض مہلکہ مثلاً غرور و نخوت، کینہ، حسد، ریا، تفاخر اور بڑھوتری کی حرص پیدا ہوتی ہے اور جب انسان کو حیاتِ دنیوی کی درستی و آرائش کا شوق پیدا ہوتا ہے تو حرفت و صنعت اور زراعت و تجارت کے ناپائیدار مشغلوں میں ایسا پھنس جاتا ہے کہ آگے پیچھے اور مبدا[1] و معاد کی اس کو خبر ہی نہیں رہتی۔ اور ظاہر و باطن دونوں دنیا ہی کے ہو رہتے ہیں قلب محبت دنیا میں مشغول ہو جاتا ہے اور بدن اس کی اصلاح و تدبیر میں مصروف۔ حالانکہ دنیا توشہ آخرت ہے اور اس سے مقصود یہی ہے کہ مسافران آخرت باسانی اپنا سفر ختم کر سکیں مگر بے وقوف اور احمق لوگوں نے اسی کو مقصودِ اصلی سمجھ لیا اور طرح طرح کے مشغلوں اور قسم قسم کی خواہشوں میں ایسے پڑے کہ آنے والے وقت کو بالکل بھول گئے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص حج کی نیت سے روانہ ہو اور جنگل میں پہونچکر سواری کے گھاس دانہ اور مرکب[2] کے موٹا تازہ کرنے کی فکر میں لگ جائے اور ہمراہیوں سے پیچھے رہ جائے۔ افسوس ہے اس کی حالت پر کہ تن تنہا جنگل میں رہ گیا اور قافلہ کوچ کر گیا جس نیت سے چلا تھا یعنی حج وہ بھی گیا گذرا ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جنگلی درندوں نے موٹی تازی سواری کو بھی چیر پھاڑ ڈالا اور اس کو بھی اپنے منہ کا نوالہ بنا گئے۔ یاد رکھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی اور منزل کا پڑاؤ ہے اور تم اپنے جسم خاکی پر سوار ہو کر سفر آخرت کر رہے ہو اس لئے تم کو چاہئے کہ اپنی سواری کا گھاس دانہ بقدر کفایت اٹھاؤ اور سفری ضرورتوں میں کام آنے والا سامان مہیا کر کے وہ بیج بو جس کو آخرت میں کاٹو اور پھر دائمی زندگی آرام سے گذار سکو اور اگر اس ماتحت سواری کی پرورش و فربہی میں مشغول ہو جاؤ گے تو قافلہ کوچ کر جائے گا اور تم منزل مقصود پر نہ پہنچ سکو گے دنیا میں مخلوق کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کشتی پر کچھ آدمی سوار ہوں اور کشتی کسی جزیرے کے کنارے پر آ ٹھہرے اور کشتی کا ملاح سواریوں کو اجازت دیدے کہ جاؤ جزیرہ میں اتر کر اپنی ضرورتیں پوری کر آؤ۔ مگر ہوشیاری سے کام لینا کہ جگہ خطرناک ہے اور ابھی سفر دور دراز سر پر ہے غرض سواریاں اتریں اور ادھر ادھر منتشر ہو کر کئی اقسام پر منقسم ہو گئیں بعض تو ضروری حاجت سے فارغ ہوتے ہی لوٹ پڑے اور فضول وقت گذارنا ان کو اچھا نہ معلوم ہوا پس دیکھا کہ کشتی خالی پڑی ہے لہذا اپنی پسند کے موافق ساری کشتی میں اعلےٰ درجہ کی ہوادار اور فراخ جگہ منتخب کر کے وہاں بیٹھ گئے اور

---

[1] ابتداء اور انتہا ۱۲ [2] سواری ۱۲

Marfat.com

بعض جزیرہ کی خوش گوار ہوا کھانے اور خوش الحان پرندوں کی شیریں آوازوں کے سننے میں لگ گئے۔ سبز مخملی فرش اور رنگ برنگ کے پھول بوٹوں اور طرح طرح کے پتھروں، درختوں کی گل کاریوں میں مشغول ہوگئے۔ مگر پھر جلدی ہوش آگیا اور فوراً کشتی کی جانب واپس ہوئے یہاں پہونچ کر دیکھا کہ جگہ تنگ رہ گئی ہے اور پر بہار و فضا کی جگہوں پر اُن سے پہلے آجانے والے لوگ بستر لگا چکے ہیں لہٰذا اس تنگ ہی جگہ میں تکلیف کے ساتھ بیٹھ گئے اور **چند لوگ** اس جزیرہ کی عارضی بہار پر ایسے فریفتہ ہوئے کہ دریائی خوشنما سیپیوں اور پہاڑی خوبصورت پتھروں کے چھوڑنے کو ان کا دل ہی نہ چاہا۔ پس ان کا بوجھ لاد کر انھوں نے اپنی کمر پر رکھا اور سمندر کے کنارے پر پہونچے کہ کشتی پر سوار ہوں دیکھا کہ کشتی لبریز ہو چکی ہے کہ اس میں نہ اپنے بیٹھنے کی جگہ ہے اور نہ اس فضول بوجھ کے رکھنے کے لئے کوئی مکان ہے اب حیران ہیں کہ کیا کریں ادھر تو بوجھ کے پھینکنے کو نفس گوارا نہیں کرتا اور اُدھر اپنے بیٹھنے تک کو جگہ نہیں ملتی غرض قہر درویش بجان درویش نہایت دقت کے ساتھ ایک نہایت تنگ جگہ میں گھس بیٹھے اور کنکروں اور پتھروں کے بارگراں کو اپنے سر پر لاد لیا۔ اب ان کی حالت کا تم ہی اندازہ کرلو کہ کیا ہوگی۔ کمر الگ دکھے گی۔ گردن جدا ٹوٹے گی اور جس مصیبت و تکلیف کے ساتھ وقت کٹے گا اس کو اُن کا ہی دل خوب سمجھے گا۔ اور **بعض** لوگ جزیرے کے دل افروز حسن پر ایسے عاشق ہوئے کہ کشتی اور سمندر سب کو بھول گئے پھول سونگھنے اور پھل کھانے میں مصروف ہوگئے اور کچھ خبر نہ رہی کہ کہاں جانا ہے اور یہاں رہ کر کن درندوں اور موذی جانوروں کی غذا بننا ہے آخر جب سب کے بعد بادل ناخواستہ ساحل پر پہونچے تو کشتی میں نام کو بھی جگہ نظر نہ آئی۔ تھوڑی دیر بعد کشتی لنگر اُٹھا کر وہاں سے چل دی اور یہ لوگ کنارے پر کھڑے حسرت بھری نظروں سے اپنے ہمراہیوں کو دیکھتے رہ گئے۔ آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ کے درندوں نے ان کو پھاڑ ڈالا اور موذی جانوروں نے ان کے نازک اور خوب صورت بدن کو ٹکڑے کردیا۔ یہی حال بعینہ دنیا داروں کا ہے اب تم خود غور کرکے سمجھ لو کہ کن لوگوں پر کونسی مثال چسپاں ہوتی ہے۔

فصل جو شخص اپنے نفس کی ماہیت سے خوب واقف ہوگیا اور معرفت الٰہی حاصل کرلی اور جس نے دنیائے دنی کی حقیقت سمجھ لی وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کے بغیر آخرت کی جاوید[1] نعمتیں ہرگز نہیں مل سکتیں اور حق تعالیٰ کی محبت کے ساتھ دنیا کی محبت کا جمع

[1] ہمیشہ ۱۲

Marfat.com

ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جس طرح ایک برتن میں آگ اور پانی کا جمع ہونا ناممکن ہے اور جب تک انسان دنیا سے منہ نہ پھیرے گا کہ ان فانی تعلقات کو منقطع کرے اور بقدر ضرورت دنیا پر قناعت کرکے باطمینان ہر لحظہ فکر و ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے اُس وقت تک حق تعالیٰ کی محبت پیدا نہ ہو گی اگر تمہاری ایسی حالت ہو جائے اور نور بصیرت کے مشاہدہ سے یہ اسرار منکشف ہو جائیں تب تو کسی کے سمجھانے اور بتلانے کی حاجت ہی نہیں ورنہ شریعت کے تابع بن کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کس قدر مذمت فرمائی ہے تخمیناً تہائی قرآن اسی دلفریب سبزہ زار اور زہر ہلاہل[1] کی برائیوں سے بھرا ہوا ہے چنانچہ فرماتا ہے جنہوں نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ جہنمی ہیں" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[2] کہ تعجب ہے ان بندوں پر جو عالم بقا کو سچا سمجھیں اور پھر اس ناپائدار پر فریفتہ ہوں" خوب سمجھ لو کہ جو لوگ دنیا کو مقصود سمجھ کر اس کے کمانے میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ سدا پریشان رہتے ہیں کہ ان کی طلب کبھی ختم نہیں ہوتی اور ان کا فکر کبھی رفع نہیں ہوتا۔ ان کی آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی ان کا رنج و غم کبھی دور نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ابوہریرہ رضی کا ہاتھ پکڑا اور ایک کوڑی پر لا کھڑا کیا۔ جہاں مردوں کی کھوپریاں اور نجاست و غلاظت کے ڈھیر اور بوسیدہ ہڈیاں اور پھٹے پرانے کپڑے پڑے ہوئے تھے اور فرمایا کہ دیکھو ابوہریرہ یہ ہے دنیا کی حقیقت۔ ایک وقت وہ تھا کہ ان کھوپریوں میں بھی تمہاری طرح امیدیں اور آرزوئیں جوش مارتی اور حرص و ہوس سے لبریز تھیں اور آج کس بُرے حال میں کوڑی پر پڑی ہیں کہ چند روز میں خاک ہو جائیں گی اور ان کا پتہ نشان بھی نہ رہے گا اور دیکھو یہ غلاظت[3] اور نجاست جو تم کو نظر آرہا ہے وہی تمہاری غذا ہے جس کے پیٹ کے اندر بھرنے میں حلال اور حرام کا بھی امتیاز نہیں ہوتا۔ ایک دن تھا کہ رنگ برنگ کے کھانے بن کر تمہارے پیٹ میں تھا اور آج یہاں کوڑی پر کس گندی حالت میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی بو سے بھی لوگ بھاگتے اور گھنیاتے ہیں دیکھو یہی پرانے چیتھڑے کسی وقت تمہارے چمک دمک والے لباس تھے اور آج ان کو ہوائیں ادھر ادھر اڑائے پھرتی ہیں اور کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا اور دیکھو یہ ہڈیاں کسی دن تمہاری سواری کے جانور اور مویشی تھے کہ جن پر جانیں دیتے اور قتل و قتال کیا کرتے تھے۔ اے

---

[1] زہر قاتل لاعلاج ۱۲ [2] ابن ابی الدنیا مرسل ۱۲ [3] نجاست ہیوک جو بعد غذا معدہ سے خارج ہو

ابوہریرہؓ یہ دنیا کی حقیقت ہے جس کا قابلِ عبرت انجام دنیا ہی میں ظاہر ہوگیا پس جس کو رونا ہو روئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایک دن دنیا کی حقیقت منکشف ہوئی۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک بدصورت بڑھیا بناؤ سنگار کئے ہوئے زیور و پوشاک پہنے بنی ٹھنی بیٹھی ہے آپ نے پوچھا۔ اسے بڑھیا تو کتنے لوگوں سے نکاح کرچکی ہے؟ دنیا نے جواب دیا کہ بے شمار آدمیوں سے؟ آپ نے فرمایا کہ ان شوہروں کا انتقال ہوگیا یا تجھکو طلاق دے بیٹھے؟ دنیا نے جواب دیا کہ طلاق دینے کی ہمت کس کو ہوتی ہے میں نے سب کو مار ڈالا یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے موجودہ شوہروں پر افسوس ہے کہ ان کو گذشتہ شوہروں کی حالت پر عبرت نہیں ہوتی۔ مسلمانو! ہوشیار رہو اور سنبھلو، دنیا بڑی بیوفا ہے اس سے بچو کہ اس کا جادو ہاروت و ماروت[1] کے سحر سے زیادہ اور جلد اثر کرتا ہے اگر پرانا نمک جو کی روٹی کے ساتھ کھاکر اور ٹاٹ پہن کر زندگی گذار دو گے تب بھی گذر جائے گی۔ مگر آخرت کی فکر کرو کہ وہاں کی رتی برابر نعمت کا نہ ملنا بھی بڑی تکلیف کا سبب ہے۔

فصل۔ بعض لوگ دھوکہ کھا جاتے اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا بدن کتنا ہی دنیا میں مصروف رہے مگر ہمارا دل دنیا سے فارغ اور خالی رہتا ہے یاد رکھو یہ شیطانی وسوسہ ہے بھلا کوئی شخص دریا میں چلے اور پاؤں نہ بھیگے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اگر تم کو دنیا کی طلب ہوگی اور ضرورت سے زیادہ دنیا کمانے کی تدبیروں میں لگو گے تو ضروری بات یہ ہے کہ پریشان رہو گے۔ اور دین کو ہاتھ سے کھو بیٹھو گے یہ بھی یاد رکھو کہ دنیا کی یہ طلب کبھی ختم نہ ہوگی اور اس کی حرص ہمیشہ بڑھتی رہے گی کیونکہ دنیا کی مثال سمندر کے کھاری پانی کی سی ہے کہ جتنا پیوگے اسی قدر پیاس زیادہ لگے گی بھلا جو چیز ایک دن تم سے چھوٹ جانے والی ہے اس میں مصروف ہونا اگر اپنے رنج کا سامان کرنا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ چھونے میں نہایت نرم ہے مگر منہ میں قاتل و مہلک زہر لئے ہوئے ہے اس بے وفا کی مفارقت یقینی ہے لہٰذا اس کے ہاتھ آجانے پر خوش ہونا اور ہاتھ نہ آنے پر رنج و ملال کرنا دونوں فضول ہیں دنیا کے زر و مال کو اپنے اطمینان کا ذریعہ سمجھنا بڑی حماقت ہے جہاں ہمیشہ رہنا نہیں وہاں اطمینان کیسا؟ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کسی مہمان نواز نے اپنا مکان آراستہ کیا اور شیشہ و آلات سے سجا کر مہمانوں کو بلایا اور ان کو اس میں بٹھاکر عطر

(حاشیہ: دنیا کی طلب کا انجام) (حاشیہ: دنیا کا زر و مال فانی ہے)

[1] دو فرشتے ہیں جن پر جادو نازل ہوا تھا ۱۲

اور خوشبو اور پھولوں سے بھرا ہوا طباق ان کے سامنے رکھ دیا ظاہر ہے کہ صاحب مکان کا مطلب اس سے یہ ہے کہ طباق میں رکھے ہوئے پھولوں کو سونگھو اور پاس والوں کے آگے سرکا دو کہ وہ اب اسی طرح نفع اٹھائیں اور بخوشی خاطر برابر والوں کے سامنے کر دیں یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے طباق پر تم ہی قبضہ کر بیٹھو پس اگر کوئی شخص آداب مجلس سے واقف نہ ہو اور طباق کو اپنا نذرانہ سمجھ کر اپنی بغل میں دبا لے تو اس کی حماقت پر تمام حضار[۱] مجلس ہنسیں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس کے بعد یہ نتیجہ ہوگا کہ مالک مکان زبردستی اس سے طباق چھین کر دوسروں کے سامنے رکھ دے گا تم ہی سوچو کہ اس وقت اس کو کیسی ندامت ہوگی۔ اسی طرح دنیا حق تعالیٰ کی مہمانی کی جگہ ہے اس سے حق تعالیٰ کا یہ مقصود ہے کہ مسافران آخرت آئیں اور بقدر ضرورت اس طرح نفع اٹھائیں جس طرح مستعار چیزوں سے نفع اٹھاتے اور اپنی حاجتیں رفع کیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد بخوشی خاطر اس کو دوسروں کے حوالے کر کے اپنا راستہ لیں اور آخرت میں پہنچیں پس مستعار چیز سے دل کا لگانا حقیقت میں چلتے وقت اپنے آپ کو شرمندہ اور رنجیدہ بنانا ہے

آٹھویں اصل نخوت و تکبر کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر کرنے والے کا بہت برا ٹھکانا ہے کبریائی خاص میری چادر ہے پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہے گا میں اس کو قتل کر دوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۲] کہ جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔[۳] جو لوگ باوجود صاحب عزت و مال ہونے کے تواضع کرتے اور عاجزی و انکساری کے ساتھ لوگوں سے ملتے ہیں ان کو مبارک ہو کہ ان کے بڑے درجے ہیں ان کی دنیا میں بھی عزت بڑھتی ہے اور آخرت میں بھی۔ تکبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے آپ کو صفات کمالیہ میں دوسروں سے زیادہ سمجھے اور ظاہر ہے کہ جب انسان کا اپنے متعلق ایسا خیال ہوتا ہے تو نفس پھول جاتا ہے اور پھر اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں مثلاً راستہ میں چلتے وقت دوسروں سے آگے قدم رکھنا۔ مجلس میں صدر مقام یا عزت کی جگہ بیٹھنا دوسروں کو نظر حقارت سے دیکھنا یا اگر کوئی سلام کرنے میں پیش قدمی نہ کرے تو اس پر غصہ ہونا کوئی اگر تعظیم نہ کرے تو ناراض ہونا۔ کوئی نصیحت کرے تو ناک بھوں چڑھانا۔ حق بات معلوم ہونے کے باوجود بھی اس کو نہ ماننا اور عوام الناس کو ایسی نگاہ سے دیکھنا جس طرح گدھوں کو دیکھتے ہیں نعوذ باللہ[۴] منہا چونکہ تکبر

۱؎ حاضرین ۱۲ ۲؎ مسلم صحیح ۱۲ ۳؎ مسلم و احمد ۱۲ ۴؎ ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں ۱۲

بڑی بڑی خباثتوں کا مجموعہ ہے اس لئے جہنم کا پورا ذخیرہ ہے اوّل ۔ کبریائی کہ وہ حق تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص اور اسی کی شان کو زیبا ہے پس انسان ضعیف البنیان جس کو دوسرے کا اختیار تو درکنار اپنے ہی نفس کا اختیار نہیں۔ اس صفتِ الٰہی میں ساجھی ہونے کی کس طرح جرأت کر سکتا ہے اور چونکہ متکبر شخص باوجود اس ذلت و ضعف کے حق تعالیٰ کی مشارکت چاہتا اور اس صفت کمالیہ میں اس کے ساتھ منازعت کرتا ہے اس لئے پرلے درجے کا احمق اور خبیث النفس سمجھا جائے گا۔ دوم۔ تکبر کے سبب حق بات کے انکار کی نوبت آتی ہے جس سے دینی سعادت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور متکبر اللہ کی مخلوق کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگتا ہے اور یہ بات حق تعالیٰ کو بہت ناگوار ہے کان لگا کر سنو۔ ایک بزرگ کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو اپنی طاعت میں چھپا رکھا ہے۔ لہٰذا کسی عبادت کو کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو حقیر نہ سمجھو۔ کیا خبر ہے کہ اس کی رضامندی اس میں چھپی ہوئی ہو اور اسی طرح حق تعالیٰ نے اپنی ناراضی اور غصہ کو معصیت میں چھپا دیا ہے پس کسی معصیت کو کیسی ہی ذرا سی کیوں نہ ہو کبھی معمولی نہ سمجھو کیا خبر ہے شاید اسی میں اس کی ناراضگی و غصہ چھپا ہوا ہو۔ اسی طرح اپنی ولایت و قرب کو اپنے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا کسی بندہ کو کیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو، کبھی حقیر نہ سمجھو کیا خبر ہے کہ شاید یہی بندہ خدا کا ولی ہو۔ جس کا ظہور اس کے انتقال کے وقت دفعۃً ہو جائے سوم۔ تکبر نفس کو کوئی پسندیدہ صفت حاصل کرنے نہیں دیتا۔ تکبر کرنے والا شخص تواضع سے محروم رہتا ہے حسد اور غصہ کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ریاکاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے۔ کسی مسلمان بھائی کی خیرخواہی اس سے ہو نہیں سکتی۔ غرض اپنی عظمت اور بڑائی کے غرہ میں مست اور بہمہ صفت موصوف ہونے کے خیال باطل میں ناصح کی نصیحت سے مستغنی اور نفس امارہ کی اصلاح سے بالکل محروم رہتا ہے اور چونکہ جب تک یہ بدخصلت دفع نہ ہو جائے آئندہ بھی اس کے اصلاح کی توقع نظر نہیں آتی۔

تکبر کا علاج

لہٰذا اس کے علاج میں جلدی کرنی چاہیئے اول تو یہی سوچنا چاہیئے کہ ہماری حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ابتدا تو نجس اور ناپاک منی کا قطرہ ہے اور انتہا مردار لوتھ اور کیڑے مکوڑوں کی غذا۔ اب رہی متوسط حالت کہ جس کا نام زندگی اور حیات دنیا ہے سو اس کی حالت یہ ہے کہ منوں نجاست پیٹ میں بھری ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ کے ارشاد قُتِلَ[له] الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَهٗ کے معنی سمجھو کہ انسان معدوم محض شے تھا اور اس قابل ہی نہ

له مارا جائیو وہ انسان کس قدر ناشکرا ہے ۱۲

Marfat.com

تھا کہ ذکر یا بیان میں آسکے اس کے بعد مٹی بنا اور پھر نطفہ ہوا پھر مضغۂ گوشت بنا نہ کان تھے نہ آنکھ نہ حیات تھی اور نہ طاقت۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے سب کچھ دیدیا مگر اس پر بھی بیسیوں امراض کا ہر وقت نشانہ بنا ہوا ہے کہ بھوک و پیاس کا محتاج جُدا ہے اور ذرا سی تکلیف میں بیکار ہو کر بیٹھ جاتا ہے کسی شے کا علم چاہتا ہے مگر نہیں ہوسکتا نفع حاصل کرنا چاہتا ہے مگر نقصان ہو جاتا ہے کوئی لحظہ موت سے امن نہیں خدا جانے کس وقت بیمار ہو جائے کس وقت عقل چھن جائے کس وقت کوئی عضو بیکار ہو جائے اور کس وقت روح پرواز کر جائے پھر انجام کار موت کا شکار اور اس کے بعد تنگ و تاریک گھاٹیوں کا سامنا ہوتا ہے حساب، کتاب حشر و نشر پیش آتے ہیں جنت، دوزخ میں دائمی زندگی کا فیصلہ اور شاہنشاہی فرمان کا صادر ہونا بھلا تمہیں بتاؤ کہ ایسے گرفتارِ مصیبت اور ذلیل و ناکارہ غلام کو زبردست قدرت والے جبار و قہار شاہنشاہ کی ہمسری کا خیال کیونکر زیبا ہو سکتا ہے جس شخص کی یہ حالت ہو کہ اگر نجاست اس کے ہاتھ کو لگے تو دو دو مرتبہ دھوئے اور پھر اسی نجاست کو ہر وقت پیٹ میں لئے پھرے اس کو تکبر کرنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔

عموماً چار باتوں میں انسان کو تکبر ہوتا ہے۔ علم، تقویٰ، حسب و نسب اور مال و جمال اور چونکہ ہر ایک کا علاج علیحدہ ہے لہٰذا ہم ہر مضمون کو مفصل جُدا جُدا بیان کرتے ہیں۔

اوّل علم۔ علماء تکبر سے بہت کم خالی ہوتے ہیں کیونکہ علم کے برابر کسی چیز کی فضیلت نہیں ہے لہٰذا اس کو حاصل کرکے دو خیال پیدا ہو جاتے ہیں اوّل یہ کہ ہمارے برابر اللہ کے یہاں دوسروں کا رتبہ نہیں ہے دوم۔ یہ کہ لوگوں پر ہماری تعظیم واجب اور ضروری ہے پس اگر لوگ تواضع کے ساتھ نہ پیش آدیں تو ان کو تعجب ہوا کرتا ہے پہلا تکبر دینی تکبر ہے۔ اور دوسرا تکبر دنیوی ہے ایسے عالم کو جاہل کہنا چاہیئے۔ کیونکہ علم کا منشا تو یہ تھا کہ انسان اپنے شریر نفس کی حقیقت اور پروردگار جل جلالہ کی عظمت کو معلوم کرتا اور سمجھتا کہ اعتبار خاتمہ کا ہی اور اس کا حال کسی کو معلوم نہیں پس جو شخص اپنے آپ کو قابل عظمت سمجھے ہوئے ہو تو گویا وہ اپنی اصلیت سے ناواقف اور خاتمہ کے اندیشہ سے بے خوف ہے اور یہ بڑی معصیت ہے کیونکہ جاہل شخص اگر کسی گناہ کے ارتکاب میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے تو کچھ عجب نہیں مگر عالم چونکہ جان بوجھ کر معصیت کر رہا ہے اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتا چنانچہ سب جانتے ہیں کہ قانون دان شخص کا جرم عام لوگوں کے جرم سے بڑھا ہوا ہوتا ہے

Marfat.com

پس تعجب ہے کہ عالم ہو کر جاہل بن گیا اور باوجود اس کے اس جہالت سے بے خبر ہے اسی کا نام جہل مرکب ہے یاد رکھو کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بھی بدتر ہے کیونکہ حقیقی علم انسان کو جتنا بھی زیادہ حاصل ہوگا اسی قدر اس کا خوف اور خشیہ بڑھے گا۔ حق تعالیٰ نے تو اپنے پیارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے متبع مسلمانوں کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی زبانوں پر ہی رہے گا نہ کہ حلق سے نیچے اترے گا اور نہ قلب تک اس کا اثر پہنچے گا لوگوں سے کہیں گے کہ ہم قاری ہیں۔ ہم عالم ہیں۔ ہماری برابر دوسرا نہیں سن لو یہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔" سلف صالحین کے حالات دیکھو۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضہ نماز میں امام بنے اور سلام پھیر کر کہنے لگے کہ صاحبو اپنے لئے کوئی دوسرا امام تلاش کر لو یا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیا کرو میں امامت کے لائق نہیں ہوں کیونکہ اس وقت میرے نفس میں یہ خطرہ آیا کہ چونکہ میری برابر ساری جماعت میں کوئی شخص نہ تھا۔ لہذا مجکو امام تجویز کیا گیا۔" یاد رکھو کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو یہ ضرور نہیں ہے کہ اس کا خاتمہ بخیر ہی ہو جائے اور کیسا ہی جاہل کیوں نہ ہو یہ یقین نہیں ہے کہ اس کا انجام بخیر نہ ہو اور بُری حالت میں مرے جب عالم ہو کر اتنا سمجھتے ہو تو پھر تکبر کس بناء پر کرتے ہو، کیا علم پر عمل کرنا تم پر فرض نہیں ہے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن عالم لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا اس کی آنتیں اس کے گرد اس طرح گھومتی ہوں گی جس طرح چکی کے گرد گدھا گھومتا ہے یا کولھو کا بیل چکر لگاتا ہے لوگ تعجب کے ساتھ پوچھیں گے کہ "آپ یہاں کیسے آئے؟" وہ کہے گا "میں اپنے علم پر عمل نہ کرتا تھا دوسروں کو نصیحت کیا کرتا تھا مگر اپنی خبر نہ لیتا تھا۔ اللھم احفظنا منہ[1] دیکھو حق تعالیٰ نے بلعم باعور[2] کو جو بڑا زبردست عالم تھا اس کتے کی مثل فرمایا ہے جو زبان باہر نکال دے اور علماء یہود کو گدھا فرمایا ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں اور یہ اسی لئے کہ وہ شہوات نفسانی میں گرفتار تھے تکبر کرتے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے دوسروں کو نصیحت کرتے تھے اور خود غافل تھے پس ان واقعات اور احادیث میں خود غور کرو گے تو تکبر جاتا رہے گا اور اگر اس پر بھی نہ جائے تو سمجھو کہ یہ بے فائدہ علوم یعنی منطق و فلسفہ اور مناظرہ وغیرہ کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہنے کا ثمرہ ہے اور یا اپنی خباثت باطنی کا اثر ہے کہ اس کی وجہ سے دوا نفع نہیں دیتی بلکہ

[1] اے اللہ ہم کو اس سے محفوظ رکھ ۱۲ [2] حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ایک عالم ۱۲

Marfat.com

الٹا ضرر بڑھاتی ہے پس ان کے اثر کو کم کرنے کی کوشش کرو۔ دوسرا تکبر کا سبب تقویٰ اور زہد ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عابد بھی اکثر تکبر کرنے لگتا ہے اور بعض کی تو یہاں تک حالت ہو جاتی ہے کہ لوگوں کو ایذا پہونچانے کو اپنی کرامت سمجھنے لگتے ہیں مثلاً اگر کسی شخص سے ان کو ایذا پہونچے تو جھلا کر کہتے ہیں کہ "دیکھتے رہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو کیسی سزا دیتا ہے اس نے ہم پر ظلم تو کیا ہے مگر عنقریب سزا بھی ایسی ملے گی کہ یاد ہی تو رکھے گا" اس کے بعد اگر تقدیر سے وہ شخص بیمار پڑ گیا یا مر گیا تو اپنے دعوے کا ثبوت بھی پیش کرتے اور خوش ہو کر کہتے ہیں کہ "دیکھا اللہ کے فقیر بندوں کو ایذا دینے کا کیسا نتیجہ پایا۔ اس احمق سے کوئی پوچھے کہ کافروں نے انبیا علیہم السلام کو ہزارہا ایذائیں پہونچائیں۔ مگر کسی نے بھی انتقام کا فکر نہیں کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایذا دینے والے کفار مشرف با ایمان ہو گئے اور دنیا و آخرت کی بہبودی سے دامنوں کو بھر لیا۔ اگر حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے دشمنوں سے انتقام لیتے یا ان کا مر جانا چاہتے تو بھلا خدا کی مخلوق کیونکر ہدایت پاتی؟ کیا کوئی عابد، ولی کسی نبی سے بڑھ سکتا ہے؟ استغفر اللہ عابد کو تو ہر شخص کے سامنے تواضع کرنی چاہیئے مثلاً کسی عالم گنہگار کو دیکھے تو اس کے سامنے علم کی وجہ سے جھک جائے اور اس کے گناہ کا خیال نہ کرے کیونکہ علم کی بڑی فضیلت ہے اور جاہل فاسق کو دیکھے تو یوں سمجھے کہ کیا خبر ہے کہ شاید اس کی باطنی حالت مجھ سے بدرجہا بہتر ہو اور اس میں کوئی ایسی محمود صفت ہو جو اس کے ظاہری گناہوں کو چھپا لے اور میرے اندر کوئی ایسی خباثت ہو جس کے باعث میری ظاہری عبادتیں بھی حبط[1] ہو جائیں سو حق تعالیٰ تو قلوب کو دیکھتا ہے صورت کو نہیں دیکھتا اور کسی کے قلب کا حال سوائے علام الغیوب کے دوسرے کو معلوم نہیں پھر تکبر کیسا؟ علاوہ اس کے یہ کہ خود تکبر بھی تو ایک باطنی خباثت ہی ہے پس اپنی حالت کا بدتر ہونا تو خود ظاہر ہو گیا کہ اپنے اندر تکبر موجود ہے اور وہ شخص جو فاسق نظر آ رہا ہے تکبر سے خالی ہے بنی اسرائیل میں ایک فاسق شخص ایک مرتبہ ایک عابد کے پاس اس نیت سے آ بیٹھا کہ حق تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم فرما دے گا اس کو پاس بیٹھا دیکھ کر عابد اپنے دل میں کہنے لگا کہ مجھے اس سے نسبت کیا۔ کہاں یہ اور کہاں میں۔ اس کے بعد اس سے کہا کہ جاؤ دور رہو۔ اسی وقت اس زمانے کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ ان دونوں سے

---

[1] ساقط ۱۲

Marfat.com

کہدو کہ از سرِ نو عمل کریں کہ پہلا کیا کرایا بُرا تھا یا بھلا دونوں کا حبط کر دیا گیا کہ فاسق کے گناہ محو ہوگئے اور عابد کی نیکیاں مٹ گئیں اب آئندہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ اسی طرح ایک گستاخ شخص ایک عابد کی گردن پر سجدہ کی حالت میں آسوار ہوا عابد نے غصہ ہو کر کہا۔ دفع ہو اللہ تیری کبھی مغفرت نہ کرے گا۔ اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ "بلکہ اے متکبر تیری مغفرت کبھی نہ ہوگی۔ کیا میری مغفرت تیرے ہاتھ میں ہے کہ قسم کھا کر بخیلی کے ساتھ ہمارے ایک بندے کو اس سے ناامید بناتا ہے"۔ حضرت عطا سلمیؓ باوجود نہایت درجہ متقی اور عابد وزاہد ہونے کے جب کبھی تیز ہوا چلتی اور بادل گرجتا تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ مجھ بدنصیب کی وجہ سے لوگوں پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔ پس اگر عطاء مر جائے تو ان مصیبتوں سے لوگوں کو خلاصی مل جائے"۔ دیکھو اس اخلاص اور کثرتِ عبادت پر ان کو کس قدر تواضع اور خدا کا خوف تھا۔ اس زمانہ میں تو یہ حالت ہے کہ دو چار ظاہری اعمال پر نازاں ہوتے اور حق تعالیٰ پر احسان جتاتے اور اس کی حکومت و سلطنت جبروتی کی باگ اپنے ہاتھ میں لینی چاہتے ہیں کہ کسی کو ماریں کسی کو جلائیں حالانکہ ان عبادتوں میں ریا و سمعہ[1] کا احتمال جدا ہے اور انجام و خاتمہ کا خطرہ الگ۔

تیسرا سبب۔ نسب ہے کہ اپنے آپ کو شریف اور عالی خاندان سمجھ کر تکبر کرتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے نسب میں غور کرو کہ وہ کیا چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص کا نسب اس کے باپ کا ناپاک نطفہ اور ذلیل مٹی ہی تو ہے کہ ہر شخص اسی سے پیدا ہوا ہے پس دوسروں کے خصائل اور غیروں یعنی باپ دادا کی خوبیوں پر ناز کرنا کیسی غلطی کی بات ہے اگر آباؤ اجداد کو گویا ئی مرحمت ہو تو یقیناً وہ یہی کہیں کہ صاحبزادہ دوسروں کے محاسن پر فخر کرنے والا تو کون؟ تو تو ان کے پیشاب کا کیڑا ہے جنہوں نے قابل فخر کام کئے تھے پس پیشاب کے کیڑے اور ناپاک نطفہ کو تو اپنی اصلیت دیکھنی چاہیئے نہ کہ آباؤ اجداد کے قابل تعریف اور بہادرانہ کام کہ میرے باپ ایسے بہادر تھے اور دادا ایسے سخی تھے پھر اگر دنیا داروں کے نسب پر تکبر اور فخر کیا جائے تب تو حماقت کا کچھ ٹھکانہ ہی نہیں کیا خبر ہے کہ وہ نسب والے کہاں گئے؟ ممکن ہے کہ جہنم کا کوئلہ بن گئے ہوں اور آرزو کرتے ہوں کہ کاش! کتے اور سؤر پیدا ہوتے تاکہ اس مصیبت سے نجات ملتی پس ان کی حالت تو ایسی اندیشناک

نسب پر تکبر کرنے کا علاج

[1] دکھاوا اور سنانا ۱۲

اور ان کے صاحبزادے دنیا میں اُن کی اولاد ہونے پر ناز کریں اور اگر دینداروں کے نسب پر فخر و ناز نہ ہو کہ ہم ایسے شیخ اور ولی کی اولاد ہیں تو اس تکبر میں دوسری حماقت ہے کیونکہ ان کو جو کچھ عزت و شرف حاصل ہوا تھا وہ ان کی دینداری اور تواضع کی بدولت ہوا تھا سو جب وہ اپنی دینداری پر خود ہی متکبر نہ تھے تو ان کی اولاد کیں عزت و شرافت پر تکبر کرتی اور اُن کی ناخلف اولاد قرار پاتی ہے دیندار آباد و اجداد کا یہ حال تھا کہ وہ بعض وقت انجام و خاتمہ کے خوف سے لرز اُٹھتے اور تمنائیں کیا کرتے تھے کہ کاش گھاس ہوتے کہ کوئی جانور چر لیتا۔ کاش پرند ہوتے کہ کوئی شکاری جانور یا انسان کھا لیتا بھلا جن کو علم و عمل دونوں حاصل تھے وہ تو تکبر سے کوسوں بھاگتے تھے اور تم باوجودیکہ دونوں صفتوں سے بے بہرہ ہو محض ان کی اولاد ہو کر نسب پر فخر کرتے اور متکبر بنے جاتے ہو۔ چوتھا سبب۔ مال و جمال ہے کہ آدمی اپنے مالدار یا حسین ہونے پر فخر کرتا ہے سو ان چیزوں پر بھی تکبر کرنا حماقت ہے بھلا مال جیسی ناپائدار چیز کہ ڈاکہ پڑ جائے یا کوئی نقصان ہو جائے تو سب جاتا رہے اور اسی طرح جمال جیسی عارضی چیز کہ ہیضہ بخار آئے تو سارا حسن و جمال خاک میں مل جائے اور چیچک نکل آئے تو صورت کا روپ ہی بدل جاتا ہے فخر کے قابل کس طرح ہو سکتے ہیں حسین صورت اگر اپنی اندرونی نجاستوں میں غور کرے تو اپنے ظاہری جمال پر کبھی فخر نہ کرے۔ یاد رکھو کہ جس حسن و جمال کو بناوٹ اور آرائش کی ضرورت ہے وہ ہرگز فخر کے قابل نہیں ہے اگر ہر ہفتہ غسل نہ کیا جائے تو دیکھو بدن کے رنگ اور بو کا کیا حال ہوتا ہے میل کچیل، سنک، تھوک، بول براز جیسی نجاستوں سے سارا بدن بھرا ہوا ہے پھر بھلا نجاست کے ڈھیر اور غلاظت کی کوٹھڑی کو کیا زیبا ہے کہ اپنے آپ کو صاحب جمال سمجھے اور اس پر نازاں اور متکبر ہو۔

نویں اصل خود پسندی کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ " اپنے نفس کو پاک و صاف اور اچھا نہ سمجھا کرو۔ یہ کافروں کی شان ہے کہ اپنے اعمال اور اپنے آپ کو اچھا سمجھیں حدیث میں آتا ہے کہ خود پسندی تباہ کر دیتی ہے کیونکہ آدمی جب اپنے آپ کو نیکوکار سمجھنے لگتا ہے تو مطمئن ہو جاتا اور عنایت اُخروی سے محروم ہو جاتا ہے حضرت بشر ابن منصورؒ نے ایک مرتبہ نماز پڑھی اور دیر تک پڑھی اتفاق سے ایک شخص ان کو دیکھ رہا تھا کیونکہ خود بینی کے احتمال کا موقع تھا اس لئے نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ میاں میری اس حالت سے دھوکہ نہ کھانا۔ شیطان نے چار

ہزار برس اللہ کی عبادت کی مگر انجام اس کا جو ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔" غرض مسلمان کی شان نہیں ہے کہ اپنی عبادت کو عبادت اور طاعت کو طاعت سمجھے کیونکہ اول تو قبولیت کا علم نہیں جس سے معلوم ہو کہ عبادت واقع میں عبادت ہوئی یا یوں ہی بیکار گئی دوم یہ کہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا کوئی حال جانتا نہیں کہ کس حال پر ہونا ہے خود پسندی بھی تکبر کی ایک شاخ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تکبر میں دوسرے لوگوں سے اپنے نفس کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور خود پسندی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے نفس کو اپنے خیال میں کامل سمجھ لینا اور حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنا حق خیال کرنا یعنی ان کو اللہ کا فضل و کرم نہ سمجھنا اور ان کے زوال سے بے خوف ہو جانا خود پسندی اور عجب کہلاتا ہے اور اگر یہاں تک نوبت پہنچ جائے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے آپ کو ذی مرتبہ اور با وقعت سمجھنے لگے تو یہ

ناز کی حقیقت

ناز کہلاتا ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی دعا کے قبول نہ ہونے سے تعجب اور اپنے موذی دشمن کو سزا و عذاب نہ ملنے سے حیرت ہوتی ہے کہ ہم جیسوں کی دعا قبول نہ ہو اور ہمارے دشمن پامال نہ ہوں۔" یاد رکھو کہ اپنی عبادت پر نازاں ہونا اور اپنے آپ کو مقبول خدا اور کسی قابل سمجھنا بڑی حماقت ہے۔ البتہ اگر اللہ کی نعمت پر خوش ہو اور اس کے چھن جانے کا بھی خوف دل میں رکھو اور اتنا ہی سمجھو کہ یہ نعمت حق تعالیٰ نے فلاں علم یا عمل کے سبب مجھکو مرحمت فرما دی ہے اور وہ مالک و مختار ہے جس وقت چاہے اس کو مجھ سے لے لے تو خود پسندی نہیں ہے کیونکہ خود پسند شخص نعمت کا منعم حقیقی کی جانب منسوب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور جملہ نعمتوں کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔

غیر اختیاری خوبیوں پر ناز کرنے کا علاج

خود پسندی بڑی جہالت ہے لہٰذا اس کا علاج کرنا چاہیئے۔ پس اگر غیر اختیاری خوبیوں مثلاً قوت و زور یا حسن و جمال پر عجب ہو تب یوں سوچو کہ ان چیزوں کے حاصل ہونے میں میرا دخل ہی کیا ہے کہ ناز کروں۔ حق تعالیٰ کا محض فضل و احسان ہے کہ اس نے بلا استحقاق یہ خوبیاں مجھ کو عطا فرما دیں علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ یہ سب خوبیاں معرض زوال میں ہیں کہ ذرا سی بیماری و ضعف لاحق ہوا تو سب جاتی رہیں گی پس دوسرے کے ناپائدار عطیہ پر عجب کیسا اور اگر علم و عمل یا زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت یعنی اختیاری افعال پر ناز ہو تو اس میں غور کرو کہ یہ کمالات اور محاسن کیونکر حاصل ہوئے اگر حق تعالیٰ ذہن رسا اور طاقت ہمت دماغ و بینائی ہاتھ پاؤں قصد و ارادہ مرحمت نہ فرماتا تو کوئی کمال کیوں کر حاصل ہوتا۔

Marfat.com

اُسی کا حکم تھا کہ کوئی مانع پیش نہیں آیا۔ ورنہ میں مجبور تھا کہ خود کچھ بھی نہ کر سکتا تھا یہ ضرور مسلم ہے کہ انسان کو اختیار و ارادہ دیا گیا ہے جس سے وہ اچھے بُرے کام کرتا ہے مگر اختیار و ارادہ کی عطا بھی تو اسی خدا کی ہے اور پھر تمام اسباب کا مہیا کر دینا اور کامیابی دینا غرض ابتدا سے لے کر انتہا تک سب کچھ خدا ہی کے اختیار میں ہے پس ایسی حالت میں ناز کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اگر خزانہ کی کنجی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اور وہ خزانہ کھول کر تمہارے سپرد کر دے اور تم اس میں سے جواہرات اپنی خواہش کے مطابق اپنی گود میں بھر لو اور پھر ناز کرنے لگو کہ میں نے اتنا روپیہ حاصل کیا تو ظاہر بات ہے کہ احمق سمجھے جاؤ گے کیونکہ اگرچہ جواہرات کے سمیٹنے والے تم تھے۔ مگر خزانہ تو شاہی تھا اور کنجی تو بادشاہ ہی کے ہاتھ میں تھی اسی نے تم پر اپنا احسان کیا اسی نے کنجی عطا فرمائی اور اسی کی اجازت سے تم خزانہ کی کوٹھری میں داخل ہوئے پھر اتنی بے اختیاری پر تم کو اپنے فعل پر ناز اور خود پسندی کیونکر درست ہو سکتی ہے

فصل تعجب تو اس پر آتا ہے کہ عاقل و سمجھدار اور پڑھے لکھے ہوشیار لوگ اس موقع پر جاہل بنجاتے اور اپنی عقل و علم پر ناز کرنے لگتے ہیں اگر کسی جاہل یا بے وقوف کو تونگر پاتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہم تو عالم و عاقل ہو کر مال سے محروم رہیں اور یہ جاہل و نادان ہو کر مالدار و متمول بن جائے بھلا کوئی پوچھے علم و عقل تم کو نصیب ہوئی اور جاہل اس نعمت سے محروم رہا۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا ایک نعمت کو دوسری نعمت کا سبب سمجھ کر اس پر اپنا استحقاق جتاتے ہو۔ اگر علم اور مال دونوں چیزیں تم ہی کو دیدی جاتیں اور جاہل فقیر دونوں سے محروم رہتا تو یہ بات درحقیقت زیادہ تعجب کی تھی کہ مخلوق میں ایک کو تو سب کچھ مل جاتا اور دوسرے کو کچھ بھی نہ ملتا۔ بھلا کوئی بادشاہ تم کو گھوڑا مرحمت فرما دے اور دوسرے شخص کو غلام دیدے تو کیا یوں کہنے کی تم کو ہمت ہے کہ واہ صاحب اس کو غلام کیوں دیا گیا اس کے پاس گھوڑا تو ہے ہی نہیں اور میں چونکہ گھوڑا رکھتا ہوں لہذا غلام بھی مجھی کو ملنا چاہیئے تھا ایسا خیال کرنا بڑی بے وقوفی اور جہالت کی بات ہے عقلمندی کی بات یہ ہے کہ نعمائے خداوندی پر شکر ادا کرو اور سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ابتدائے ملا اتفاق تجھ پر کرم فرمایا اور عقل و علم جیسی نعمت بخشی جس کے مقابلہ پر مال کی کوئی حقیقت ہی نہیں اور پھر شکرگذاری و عبادت کی توفیق مرحمت فرمائی اور دوسرے کو اس سے محروم رکھا حالانکہ یہ محرومی

بھی کسی جرمِ سابق کی سزا یا قصور کا بدلہ نہیں ہے پس جب ایسا خیال کرو گے تو خوفِ الٰہی پیدا ہوگا اور سمجھو گے کہ جس نے بلا استحقاق انعام فرمایا ہے وہ اگر بلا قصور اس نعمت کو چھین بھی لے تو کوئی چون وچرا نہیں کر سکتا اور کیا خبر ہے کہ یہ نعمت مکر اور استدراج ہو اور وبالِ جان اور عذاب کا سبب بنجائے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوگئے اور پھولے نہ سمائے تو یکایک ان کو پکڑ لیا" جب یہ خیالات ذہن نشین ہوں گے تو خشیۃ اور خوف تم سے کسی وقت بھی دور نہ ہوگا اور کسی نعمت پر نازاں اور خوش نہ ہوگے پس عجب ہے آسانی نجات ملجائے گی

دسویں اصل ریا کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ" افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں جو کہ دکھاوا کرتے ہیں" ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرے اور ریا و نمود سے اپنے اعمال اور طاعتوں کو بچائے کیونکہ ریا شرک اصغر ہے حدیث[1] میں آیا ہے کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا سزا اور انعامات فرمائے گا تو ریاکاروں کو حکم دے گا کہ انھیں کے پاس جاؤ جن کے دکھانے کے لئے نمازیں پڑھتے اور عبادتیں کیا کرتے تھے اپنی عبادتوں کا ثواب اور طاعت کا صلہ بھی انھیں سے لو دیکھیں کیا دیتے ہیں دوسری طویل حدیث[2] میں آیا ہے کہ قیامت کے دن احکم الحاکمین کی شاہنشاہی عدالت میں غازی اور عالم اور سخی کی پیشی ہوگی اور تینوں اپنے جہاد فی سبیل اللہ تعلیم و تعلم اور مشغلۂ علم دین اور اپنی خیرات و صدقات کا اظہار کرینگے حکم ہوگا کہ" یہ سب اعمال تم نے چونکہ محض دکھاوے اور نام کے لئے اسی غرض سے کئے تھے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص غازی ہے فلاں شخص بڑا عالم ہے فلاں شخص بڑا سخی ہے سو یہ باتیں حاصل ہولیں کہ دنیا میں تم کو شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں نے تم کو غازی اور عالم اور سخی کہہ کر پکارا پھر جس مقصود کے لئے اعمال کئے تھے جب وہ حاصل ہوچکا تو اب کیا استحقاق رہا اور یہاں کیا چاہتے ہو لہٰذا جاؤ جہنم میں" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ جس عمل میں ذرہ برابر بھی ریا ہوگا اس کو حق تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا" جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بگوشِ ہوش سنو اور عبرت پکڑو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے سر اور داڑھی اور ہونٹوں کو تیل سے چکنا کر لیا کرے

یہ بھی دو صورت پر ہوگی یعنی شہرت دنیا میں اور دوزخ

[1] قریب ۱۲ [2] احمد و بیہقی راوی ثقہ ہیں ۱۲ [3] مضمون مسلم ۱۲ [4] یہ حدیث نہیں بلکہ یوسف بن اسباط کا قول ہے ۱۲ شرح احیاء العلوم

تاکہ لوگ اس کو روزہ دار نہ سمجھیں اور خیرات کیا کرے تو اس طرح کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو اور نماز پڑھے تو پردہ ڈال کیا کرے تاکہ کوئی دیکھے نہیں"۔ اسی لئے حضرت فاروق اعظم نے ایک شخص کو جو اپنا سر جھکائے بیٹھا تھا تنبیہ کے طور پر یوں فرمایا تھا کہ میاں گردن اوپر اُٹھا و خشوع قلب سے ہوا کرتا ہے نہ کہ گردن سے۔ ریا کی اصلیت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی عبادت اور عمل خیر کے ذریعہ سے وقعت اور منزلت کا خواہاں ہو اور یہ عبادت کے مقصود کے بالکل خلاف ہے کیونکہ عبادت سے مقصود حق تعالےٰ کی رضامندی ہے اور اب چونکہ اس مقصود میں دوسرا شریک ہو گیا کہ رضائے خلق و حصول منزلت مقصود ہے لہذا اس کا نام شرک اصغر ہے یاد رکھو ریا چھ طرح سے ہوا کرتا ہے اول بدن کے ذریعہ سے مثلاً شکستگی ضعف اور غنودگی اور پلکوں کا جھپکانا ظاہر کیا جاوے تاکہ روزہ دار اور شب بیدار خیال کریں یا مثلاً غمگیں صورت بنائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ان کو آخرت کی بڑی فکر ہے یا مثلاً پراگندہ بال رہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ دین میں اس قدر مشغول ہیں کہ بال سنوارنے کی بھی فرصت نہیں اور نہ خط بنوانے کا موقع ملتا ہے یا مثلاً آواز پست اور آہستہ نکالے تاکہ لوگ سمجھیں کہ ریاضت و مجاہدہ کرتے کرتے اتنا ضعف ہو گیا ہے کہ آواز تک نہیں نکلتی۔ دوم۔ ہیئت کے ذریعہ سے مثلاً رفتار میں نرمی اور ضعف ظاہر کرنا یا سر جھکانا۔ مونچھوں کا منڈوا ڈالنا۔ سجدہ کے نشان کا باقی رکھنا۔ آنکھ کا کھینچنا اور ایسی صورت بنانا جس سے لوگ سمجھیں کہ حالت وجد میں ہیں یا مکاشفہ میں مشغول ہیں اور یا فکر کے اندر مستغرق اور محو ہیں۔ سوم۔ شکل و شباہت و لباس میں۔ مثلاً صوف اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننا۔ پنڈلی تک پائجامہ چڑھانا۔ کپڑوں کا بوسیدہ و میلا کچیلا رہنا۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ صوفی صاحب ہیں حالانکہ تصوف سے اتنے کورے ہیں کہ اس کی حقیقت و ماہیت بھی نہیں جانتے یا جوغہ یا ڈھیلے آستینوں کا جبہ پہننا۔ تاکہ لوگ عالم سمجھیں یا عمامہ پر رومال باندھے رکھنا اور جرابیں پہنے رہنا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس درجہ متقی ہیں کہ راستے کے غبار تک سے پرہیز کرتے ہیں کہ خدا جانے کس کی ملکیت ہوگی پھر اس میں بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں بعض تو وہ ہوتے ہیں جو دینداروں اور دنیاداروں کے دلوں میں قدر و منزلت کے طالب ہوتے ہیں اور ہمیشہ کم قیمت کے میلے کچیلے پرانے کپڑے پہنے اور اس حالت میں رہتے ہیں کہ اگر کوئی نیا کپڑا جس کا پہننا شرعاً مباح ہو اور سلف نے بھی ایسا لباس پہنا اور استعمال کیا ہو ان کو دیا جاوے کہ اس کو

Marfat.com

امرا میں نمود و عزت کی طلب

پہن لیجئے تو ان کو ایسا ناگوار گذرتا ہے جیسے کسی نے ذبح کر دیا اور وجہ اس کی یہی ہے کہ اس سے ان کا مطلب فوت ہوا جاتا ہے کیونکہ لوگ صاف ستھرا کپڑا پہنے دیکھیں گے تو ان کی وہ قدر نہ کریں گے جو میلے کپڑوں میں کرتے تھے بلکہ یوں کہیں گے کہ اب صوفی صاحب کے زہد میں کمی آگئی اور تصوف کا رنگ بدل چلا اور بعض لوگ امیروں اور تاجروں میں وقعت پیدا کرنے کے خواہش مند ہوتے اور سوچتے ہیں کہ اگر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تب تو امرا کی نظروں میں وقعت نہ ہوگی بلکہ ان کو ہمارے پاس بیٹھنے سے بھی نفرت ہوگی اور اگر لباس فاخرہ پہنا تو لوگ زاہد و صوفی نہ سمجھیں گے۔ لہذا ایک نئی صورت اختیار کرتے ہیں کہ بیش قیمت باریک کپڑوں کو گیروا یا آسمانی رنگ کا رنگوا لیتے ہیں اگر ان کی قیمت دیکھئے تو شاہانہ لباس کے برابر ہے اور رنگ و روپ ملاحظہ کیجئے تو درویشانہ اور صوفیانہ ہے اس طرح پیدا اپنا مطلب حاصل کرتے اور ریا کار بنتے ہیں چنانچہ اگر ان کو پھٹے کپڑے پہننے کو دیئے جاویں اور کہا جاوے کہ ان کو پہن لیجئے تو سخت ناگوار گذرتا ہے کیونکہ ایسے کپڑوں کا پہننا امیروں کی نظروں سے گر جانے کا سبب ہے اور اگر پشمینہ یا بانات یا کوئی دوسرا بیش قیمت کپڑا جو شرعاً مباح اور جائز ہو انھیں پہنا دیجئے تو وہ بھی موت سے زیادہ ہے کیونکہ اس کو پہن کر لوگوں میں زاہد و صوفی نہ سمجھے جائیں گے اور گویا درویشوں کی جماعت سے خارج ہو جاویں گے اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کا لباس ریاکاری کا لباس ہے۔ اللہ پناہ میں رکھے۔ چہارم۔ گفتگو اور زبان سے ریا کیا جاوے جیسا کہ تم نے بعض دنیا دار واعظوں کو دیکھا ہوگا کہ زبانیں موڑ موڑ کر مقفٰی اور مسجع عبارتیں بنا بنا کر سلف صالحین کی نقل اتارتے اور محض دکھاوے کی غرض سے کبھی آواز کا لہجہ پتلا بناتے ہیں اور کبھی غمگین کہ دل میں تو اثر خاک بھی نہیں مگر بناوٹ اور تصنع یوں بتا رہا ہے کہ بڑے عالم اور صوفی ہیں کہ بالکل سلف کا نمونہ ہیں، اسی طرح مثلاً حفظِ حدیث اور مشائخ و علمائے زمانہ سے ملاقات کا دعویٰ اور اظہار کرنا کہ فلاں بزرگ کی ہم نے زیارت کی اور فلاں شیخ سے ملے یا مثلاً کسی حدیث کے متعلق صحیح ضعیف ہونے کا جلدی سے حکم لگا دینا تاکہ لوگ محقق اور محدث سمجھیں یا بدکاری و معصیت کے تذکرے پر زبان سے آہ اور ہائے افسوس کے کلمے نکالنا یا خلافِ شرع باتوں سے نفرت ظاہر کرنا اور کڑھنا۔ حالانکہ ان کے دل میں رنج یا نفرت کا اثر نام کو بھی نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ محض اس غرض سے ہوتا ہے کہ لوگ ان کو پارسا اور اللہ والا متبع شریعت سمجھیں۔ پنجم۔ عمل

Marfat.com

میں ریا مثلاً قیام زیادہ کرنا رکوع و سجدہ میں دیر تک رہنا۔ سر جھکانا۔ کسی طرف توجہ نہ کرنا۔
پلکوں کو جھکائے رکھنا وغیرہ تاکہ لوگ ان کو عابد و زاہد اور باعفت و پارسا سمجھیں حالانکہ
اللہ خوب جانتا ہے کہ ان کے دل ان خوبیوں سے بالکل کورے اور خالی ہیں اور اس کی شناخت
یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تو تھوڑا سا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر کسی کو معلوم کرلیں کہ وہ ان کی
نماز کو دیکھ رہا ہے تو فوراً سکینت[1] و وقار کے ساتھ نماز کو ٹھیرا ٹھیرا کر پڑھنے لگتے ہیں تاکہ دیکھنے
والا سمجھے کہ ان کی نماز خشوع[2] و خضوع سے بھری ہوئی ہے تم ہی بتاؤ کہ یہ ریا نہیں تو اور
کیا ہے۔ ششم۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی کثرت کا اور مشائخ کا بکثرت تذکرہ کرنا تاکہ
لوگ سمجھیں کہ ان کی بڑے بڑے مشائخ سے ملاقات ہوئی ہے اور بعض لوگ اس کے خواہاں
ہوتے اور تدبیر کرتے ہیں کہ کسی طرح سلاطین و امراء و علماء و صلحاء ان کی زیارت کرنے کو
آنے لگیں تاکہ اس کی شہرت ہو جائے کہ فلاں شخص ایسے بزرگ ہیں کہ ان کی خدمت میں
ایسے ایسے بڑے لوگ حاضر ہوتے اور بادشاہ عالم سب ہی ان کی آستانہ بوسی کو اپنی عزت
سمجھتے ہیں یاد رکھو یہ سب دین میں ریاکاری ہے اور ریا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اللہ
تعالیٰ محفوظ رکھے۔ فصل ریا کے حرام ہونے کی دو وجہ ہیں اول تو اس میں لوگوں کو دھوکہ
دے کر اپنا معتقد بنانا لازم آرہا ہے اور دھوکہ دینا حرام ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص
کسی کو اسی طرح روپیہ دے کہ دیکھنے والے یوں سمجھیں کہ اس کو ہبہ کر رہا ہے حالانکہ وہ
ہبہ نہیں کرتا بلکہ اس کو قرض دیتا ہے تو چونکہ اس میں بھی دھوکہ لازم آرہا ہے اس لئے یہ
بھی معصیت ہے چہ جائیکہ بناوٹ اور تصنع کی صورت بنا کر لوگوں کے خیالات میں اس بات کو
ڈالنا کہ یہ نیکو کار اور قابل تعظیم ہیں اور اس طرح پر لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا سو اس کے
دھوکہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے پھر ایسے مکار شخص کو فاسق کیوں نہ کہا جائے
دوم۔ ریاکاری حق تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ
کے حضور میں خادم بن کر کھڑا ہو اور اس کھڑے ہونے سے اس کی غرض اپنے آپ کو شاہی نوکر
اور ذلیل و محتاج غلام ظاہر کرنے کی نہ ہو بلکہ بادشاہ کے غلاموں میں سے کسی غلام یا کسی
کنیز کو گھورنا مقصود ہو تو ظاہر ہے کہ وہ بادشاہ ہی دربار کا گستاخ اور بادشاہ کا ورثہ داری
کا مجرم قرار پائے گا اسی طرح   عبادت میں جب حق تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہ ہو بلکہ

[1] آہستگی ۱۲ [2] عاجزی و انکساری ۱۲ [3] چرکھنا چونا ۱۲

Marfat.com

بلکہ اس کے بندوں کی رضا مطلوب ہوئی کہ وہ اسکو نیکو کار سمجھیں اور اس کے معتقد ہوں تو گویا
بندوں کو خدا کی بہ نسبت اپنے نفع اور نقصان پر زیادہ قادر سمجھا اور دل میں بندوں کی
یہاں تک عظمت بٹھالی کہ عبادت بھی ان ہی کے نذر گذاردی۔ یہی وجہ ہے کہ ریا کو شرک
اصغر کہا گیا ہے پھر اس غرض اور نیت میں جتنا زیادہ فساد ہوگا۔ اسی قدر گناہ بھی زیادہ
ہوگا کیونکہ بعض ریاکاروں کا مقصود تو صرف یہی ہوتا ہے کہ لوگ ہماری عزت کیا
کریں اور ہمیں مقتدا سمجھیں اور بعض کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم کو لوگ دیندار سمجھکر ہمارے
پاس امانتیں رکھیں ہم کو اپنی اوقاف کا متولی بنائیں یا یتیموں کے مال ہماری سپردگی
میں دیں پس ان کو اپنے قبضہ میں لاکر اڑانے کھانے کا موقع ملے ظاہر ہے کہ اس کا
گناہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے اور بعض کا یہ منشا ہوتا ہے کہ ہم کو نیک بخت
سمجھ کر عورتیں اور لڑکے ہمارے پاس آنے لگیں اور اس ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنے یعنی
زنا و لواطت کرنے کا بخوبی موقع ملے یا ان ضعیف دل عورتوں بچوں سے مال ہمارے
ہاتھ آئے اور اس کو فسق و فجور اور لہو و لعب میں خرچ کرسکیں ظاہر بات ہے کہ اس کا
گناہ پہلی دو صورتوں سے زیادہ ہے کیونکہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو معصیت
کا آلہ اور جبار و قہار پروردگار کی مخالفت کا وسیلہ بنالیا ہے (العیاذ باللہ)

ریا کی کیفیت میں کمی بیشی پر گناہ کی زیادتی

فصل

اسی طرح جن عبادتوں میں ریا ہوتا ہے وہ بھی مختلف درجہ کی ہیں کہ ان میں بعض کا
گناہ بعض سے بڑھا ہوا ہے اول۔ اصل ایمان میں ریا جیسے منافق کہ اس کے دل
میں ایمان تو نام کو بھی نہیں مگر اس نے اپنی صورت مسلمانوں کی سی بنا رکھی ہے تاکہ لوگ کافر سمجھ کر
اس کے جان و مال کو حلال نہ سمجھ لیں یا مثلاً ملحد و مرتد جس کا ایمان جاتا رہا مگر وہ کسی
منسلحت یا لحاظ سے اپنے آپ کو مسلمان ہی ظاہر کر رہا ہے اس ریا کا گناہ بہت سخت ہے
چنانچہ کلام مجید میں مذکور ہے کہ منافق جہنم کے سب نیچے کے طبقہ میں جائیں گے دوسرا
درجہ اصل عبادتوں میں ریا کرنے کا ہے مثلاً لوگوں کے سامنے نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا اور اگر
تنہا ہوں کہ کوئی شخص پاس نہ ہو تو نہ نماز ہے نہ زکوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عبادت
محض لوگوں کے دکھانے کو تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ تو دلوں کے حالات سے واقف ہے خوب
جانتا ہے کہ عبادت کس نیت سے ہو رہی ہے لہذا اس کا درجہ اگرچہ پہلے درجہ سے کم ہے۔ مگر
تاہم سخت اور شرک اصغر ہے تیسرا درجہ جو سب میں ادنیٰ ہے یہ ہے کہ فرائض عبادتوں

عبادت کے فرق سے ریا کی کمی و بیشی

Marfat.com

میں تو یہ ریا نہ ہو مگر مستحب اور نوافل عبادتیں لوگوں کے دکھانے کو کی جائیں مثلاً اگر لوگ موجود ہوں تو نفلیں زیادہ پڑھے اور فرضوں کو بھی سنبھال سنبھال کر ادا کرے جب عرفہ[1] اور عاشورہ کا دن آئے تو اُس کا روزہ بھی ضرور رکھے۔ اگر زکوٰۃ کا وقت ہو تو لوگوں کی موجودگی میں اس مد کے اندر عمدہ اور نفیس مال نکالے اور اگر سفر وغیرہ کی حالت یا خلوت علیحدگی کا وقت ہو تو نہ نماز ٹھیک ادا ہو نہ وہ نفل نمازیں قائم رہیں اور نہ نوافل روزے رکھے جائیں فرض نماز بھی پڑھے تو کوّے کی سی ٹھونگیں گویا از برباد ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ تو ضرور دیتا ہے مگر سر کے اوپر سے محض بوجھ اتارنے کے لئے ردّی مال میں سے دیتا ہے پس اس کا گناہ ایمان اور فرائض میں ریا کرنے کے گناہ سے کم ہے مگر یہ بھی حرام اور دین کی بربادی کے لئے کافی ہے یہ بھی یاد رکھو ریا کے قصد میں تفاوت کی وجہ سے کبھی گناہ کے اندر کمی بیشی ہو جاتی ہے مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ عبادت سے مقصود محض دکھاوا ہو کہ عبادت کا قصد ہی نہ ہو مثلاً بلا وضو لوگوں کے دکھانے کو نماز پڑھنا یا لوگوں کے دکھاوے کو روزہ رکھنا کہ خلوت میں گئے اور افطار لیا پس اس کا گناہ تو نہایت ہی سخت ہے اور ایک صورت یہ ہے کہ عبادت بھی مقصود ہو اور اس کے ساتھ ہی اس میں ریا کی بھی آمیزش ہو سو اس کے تین درجے ہیں پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مقصود محض عبادت ہے جس کی شناخت یہ ہے کہ اگر تنہا ہوتا تب بھی نماز پڑھتا جیسے لوگوں کی موجودگی میں پڑھ رہا ہے مگر چونکہ دوسروں نے نماز پڑھتے ہوئے اس کو دیکھا ہے اس لئے طبیعت اس کی خوش ہو گئی اور نماز کا پڑھنا اس کو گراں معلوم نہ ہو پس اگر اتنی ہی بات ہے تب تو اُمید ہے کہ حق تعالیٰ اس عبادت کو قبول فرمالے اور اس پر ثواب بھی مرحمت فرما دے باقی یہ دوسری بات ہے کہ اس ریا کی سزا بھی دے یا اس کی وجہ سے عبادت کے اجر و ثواب میں کمی فرما دے دوسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت کا قصد مغلوب اور دکھاوے کا خیال غالب یعنی یہ حالت ہو کہ جتنی عبادت لوگوں کی موجودگی میں کرتا ہے تنہائی اور خلوت کی حالت میں اتنی عبادت ہرگز نہیں ہو سکتی پس یہ عبادت جس کی ریاکاری کی یہ حالت ہو کسی طرح بھی قبول ہونے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس میں عبادت کا بھی اگرچہ ذرا سا قصد اور ارادہ شامل ہے مگر وہ اتنا مغلوب ہے کہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے لہٰذا اس کو صریح ریاکاری سمجھا جاویگا اور ایسی عبادت پر سخت عذاب

---

[1] ۹ ذی الحجہ۔ عاشورہ ۱۰ محرم ۱۲

کا اندیشہ ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت اور ریا دونوں مساوی اور برابر درجہ میں ہوں مثلاً عبادت کی جسقدر طاعتِ خدا مقصود ہو اسی قدر لوگوں کو دکہلانا بھی مقصود ہو۔ یہ ایسی حالت ہے جس میں نفع اور نقصان چونکہ برابر ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس پر نہ عذاب ہو اور نہ ثواب ملے۔ مگر چونکہ حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ جملہ شرکا میں سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز میری ذات ہے لہٰذا کچھ عجب نہیں کہ اس صورت میں بھی نقصان کو نفع پر ترجیح دے کر عبادت کو باطل کہا جاوے پس غیب کی خبر تو خدا کو ہے کہ ایسے شخص سے کیا معاملہ ہوگا۔ مگر بظاہر بہرحال یہ حالت گناہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی (فصل) ریا کبھی تو جلی وظاہر ہوتا ہے مثلاً یہ حالت کہ تنہائی میں ایسی عبادت نہیں ہوتی جیسی لوگوں کے سامنے ہوتی ہے اور کبھی خفی اور پوشیدہ ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص تہجد پڑھتا تو ہمیشہ ہے مگر جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کے سامنے تہجد کے لئے اس کی نشاط اور مسرت زیادہ ہوجاتی ہے پس یہ بھی ریا تو ہے مگر پہلے کی بہ نسبت اس میں خفا[1] ہے اور اس سے زیادہ مخفی[2] ریا یہ ہے کہ کسی کے موجود ہونے سے نشاط میں بھی زیادتی نہ ہو مگر اثنائے[3] عبادت میں یا عبادت سے فارغ ہونے کے بعد اگر کوئی شخص اس عبادت پر مطلع ہوجائے تو اس کے دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی پیدا ہوجاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دل کے اندر ریا اس طرح چھپا ہوا ہے جیسے راکھ کے اندر آگ چھپی ہوتی ہے کہ دوسروں کے مطلع ہونے پر اسی سے تو سرور پیدا ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ خفی[4] ریا یہ ہے کہ اطلاع سے کچھ خوشی نہ ہو۔ لیکن اس کا آرزو مند رہے کہ کاش لوگ میری تعریف کریں سلام اور مصافحہ میں ابتدا اور معاملات میں میری رعایت کریں اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ کچھ برائی کر بیٹھتا ہے تو اس کو تعجب ہوتا ہے یاد رکھو کہ یہ بھی ریا ہے کیونکہ ان خیالات اور آرزوؤں سے معلوم ہوا کہ لوگوں پر اپنی طاعت وعبادات کا احسان رکھنا چاہتا ہے اور اگرچہ لوگوں سے اس نے اپنے ریا کو چھپا رکھا ہے مگر اس کا اتنا اثر ضرور ظاہر ہے کہ توقیر اور احترام کی خواہش ہے اس قسم کے ریا بھی جن سے صدیقین ہی خالی ہوتے ہیں گناہ میں داخل ہیں اور اعمال کے حبط[5] ہوجانے کا اندیشہ ضرور ہے البتہ یہ اگر اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہوجانے سے

ریا کی جلی اور خفی اور اخفیٰ

---

[1] پوشیدگی ۱۲ [2] پوشیدہ کیا ہوا ۱۲ [3] درمیانِ عبادت ۱۲ [4] پوشیدہ ۱۲
[5] ساقط ۱۲ :

Marfat.com

خوشی اس بناء پر ہوئی ہو کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے عمل نیک اور فعل جمیل[1] ہی کا اظہار فرمایا اور ہماری کسی معصیت یا فعل قبیح پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا محض اپنے فضل سے شان ستاری کا ظہور فرمایا۔ اگرچہ میں تو طاعت ہو یا معصیت دونوں میں سے کسی کا اظہار بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر خیر الحمد اللہ لوگ مطلع ہوئے تو فعل خیر ہی پر ہوئے۔ فعل شنیع پر نہ ہوئے یا مثلاً اس وجہ سے خوشی ہو کہ اس عبادت پر لوگوں کے مطلع ہونے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ حق تعالیٰ قیامت [illegible] دن [illegible] سے اچھا ہی معاملہ فرمائے گا۔ کیونکہ دنیا میں ستاری فرمانا علامت ہے کہ آخرت میں بھی رسوائی سے بچائے گا" یا اس وجہ سے خوشی ہو کہ اس اطلاع کے سبب دوسروں کو بھی ہمت ہوگی اور میرا یہ فعل دوسروں کی عبادت کا سبب بن جائے گا" تو اس قسم کی خوشی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ دوسرے شخص کی عبادت پر بھی کوئی مطلع ہو جائے تو اس اطلاع سے بھی اس کو اتنی ہی خوشی ہوتی ہو جتنی اپنی عبادت پر دوسروں کے مطلع ہونے سے ہوتی ہے کیونکہ کسی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کا اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنا اپنی عبادت ہو یا دوسرے کی دونوں صورت میں حاصل ہے۔ پس اگر مطلع ہونے والے کی اس عبادت میں رغبت و ہمت کرنے کا خیال اسی خوشی کا سبب ہوا ہو گا تو اپنا نفس اور غیر دونوں اس خوشی میں ضرور مساوی ہوں گے چونکہ ریاکار کا مادہ نظر سے پوشیدہ ہوتا اور لوگوں کے دلوں پر چپکے چپکے حملہ کر کے بڑا اثر ڈالا کرتا ہے لہذا متقدمین نے اس میں بہت ہی کچھ احتیاط ملحوظ رکھی اور اپنی عبادتوں کو لوگوں کی نظروں سے بے حد مخفی رکھا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "قیامت کے دن فقراء سے خطاب ہوگا کہ کیوں صاحبو! کیا ہم نے تمہارے لئے ارزانی نہیں رکھی تھی۔ کیا تم کو لوگ سلام میں ابتداء نہیں کرتے تھے؟ کیا تمہاری ضرورتیں دوسروں کی بہ نسبت جلد رفع نہیں ہوتی تھیں پس چونکہ تم اپنے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں لے چکے ہو لہذا یہاں تمہارے لئے کچھ نہیں رہا" پس اے مسلمانو! اگر اپنی خلاصی چاہتے ہو تو لوگوں کو چوپاؤں[2] اور بچوں کی طرح لاعقل سمجھو کہ ان کا وجود [illegible]

---

[1] عمدہ کام ۱۲ [2] بڑا عمدہ اس میں سوءِ ادب قسم کی تحقیق ہے اس سے میرے نزدیک سب کو فرشتے سمجھے کیونکہ فرشتوں سے انسان ریا نہیں کرتا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے کوئی کام نہیں پڑتا اس لئے ان سے طالب توقیر و تعظیم نہیں ہوتا ۱۲ مولانا تھانوی مدظلہ

Marfat.com

گمنامی کا دینی فائدہ

نہ ہونا دونوں برابر ہوں اُن کا جاننا اور نہ جاننا ان کی واقفیت اور نا واقفیت غرض کوئی بات بھی قابلِ اعتبار نہ رہے پس چونکہ خدا ہی کا جاننا کافی ہے۔ لہذا اپنی عبادت اسی کو دکھلاؤ کیونکہ وہی اجر دیسکتا ہے اور وہی عبادت کا قدردان ہے باقی اس کے سوا تو دنیا اور دین میں کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی کو کچھ بھی دے سکے۔ اگر ایسا کروگے تو اپنی عبادتوں سے ضرور نفع پاؤ گے ورنہ سخت ضرورت کے دن یعنی میدان حشر میں خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔

ریا کی تین قسموں میں پہلی قسم یعنی شروع عبادت میں ریا

فصل شاید تمہارا یہ خیال ہو کہ اس قسم کے خفی ریا سے تو بچنا محال ہے البتہ جلی ریا سے آدمی بچ سکتا ہے۔ پھر نہ معلوم کونسی عبادت صحیح ہے اور کونسی فاسد۔ لہذا ہم اس کی بھی تشریح کئے دیتے ہیں عبادت میں ریا تین قسم کا ہوتا ہے یا تو اول ہی سے ہو۔ مثلاً نماز کا پڑھنا۔ اول ہی سے لے کر آخر تک سارا محض لوگوں کے دکھلانے اور نمازی کہلانے کا ہو یہ صورت تو نماز کے لئے مفسد ہے کہ ایسی نماز ہی صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں عبادت کی نیت ہی نہ ہوئی اور بلا نیت کے کوئی عمل معتبر نہیں ہے اور اگر کوئی شخص نماز، خلوت ہو یا جلوت دونوں صورتوں میں پڑھتا ہے مگر اول وقت میں پڑھنا ریا کی نیت سے ہوتا ہے تو اس صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرض ادا ہو جائے گا۔ البتہ اول وقت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی اس لئے کہ اس میں ریا موجود ہے اب رہی یہ بات کہ ریا کا قصد عبادت میں شامل ہوا سو اس کا گناہ جدا ہوگا۔

اثنائے عبادت میں ریا

دوسری صورت یہ ہے کہ اثنائے عبادت اور تکمیل طاعت میں ریا ہو۔ مثلاً نماز پڑھنے میں کوئی بھولی ہوئی چیز یاد آگئی یا کوئی تماشہ ہونے لگا تو دل ملچا یا کہ نماز توڑ کر ادھر متوجہ ہوتے پس اگر ایسی حالت ہے کہ تنہائی کا موقع ہوتا اور کسی کا لحاظ مانع نہ ہوتا تو ضرور نماز کو توڑ دیتا مگر چونکہ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اس لئے ان کی شرم اور اس خیال سے کہ دیکھنے والے یوں کہیں گے کہ "دیکھو فضول مشغلہ کے لئے میاں نے اپنی نماز توڑ دی"۔ نماز کو نہ توڑے اور بادل ناخواستہ پڑھے جائے تو اس نماز کو بھی باطل کہیں گے۔ کیونکہ عبادت میں اول سے لے کر آخر تک نیت کا قائم رہنا ضروری ہے اور جب درمیان میں ریا کی وجہ سے نیت عبادت جاتی رہی تو نماز بھی جاتی رہی یا مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف دیکھتا ہوا پاکر اس خیال سے کہ میری عبادت پر یہ لوگ مطلع ہو گئے ہیں اس کی طبیعت کو اس قدر خوشی ہوئی کہ عبادت کی اصل نیت بالکل مغلوب ہو گئی اور نماز کا کوئی رکن ایسی حالت میں ادا ہوا جس میں

Marfat.com

لوگوں کی آگاہی کے سرور کو زیادہ دخل تھا تو غالب ہے کہ یہ نماز بھی صحیح نہیں ہوئی کیونکہ اس میں اگرچہ نیت منقطع نہیں ہوئی۔ مگر تاہم ایسی مغلوب ہوگئی ہے کہ اس کا عدم اور وجود برابر ہے پس اس نماز کو بھی باطل کہا جائے گا ہاں اگر ایسی معمولی خوشی ہو کہ وہ نیت پر غالب نہ آئے اور عبادت کا محرک اور اصل باعث رضائے حق اور حکم خداوندی ہی رہے تو یہ نماز تو صحیح ہی ہو جائے گی مگر قصد ریا کا گناہ ضرور ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عبادت سے فارغ ہو جانے کے بعد ریا ہو مثلاً لوگوں کے اس عبادت پر آگاہ ہو جانے سے اس کو مسرت ہو یا لوگوں سے خود ہی اس کا اظہار فخر کے انداز پر کرتا پھرے تو اس کو عبادت کے صحت اور فساد سے کوئی علاقہ نہیں اس لئے کہ جس وقت ریا ہوا ہے اس وقت عبادت ختم ہو چکی تھی۔ البتہ اس مسرت اور اظہار کا گناہ ہوگا اور پھر یہ عبادت کا اظہار صراحتاً یا کنایتاً یا تعریضاً جس طرح اور جس حیثیت سے ہوگا اس سے ریا جلی یا خفی ہونے کا اندازہ خود ہی ہو سکے گا کہ صراحتاً اظہار ہے تو ریا بھی جلی ہے اور اظہار اشارۃً ہے تو ریا خفی ہے

فصل ریا بڑا مہلک مرض ہے اس کا علاج پوری مستعدی کے ساتھ ہونا چاہیئے یاد رکھو کہ ریا کا سبب اکثر یا تو حبِ مدح اور اپنی تعریف کی خواہش ہے یا مال دنیا کی حرص وطمع اور یا مذمت کا خوف واندیشہ۔ مثلاً کوئی شخص میدانِ جنگ میں اس غرض سے بہادری دکھائے کہ لوگ اس کو شجاع کہیں یا اس نیت سے عبادت کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار و پرہیزگار کہیں تو یہ حبِ مدح ہے اور اس کا علاج وہی ہے جو حبِ مدح کے علاج میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ شہرت اور دنیا کی نیک نامی محض فرضی اور وہمی ناقابلِ اعتبار کمال ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن تعریف کرنے والے اور ان کی تعریفیں اور قصیدے اور سپاس نامے نہیں رہ جائیں گے اور کسی سے کچھ بھی نفع حاصل نہ ہوگا۔ حقیقی کمال وہ ہے جو مرنے کے بعد بھی ساتھ رہے یعنی معرفتِ الٰہی کہ اس کو کبھی فنا ہی نہیں اس کے علاوہ ریا میں خصوصیت کے ساتھ یہ خیال کرنا بھی اس مرض کے لئے مفید ہے کہ یہی بہادری اور یہی عبادت جو آج مجھ کو لوگوں کی زبان سے شجاع اور عابد کہلا رہی ہے کل کو قیامت کے دن حشر کے میدان میں ساری مخلوق کے سامنے مجھ کو رسوا اور ذلیل کرائے گی کہ میرا نام فاجر

Marfat.com

مکار اور ریاکار پکارا جائے گا اس پر طرہ یہ کہ میرا کیا کرایا سب بے کار ہو جائے گا اور وہ اعمال جن کو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ جمع کیا تھا ضبط ہو جائیں گے پس لوگوں کی خوشنودی اور دنیا کی اس ناپائدار مدح کے معاوضہ میں حق تعالیٰ کا غصہ اور محشر کی رسوائی و ذلت خریدنا کس قدر عقل کے خلاف ہے علاوہ ازیں یہاں دنیا میں جن کی رضا مندی چاہتے ہو اگر حق تعالیٰ چاہے تو ہم سے اُن کو بھی ناراض کر دے اور مدح کے بدلے وہی لوگ ہماری الٹی مذمتیں کرنے لگیں کیونکہ قلوب اور زبانیں تو سب اُس کے قبضہ میں ہیں پس چند روزہ موہوم و محتمل تعریف کو حق تعالیٰ کی رضامندی پر جو کہ اصل سعادت ہے کیوں کر ترجیح ہو سکتی ہے اسی طرح اگر مذمت کا خوف ریا کا باعث ہو تو یہ بات ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ میں عند اللہ پسندیدہ ہوں تب تو لوگوں کی مذمت مجھکو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتی پھر ڈروں تو کیوں ڈروں بخصوصاً جبکہ یہ بات یقینی ہے کہ مخلوق کی

سبب دوم لوگوں کی مذمت کا علاج

اس مذمت کے موہوم اندیشہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کو ناراض رکھنا دنیا میں بھی ذلیل اور رسوا کر دیتا ہے بھلا اگر یہ باطنی ریا لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مجھے لوگوں کی مذمت سے ڈر معلوم ہوتا ہے اور اسی لئے میں نیکو کاروں کی سی صورت بناتا اور پرہیزگار بنا پھرتا ہوں تو پھر اس خوف سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا اور جس بات کا اندیشہ ہے وہ سامنے آجائے گی کہ مکاری کھلنے کی وجہ سے مذمتیں ہونے لگیں گی اور اگر اخلاص کے ساتھ حق تعالےٰ کو راضی رکھنے کے لئے طاعت کروں گا تو جن لوگوں کی مذمت کا مجھے خوف ہے وہ بھی میرے دوست بن جائیں گے اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو جائے گی ریا کا تیسرا سبب حرص اور طمع ہے پس اگر یہ وجہ ہو تو خیال کرنا چاہیئے کہ جس چیز کی طمع ہے اس کا حاصل ہو جانا ایک موہوم بات ہے اور اس ریا کی بدولت حق تعالیٰ کی رضامندی کا ہاتھ سے جاتا رہنا یقینی ہے پھر بھلا کسی نفع کی موہوم اُمید پر خدا کے غصہ کو سر پر لینا کون پسند کرتا ہے؟ چونکہ حق تعالیٰ مقلب القلوب[۱] ہے اس لئے یاد رکھو کہ ریاکاری سے جس دنیوی

سبب سوم حرص و طمع کا علاج

مطلب کے لئے عبادت کر رہے ہو وہ بھی حاصل نہ ہو سکے گی بلکہ مخلوق کے سامنے طمع کرنے میں ذلت اور رسوائی جُدا اٹھاؤ گے ان کے احسان مند الگ ہو گے کہ ہمیشہ گردن نیچی رہے گی اور اگر بے طمع ہو جاؤ گے تو حق تعالےٰ تمہاری تمام ضرورتوں کا کفیل ہو جائے گا اور

---

[۱] دلوں کے پلٹ دینے والے ۱۲

Marfat.com

مخلوق خود بخود تمہاری مطیع بن جائے گی اور پھر اخلاص کی بدولت جو کچھ دائمی لذیذ نعمتیں تم کو آخرت میں ملیں گی وہ اس کے علاوہ ہوں گی غرض ان یقینی اور سچی باتوں کو ذہن نشین کر لو گے تو ریا کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور حق تعالیٰ اخلاص کی توفیق بخش دیگا۔

فصل۔ اس کے بعد غالباً تمہیں یہ فکر ہو گا کہ ریا سے نفرت تو بے شک پیدا ہو گئی مگر بعض عبادتوں میں مخلوق کے مطلع ہونے پر یکایک جو ریا پیدا ہو جاتا ہے اُس کا علاج معلوم نہیں ہوا لہٰذا اس کی تدبیر بھی بتاتا ہوں وہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلوت میں بیٹھ کر تنہائی کی حالت میں عبادت کیا کرو اور اپنی عبادت کو ایسا چھپایا کرو کہ جیسا اپنے عیوب اور معصیتوں کو چھپایا کرتے ہو۔ دیکھو حضرت ابو حفص حدادؒ کی مجلس میں کسی شخص نے ایک مرتبہ دنیا اور دنیا داروں کی مذمت بیان کی تو شیخ نے جواب دیا کہ ہمارے حلقہ میں آج سے مت بیٹھا کرو۔ کیونکہ تم اس کے اہل نہیں ہو۔ اس لئے کہ جو کام تمہیں چھپانا چاہیئے تھا اس کو تم نے مجمع میں ظاہر کر دیا۔" یاد رکھو کہ عبادت کا اخفا شروع شروع ذرا دشوار معلوم ہو گا۔ مگر چند روز ایسا کر دگے تو اس کی عادت پڑ جائے گی بلکہ خلوت کی عبادت و مناجات میں لذت آنے لگے گی با ایں ہمہ اس کا لحاظ رکھو کہ جس وقت بھی اپنی عبادت پر لوگوں کی اطلاع سے دل میں مسرت پیدا ہو تو فوراً پہلی باتوں کو یاد کرو اور سوچو کہ کمزور مخلوق کا میری عبادت پر مطلع ہو جانا میرے لئے ذرہ برابر بھی نافع نہیں ہے لہٰذا اس بے نفع بات پر میرا خوش ہونا فضول اور حق تعالےٰ کے غصہ کا نشانہ بن جانا بڑی خطرناک حالت ہے پس جس وقت یہ خیال کرو گے تو وہ مسرت کراہت سے بدل جائے گی اور جب کراہت کا پلہ بھاری ہو گا تو عبادت اسی اخلاص کی طرف لوٹ جائے گی جو کہ مقصود ہے اور چونکہ اس سے زیادہ مضمون کے تم مکلف بھی نہیں ہو اس لئے اگر اس پر بھی قلب میں مسرت کا اثر باقی رہے تو یہ طبعی بات ہے جس کا فکر و خیال کرنا فضول ہے کیونکہ یہ اختیاری نہیں ہے اور جو بات اختیاری نہیں ہوتی اس پر مؤاخذہ بھی نہیں ہوا کرتا الغرض تمہارا کام صرف اس قدر ہے کہ اپنی عبادت کو بالقصد ظاہر اور لوگوں میں شائع اور مشہور کرتے نہ پھرو اور اگر بطور خود لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے اور اس پر تمہیں مسرت لاحق ہو تو اس کے مٹانے کی کوشش کرو اور جس طرح ممکن ہو اُس کو کراہت سے بدلو تاکہ اس مسرت کا کسی عمل پر کوئی اثر نہ پیدا ہو۔ اس کے بعد جو کچھ حالت رہے اب اس کا دور

Marfat.com

دور کرنا چونکہ تمہاری قدرت سے باہر ہے لہٰذا اس کا مطلق فکر نہ کرو۔ **فصل** اس نیت سے عبادت کے ظاہر کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہو کہ لوگوں کو رغبت ہوگی اور وہ بھی میری طرح حق تعالیٰ کی عبادت کرنے لگیں گے مگر ہاں نیت کا صاف اور خالص ہونا ضرور ہے اگر نفس امارہ اس حیلہ سے تمہارا آشکار کرنا چاہے یا اس سے کسی چھپی ہوئی خواہش کے بڑھنے کا اندیشہ ہو تو ہرگز اس کی جرأت نہ کرنا۔ بلکہ عبادت کو مخفی ہی رکھنے کے پابند بنے رہنا۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ عبادت کے اظہار کے وقت تمہارے دل کی خواہش یہ قائم رہے کہ اگر دوسرے لوگ اس بوجھ کو اٹھالیں اور کسی دوسرے ہی کی عبادت دیکھ کر لوگوں کو رغبت پیدا ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔ لہٰذا دل کو ٹٹول لیا کرو کہ اس میں کیا خواہش ہے کیوں کہ اگر یہ خواہش ہوئی کہ میری ہی عبادت دوسرے لوگوں کی رغبت کا ذریعہ بنے اور میں مقتدا ہوں اور مخلوق میری مقتدی[1] ہو بس یہی ریا اور طلب شہرت و حبِ جاہ ہے کیونکہ اس صورت میں ظاہر ہے کہ اخلاص جاتا رہا۔ اسی بنا پر اپنے گناہوں کا چھپانا اور ظاہر نہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس نیت سے ہو کہ لوگ فاسق نہ کہیں۔

اظہار عبادت بعض جگہ مفید ہے

گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش اور آشکارا ہونے پر رنجیدہ ہونے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے عام ہے کہ حق تعالیٰ کے حکم کی موافقت کے باعث ہو کہ وہ معصیت کے چھپانے کو پسند اور اظہار کو ناپسند فرماتا ہے یا اپنے اوپر سے ایذا رفع کرنے کے سبب سے ہو کہ معصیت کے فاش ہونے پر لوگوں کو میری مذمت اور برائیاں کرنے کا موقع ملے گا اور اس سے میرے دل پر صدمہ ہوگا اور یہ صدمہ اختیاری نہیں ہے بلکہ طبیعت کا اقتضا ہے اور یا حق تعالیٰ کی شان ستاری ہونے پر خوش ہونے کی وجہ سے ہو بہرحال کسی نیت سے بھی کیوں نہ ہو گناہوں کے مخفی رہنے پر خوش ہونا حرام نہیں ہے البتہ عبادت پر اس نیت سے خوش ہونا کہ لوگ تعریف کریں گے اور متقی و عابد سمجھیں گے بیشک حرام ہے کیونکہ یہ خوش ہونا گویا عبادت کی اجرت لینا اور مخلوق کی مدح کو اپنی طاعت کا معاوضہ بنانا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ اس مضمون کو دوسرے طریقہ سے یوں سمجھو کہ معصیت کے ظاہر ہونے میں عموماً حیا اور شرم آتی ہے اور حیا چونکہ ریا نہیں ہے اس لئے اس غرض سے معصیت کو چھپانا اور اس پر خوش ہونا بھی حرام نہیں ہے برخلاف عبادت کے کہ اس کے ظاہر ہونے پر خوش ہونے کی وجہ بجز اس کے

گناہ کے مخفی رہنے پر خوشی گناہ نہیں ہے

---

[1] پیروی کرنے والی اور جس کی پیروی کی جائے وہ مقتدا ۱۲

Marfat.com

عبادت کا معاوضہ موہوم اور دنیائے دنی کا فائدہ قرار دیا ہے اور کوئی معقول وجہ نہیں ہے لہذا حرام ہے۔ ہاں ریا کے خوف سے طاعت اور عبادت کا چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں ہے بلکہ عبادت کو کرتے رہو اور اس میں ریا پیدا ہو تو اس کے دور کرنے کی کوشش رکھو۔ البتہ ایسے کام جن کو مخلوق سے تعلق ہو مثلاً نماز میں امام بننا یا مقدمات میں قاضی و پنچ قرار پانا یا فتوٰی یا وعظ گوئی۔ اگر ان امور میں ریا کا غالب اندیشہ ہو کہ نفس ضرور شرارت کرے گا اور نیت میں اخلاص بالکل قائم نہ رہے گا تو بے شک ان کاموں سے بھاگنا چاہئے کیونکہ سلف کا یہی طرز تھا اور ضرور اسی میں بہتری ہے اب رہے نماز روزہ اور صدقات وغیرہ کے اعمال سو ریا کے اندیشہ سے ان کو ترک کرنا جائز نہیں ہے البتہ اگر بالکل ہی اخلاص نہ ہو اور اول سے آخر تک رضائے حق تعالےٰ اور عبادت خداوندی کی قطعی نیت نہ ہو محض ہی جیسی محتاج مخلوق کے دکھانے کو یہ کام کئے جائیں تو اس وقت ان کا کرنا بھی حرام اور چھوڑ دینا اولیٰ ہے اور اگر کسی نیک کام کے تم عادی ہو یا بند ہو اور اتفاق سے لوگ جمع ہو جاویں تو اس وقت ریا کے احتمال کی وجہ سے اپنے معمول کو ترک مت کرو بلکہ عادت کے موافق اپنا کام کرو اور ریا کو جہاں تک ہو سکے دفع کرو کہ پاس نہ آنے پائے۔

خاتمہ

حسن خلق[1] اور اس میں نفس کے دھوکے کا بیان

اخلاق مذمومہ کہ جن سے نفس کا تزکیہ کرنا ضروری ہے یوں تو بہت ہیں مگر اصول بھی دس ہیں جن کو بالتفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں اور ان میں باہم ایسا تعلق ہے کہ ایک کے ساتھ دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا لگا ہوا ہے اس لئے جب تک سب ہی سے نجات نہ ملے گی اس وقت تک نفس قابو میں نہ آئے گا اور ایک کی اصلاح کرنا اور دوسرے سے بے پروا رہنا کچھ مفید نہ ہوگا کیونکہ جو شخص دس بیماریوں میں گرفتار ہو وہ تندرست اسی وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ اس کی دسوں بیماریاں جاتی رہیں جس طرح کوئی خوبصورت آدمی حسین اسی وقت کہلا سکتا ہے جب کہ ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ کان غرض سارے اعضا مناسب اور خوبصورت ہوں اسی طرح انسان کو حسن خلق اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اس کی تمام باطنی حالتیں قابل تعریف اور پسندیدہ ہوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

[1] عادت۔ اخلاق جمع ۱۲ منہ اصل عربی کتاب میں یہ حدیث نہیں ۱۲ ؛

Marfat.com

مسلمان وہی ہے جس کا خلق کامل ہو اور مومنین[۱] میں افضل وہی ہے جس کا خلق سب سے بہتر ہو پس اسی اصول کا نام دین ہے اور اسی کی تکمیل کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تھے۔ حسن خُلق کی تحقیق اور تحدید اور ثمرات و نتائج میں محققین کے اقوال مختلف ہیں مگر ہم اختصار کے طور پر اس کی تحقیق کرتے ہیں۔

خَلق و خُلق کی تعریف (۱)

جاننا چاہیے کہ خَلق اور خُلق یعنی خ کے زبر اور پیش کے ساتھ جُدا جُدا دو لفظ ہیں خَلق کی مراد صورت ظاہری ہے اور خُلق سے مُراد صورت باطنی۔ کیونکہ انسان جس طرح جسم سے ترکیب دیا گیا ہے اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضاء اس کو مرحمت ہوئے ہیں جن کو قوتِ بصارت یعنی چہرہ کی آنکھیں ادراک کر سکتی ہیں اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے اور اس کا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھیں کرتی ہیں یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ان دونوں ترکیبوں میں حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو جُدا جُدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے کہ کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی صورت اور سیرت بُری بھونڈی ہے۔ ظاہری شکل و ہیئت کو صورت کہتے ہیں اور باطنی شکل و ہیئت کو سیرت کہتے ہیں۔ مگر سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کو حق تعالےٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے چنانچہ ونفخت[۲] فیہا من روحی آیۃ کریمہ میں روح کو اپنا کہکر ذکر فرمایا اور قل[۳] الروح من امر ربی میں اس کا اظہار فرمایا کہ روح امر ربانی ہے اور جسم کی طرح سفلی اور خاکی نہیں ہے کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی اور انی[۴] خالق بشرا من طین ارشاد فرمایا۔ ارشاد ہوا ہے اس مقام پر روح اور نفس سے ہماری مراد ایک ہی شے ہے یعنی وہ شے جو حق تعالےٰ کے الہام و القاء سے اپنی اپنی استعداد کے موافق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے۔ بہر حال ثابت ہوا کہ زیادہ قابل لحاظ امر ربانی یعنی سیرتِ انسانی ہی ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل و ہیئت میں حسن موجود نہ ہوگا اس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جا سکتا اور چونکہ اس صورت

سیرت کے چار اعضاء (۲)

کے اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں کی طرح سیرت کو بھی حق تعالیٰ نے باطنی اعضاء مرحمت فرمائے ہیں جن کا نام قوتِ علم، قوتِ غضب، قوتِ شہوت اور قوتِ عدل ہے۔ لہذا جب تک یہ

---

[۱] طبرانی صحیح ۱۲ [۲] اور آدم کے پتلے میں پھونک دیا میں نے اپنی روح کو ۱۲ [۳] اے محمد کہدو کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے ۱۲ [۴] بیشک میں نے پیدا کیا آدم کو مٹی سے ۱۲ منہ

Marfat.com

چاروں اعضا سڈول اور مناسب حدِ اعتدال پر نہ ہوں گے اس وقت تک سیرت کو حسین[1] کہا جائے گا ان باطنی اعضا میں جو بھی کمی بیشی اور افراط[2] و تفریط ہوگی اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کی ظاہری شکل و صورت جسمیہ میں افراط و تفریط ہو کہ پاؤں مثلاً گز بھر ہوں اور ہاتھ تین گز کے یا ایک ہاتھ مثلاً آدھ گز کا ہو اور دوسرا ہاتھ گز بھر کا اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوبصورت نہیں کہا جائے گا۔ بس اسی طرح اگر کسی کی قوتِ غضبیہ مثلاً حدِ اعتدال سے کم ہے اور قوتِ شہوانیہ مناسب اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے تو اس کو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے اب ہم چاروں اعضائے مذکورہ کا اعتدال و تناسب اور حسن بیان کرتے ہیں **اوّل**۔ قوت علم۔ اس کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے اقوال کے اندر سچ اور جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں تفریق کر سکے اور اعمال میں حُسن اور قبیح یعنی اچھا اور بُرا پہچان سکے۔ پس جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی تو اس وقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا جس کو حق تعالیٰ بایں الفاظ ارشاد فرماتا ہے کہ "جس کو حکمت نصیب ہوئی اس کو خیر کثیر عطا ہوئی"۔ اور درحقیقت تمام فضیلتوں کی جڑ اور اصل یہی ہے **دوسرا** قوت غضب و قوتِ شہوت۔ ان کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں حکمت اور شریعت کے اشارے پر چلنے لگیں اور مہذب و مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرمانبردار رہیں کہ جس طرف بھی ان کو شریعت چلائے بلا عذر و بے تامل اسی جانب لپکیں اور شکار پر حملہ کریں اور جس وقت وہ اُن کو روکنا چاہے تو فوراً ٹھہر جائیں اور چپ ہو کر اپنی جگہ بیٹھ جائیں **چہارم** قوتِ عدل۔ اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوتِ غضبیہ اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے اور ان کو دین اور عقل کے اشارہ کا ماتحت بنائے رکھے گویا عقل تو حاکم ہے اور یہ قوت عدل ان کی پیشکار ہے کہ جدھر حاکم کا اشارہ پاتی ہے فوراً اسی جانب جھک جاتی ہے اور اسی کے موافق احکام جاری کر دیتی ہے اور قوتِ غضبیہ اور شہوانیہ گویا شکاری مرد کے مہذب کتے اور فرمانبردار گھوڑے کی طرح ہیں کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ[3] و اجرا ہوتا ہے پس جس وقت یہ حالت قابل اطمینان اور لائق تعریف ہو جائے گی اس وقت انسان حسن[4] الخلق اور خوب سیرت کہلائے گا اور ان کی بدولت انسان کے تمام اخلاق و عادات درست ہو جائیں گے **قوتِ غضبیہ** کے اعتدال کا نام شجاعت ہے

قوتِ علمیہ کا حسن

قوتِ غضبیہ و شہوانیہ کا حسن

قوتِ عدل کا حسن

---

[1] خوبصورت [2] کمی بیشی [3] جاری ہونا ۱۲ [4] اچھی عادت ہونا ۱۲

Marfat.com

اور یہی عند اللہ پسندیدہ ہے کیونکہ اگر اس میں زیادتی ہوگی تو اس کا نام تہور[1] ہے اور اگر کمی ہوگی تو بزدلی کہلائے گی اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں حالتیں ناپسندیدہ ہیں حالتِ اعتدال یعنی شجاعت سے لطف و کرم دلیری و جودت، بردباری و استقلال نرمی و ملاطفت[2] اور غصہ کے ضبط کا مادہ اور ہر کام میں دور اندیشی و وقار پیدا ہوتا ہے اور اگر اس میں زیادتی ہوتی ہو تو ناعاقبت اندیشی، ڈینگ مارنا، شیخی بگھارنا، غصہ سے بھڑک اٹھنا، تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہے اور اگر اس میں کمی ہوتی ہے تو بزدلی و ذلت بے غیرتی و کم حمیتی، خساست[3] اور وہ حرکات ظاہر ہوتی ہیں جو چھچھورا پن کہلاتی ہیں اور **شہوت** کی حالت اعتدال کا نام پارسائی ہے پس اگر شہوت اپنی حدِ اعتدال سے بڑھ جائے گی تو حرص و ہوا کہلائیگی۔ حالت معتدلہ یعنی پارسائی اللہ پاک کو پسند ہے اور اس سے جو خصائل پیدا ہوتے ہیں وہ سخاوت، حیا، صبر، قناعت اتقا کہلاتے ہیں طمع کم ہو جاتی ہے خوف و خشیۃ اور دوسروں کی مدد کرنے کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور حدِ اعتدال سے بڑھنے اور گھٹنے سے حرص و لالچ، خوشامد و چاپلوسی امراء کے سامنے تذلل[4] اور فقراء کو بنظر حقارت دیکھنا۔ بے حیائی، فضول خرچی، ریا، تنگدلی، نامردانگی اور حسد وغیرہ خصائل بد پیدا ہوتے ہیں اور **قوتِ عقل** میں اگر اعتدال ہوتا ہے تو انسان مدبر و منتظم اور ذکی و سمجھدار ہوتا ہے کہ اس کی رائے صائب ہوتی اور ہر مضمون میں اس کی طبیعت چلتی اور جودت کہلاتی ہے اور اگر حدِ اعتدال سے بڑھ جائے تو دھوکہ بازی، فریب دہی اور مکاری کہلاتی ہے اور اگر عقل کی قوت میں کسی قسم کا نقصان اور ضعف ہوگا تو کند ذہنی وحماقت اور بے وقوفی کہلائے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ ایسا آدمی جلد دوسرے کے دھوکہ میں آجائے گا۔ غرض جس وقت یہ ساری قوتیں حدِ اعتدال پر ہوں گی تو اس وقت انسان کو حسن الخلق یعنی خوب سیرت کہا جائے گا کیونکہ اعتدال سے گھٹنا اور بڑھنا دونوں حالتیں حسن سے خارج ہیں خیر الامور اوسطہا[5] حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ اپنے ہاتھ گردن سے باندھ لو کہ بخل کرو اور نہ بالکل کھول دو کہ اسراف کرنے لگو" نیز فرماتا ہے کہ" ہمارے بندوں کی یہ شان ہے کہ وہ نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ اس کے بین بین[6] حالت پر رہتے ہیں **فصل** ان بداخلاقیوں کی اصلاح چونکہ ریاضت اور مجاہدہ سے ہو سکتی ہے لہذا اگر کسی میں کوئی خلق بُرا موجود ہو تو اس کو چاہیئے کہ نفس پر جبر

قوت غضبیہ کے اعتدال اور کمی و زیادتی کے نتائج

قوت شہوانیہ کے اعتدال اور افراط و تفریط کے اثرات

قوت عقلیہ کے اعتدال و افراط و تفریط کے اثرات

[1] بے باکی سے تباہ کرنا ۱۲ [2] نرم برتاؤ ۱۲ [3] کمینہ پن ۱۲ [4] ذلیل ہونا ۱۲ [5] سارے کاموں میں بہتر ان کے متوسط درجے ہوا کرتے ہیں ۱۲ [6] بیچ بیچ ۱۲

Marfat.com

کرے مثلاً اگر بخل کی عادت ہو تو جبراً و قہراً اس کو ترک کرے اور نفس کو ناراض کر کر کے خرچ کرنے کی عادت ڈالے اور اگر فضول خرچی کا خوگر ہو تو نفس کو فراخی سخاوت سے روکے اور خرچ کرنا بند کرے تاکہ کم خرچی کی عادت ہو جائے پھر جب عادت اصلاح پر آجائے گی تو وہی بین بین حالت پیدا ہو جائے گی جو حق تعالیٰ کو پسند ہے مگر یہ نہ سمجھنا کہ جبراً و قہراً خرچ کرنے سے سخی یا بہ تکلف عاجزی کرنے سے متواضع کہلاؤ گے نہیں ہرگز نہیں سخاوت اور تواضع تو طبعی حالت کا نام ہے جو بلا تکلف اور بے تصنع مال کو موقع پر خرچ کرلے اور دوسروں کے سامنے انکساری کا مضمون خود بخود ظاہر کرلے نہ کہ بہ تکلف۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انشاء اللہ اس جبر و قہر اور تکلف کے ساتھ خرچ کرنا اور لوگوں کے سامنے جھکنا اصل سخاوت اور سخی تواضع کا وسیلہ بن جاوے گا کیونکہ بہ تکلف ایک کام کو کرتے کرتے اس کی عادت ہو جایا کرتی ہے اور جب عادت ہو جائے گی تو خصلت محمود سے دل ایسا متصف ہو جائے گا کہ وہ عمدہ خصلت طبعی بن جائے گی جس طرح حسن ظاہری میں کمی بیشی ہوا کرتی ہے کہ کوئی زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اور کوئی کم۔ اسی طرح حسن باطنی میں بھی لوگ متفاوت ہوتے ہیں پس سب سے زیادہ خوب سیرت تو سرور عالم رسول مقبول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ کی شان میں آیہ کریمہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ[1] نازل ہوئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس مسلمان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کو حسین سیرت کہیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ سیرت باطنی میں جس قدر بھی جس کو حسن حاصل ہوگا اسی قدر اس کو سعادت اخروی حاصل ہوگی کہ کامل درجہ کا حسین شخص معشوق اور محبوب بنجاتا ہے اور پرلے درجہ کا قبیح و بد باطن شخص کمال بغض و نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور درمیانی حالت میں محبت اور نفرت کے ہزار ہا درجے نکلیں گے جن پر ان کی مقدار و کیفیت کی مناسبت سے ثمرات اور نتائج متفرع ہوں گے پس خوب سیرتوں اور بد سیرتوں کے افراد کی جانچ اس پیمانہ سے بآسانی کیجا سکتی ہے (فصل) انسان کو اپنے نفس کی حالت معلوم کرنے میں اکثر دھوکہ ہو جاتا ہے کہ بد خلق شخص بھی کبھی اپنے آپ کو خلیق اور خوب سیرت سمجھنے لگتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو غصہ آجاتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ واسطے غصہ آیا ہے جو خوب سیرتی کے لئے ہونا ہی چاہیے مثلاً اپنی خطا اور لوگوں پر ظاہر

---

[1] یاد رکھو تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو ۱۲ منہ مرتب عفی عنہ

کرتا ہے اور نفس یہ دھوکہ دیکر مطمئن بنا دیتا ہے کہ تم نے تو اس غرض سے عبادتوں کا اظہار کیا ہے تاکہ لوگ اس نیک کام کی رغبت اور اس میں تمہارا اقتدا کریں یا مثلاً عابد، زاہد متقی پابند صوم و صلوٰۃ بنتا ہے اور باوجودیکہ یہ سب ریا اور دکھاوے کی نیت سے ہوتا ہے مگر نفس اس عیب کو ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ غرض اسی طرح یہ نفسِ امّارہ بڑے بڑے دھوکے دیا کرتا اور بدحالی میں مبتلا رکھنے کے لئے عیب کو خوبی بنا کر ظاہر کیا کرتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ اپنی حالت کسی اپنے مخلص اور صاف گو دوست سے پوچھو کہ وہ تمہیں کیسا سمجھتا ہے؟ چونکہ تمہاری خصلتوں اور عادتوں کا دوسرے لوگ اچھی طرح اندازہ کر سکتے ہیں کیونکہ جن سے واسطہ اور سابقہ پڑتا رہے اور ان کو تمہارے اخلاق کے امتحان کا موقع ملے وہی اچھی طرح جانچ سکتے ہیں پس اگر تمہارے دوست کو تمہاری خیر خواہی ملحوظ ہوگی تو بے تکلف وہ تم کو بتا دے گا کہ فلاں عادت تمہاری خراب ہے پس اسی کی اصلاح میں تم کو مشغول ہو جانا چاہئے اور اگر چند عادتیں خراب ظاہر ہوں تو اغلب کی فکر پہلے کرو اور جس کا نتیجہ زیادہ خراب نکل رہا ہو اس کا علاج سب سے مقدم سمجھو مثلاً دنیا کی محبت" اور یہ ایسی بلا ہے کہ جس سے شاذ و نادر ہی کوئی شخص خالی ہوگا۔ حالانکہ یہی تمام گناہوں کی جڑ ہے پس اس کا علاج مقدم اور سب سے زیادہ ضروری سمجھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر سوچا کرو کہ آخر دنیا کی جانب مجھ کو اس قدر توجہ اور آخرت سے روگردانی کیوں ہے؟ اگر خلوت میں فکر کرو گے تو سمجھ میں آجائے گا کہ سوائے جہالت اور غفلت کے کوئی وجہ نہیں ہے" تھوڑی دیر کے لئے مان لو کہ تمہاری عمر سو برس کی بھی ہوئی اور تمہیں تمام سطح زمین[1] کی بادشاہت بھی مل گئی۔ تو پھر کیا؟ آخر فنا ہونا ہے عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ نہ تم رہو گے اور نہ یہ سلطنت و ملک رہے گا یہ سب تو فنا ہو جائیں گے مگر اس کی بدولت ابدی سلطنت جس کے ختم ہونے کا کوئی وقت ہی نہیں تمہارے ہاتھ سے ضرور جاتی رہے گی اور اگر ابد یعنی خلود[2] دوام کی مقدار تمہارے خیال میں نہ آسکے تو یوں تصور کرو کہ تمام دنیا اس کنارے سے لے کر اس کنارہ تک اناج سے بھری ہوئی ہے اور ایک پرندہ پورے ایک ہزار برس میں اس لبریز دنیا میں سے ایک دانہ اٹھا لیتا ہے پس اسی طرح پر ہزار سال میں اناج کا ایک ایک دانہ اٹھانے پر بھی ایک نہ ایک دن یہ دنیا اناج سے ضرور خالی ہو جائے گی پس یہ مدت بھی جس کی ہزاراں

دنیا کی محبت کا علاج

---

[1] زمین کا اوپر کا حصہ ۱۲ [2] ہمیشہ رہنا ۱۲

Marfat.com

ہزار گونہ[لہ] پر تمہاری گنتی کی حد ختم ہوتی ہے ابد اور دوام کے نام سے موسوم نہیں ہو سکتی کیونکہ ابد اور دوام اس مدت سے بھی لاکھوں اور کروڑ ہا گنا زیادہ ہے کیونکہ وہ تو اتنی بے شمار مدت کا نام ہے جس کی کہیں انتہا ہی نہیں پھر بھلا اس عارضی اور فنا ہو جانے والی سلطنت کی جانب توجہ کرنا اور ابدی دائمی مملکت سے بے پروا اور مستغنی بننا نفس نے کیوں پسند کر لیا؟ پھر یہ بھی سوچو کہ ذرا سی دنیا کی معمولی تجارت میں تم کیسی کیسی مصیبتیں اٹھاتے اور طلب ریاست میں کیسے کیسے دشوار سفر اختیار کر لیتے ہو۔ حالانکہ ان مصیبتوں اور دشواریوں کے بعد بھی مال اور ریاست کا ملنا بالکل موہوم ہے ممکن ہے اس سے پہلے ہی موت آ جائے اور تجارت کا نفع یا سفر کا انجام دیکھنا نصیب نہ ہو یا اگر ریاست بھی مل جائے تو ممکن ہے کہ وہ عیش و آرام اور سکون و اطمینان حاصل نہ ہو جو ریاست سے مقصود ہوتا ہے بہر حال اسی موہوم ذہنی راحت کی توقع پر بھی یہ صعوبتیں اور مصیبتیں گراں نہیں گذرتیں کیونکہ اپنے خیال میں جتنی عمر باقی سمجھے ہوئے ہو اس کے مقابلہ پر اس تکلیف و محنت کے ایک یا دو برس کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے اور یوں خیال کرتے ہو کہ دس روز سفر میں رہنے کی تکلیف کے سبب عمر بھر کا عیش مل جائے گا حالانکہ جو نسبت تمہاری عمر بلکہ تمام دنیا کی عمر کو ابد اور دوام کے ساتھ ہے اس کا ایک شمہ بھی ایک برس کو تمہاری خیالی عمر کے ساتھ ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہے پھر دنیا کی زندگی کو اگر آخرت کی ابدی نعمت کے حاصل کرنے میں صرف کر دو اور اس چند روزہ محنت اور تکلیف کو وہاں کی دائمی لذت کے لئے گوارا کر لو تو کیا مشکل ہے؟ مگر یہ ہو کیسے؟ نفس نے تو ایک شوشہ چھوڑ دیا اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔ غفلت کئے جاتے ہو اور کہتے ہو کہ "خدا کریم ہے معاف کرنے والا ہے سب کچھ بخش دے گا اور بلا عمل کئے ہوئے ہم کو جنت میں بھیج دے گا" بھلا میں پوچھتا ہوں کہ کھیتی اور تجارت میں ایسا کیوں نہیں خیال کر لیتے؟ کیا آخرت کا خدا کوئی اور ہے اور دنیا کا کوئی اور؟ اور جب دونوں کا خدا ایک ہی ہے تو دنیا کمانے کے متعلق اپنے ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر میں کیوں نہیں بیٹھتے اور کیوں نہیں خدا پر بھروسہ کرتے کہ جب وہ رزاق اور قادر ہے تو بنا محنت کئے ہوئے بھی ہمارا پیٹ بھر دے گا اور کیوں نہیں اس کی امید رکھتے کہ کسی ویرانہ کا دبا ہوا خزانہ ہم کو سوتے میں دکھلا دے گا جس سے بلا محنت مزدوری کئے ہم مالا مال ہو جائیں گے مگر افسوس ہے کہ یہاں تو یوں جواب دیتے ہو کہ معاش کے اسباب کا اختیار

لہ طرح ۱۲

Marfat.com

کرنا ضروری بات ہے کیونکہ مدفون خزانہ کا ہاتھ لگ جانا تو ایک اتفاقی امر ہے کہ شاذ و نادر[لہ]
کبھی کسی کے لئے ایسا اتفاق بھی پیش آجاتا ہے مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا پس ایسا ہی آخرت
کے متعلق بھی سمجھو کہ خراب اعمال اور بدکاریوں پر معافی و مغفرت کی توقع کرنا اس سے بھی
زیادہ شاذ و نادر ہے کیونکہ حق تعالیٰ صاف فرما چکا ہے کہ "انسان کو وہی ملے گا جو وہ کرے گا
اور متقی بندے فاسق و فاجر لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے وغیرہ وغیرہ" دنیا کے معاملات
میں تو اسباب کے اختیار کرنے کو ضروری بھی نہیں فرمایا بلکہ ان سے بے توجہ بنایا اور یوں
فرمایا ہے کہ "کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کا رزق ہمارے ذمہ نہ ہو"
تعجب ہے کہ دنیا کمانے میں تو خدا پر بھروسہ نہیں ہے اور آخرت میں بدعملیوں کی معافی پر
وثوق اور بے جا توقع رکھ کر اپنا دین برباد کر رہے ہو خوب یاد رکھو کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے
جس نے مخلوق کو تباہ اور اعمال سے کاہل بنا کر عبادت و طاعت سے روک رکھا ہے
حق تعالیٰ محفوظ رکھے۔

فصل اور اگر تم یہ کہو کہ چونکہ دنیوی معاملات کے نتائج تو آنکھوں سے دیکھتے اور رات دن
تجربہ کرتے ہیں اور آخرت کے معاملات میں سے کوئی واقعہ بھی کسی نے مشاہدہ نہیں کیا۔ اس
وجہ سے دنیا کی تحصیل میں رغبت ہوتی اور دین کی طلب میں غفلت ہے کیونکہ جس شے
کو آدمی نے دیکھا نہیں اس کی واقعی تصدیق دل کے اندر نہیں ہوا کرتی اور یہ بھی بات
ہے کہ ہر شخص نقد کو ادھار پر ترجیح دیا کرتا ہے لہذا طلب دنیا میں ساری تکلیفیں برداشت
کر لی جاتی ہیں اور دین کے متعلق نوافل تو درکنار اصل ارکان اور فرائض بھی ادا ہونے مشکل
و دشوار پڑ جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حق تعالیٰ تمہارے قلب کی آنکھیں روشن
فرما دے اور تم صاحب بصیرت بن جاؤ تو پھر دینی امور کے انجام بھی دنیا ہی کی طرح
تمہارے مشاہدہ میں آجاویں گے اور اگر بصیرت حاصل نہ ہو تو بصیرت والوں یعنی انبیا
علیہم السلام اور اولیاء کرام کے ارشادات میں غور کرو اور دیکھو کہ اس بڑی جماعت
میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو آخرت کی دائمی نعمت اور دائمی تکلیف کا قائل نہ ہو اور یہ
یقینی بات ہے کہ آخرت کی دائمی بہبودی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی
اور جب تک دنیا کی طرف سے منہ نہ پھیر دو گے اس وقت تک حق تعالیٰ کی جانب توجہ

لہ جس کا وجود کم ہو یعنی کبھی کبھی ۱۲ ؛

بے محل توقع شیطانی دھوکہ ہے

غیب پر ایمان و یقین حاصل کرنے کا طریق

Marfat.com

کیوں کر ہوگی؟ پس جب ان باتوں کو سوچو گے تو تم کو آخرت پر سچا ایمان اور قلب کو امورِ غیبیہ پر
سکون و اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ جو شخص خود اندھا ہو اس پر لازم ہے کہ وہ کسی
سوانکھے شخص کا تابع ہو کر چلے کیونکہ راستہ کی اونچ نیچ اور منزلِ مقصود تک پہونچنے والی
سڑک اُسی کو نظر آرہی ہے بھلا اگر طب کے اندر تم کو دخل نہ ہو اور بیمار ہو جاؤ تو تمہیں بتاؤ
کہ اُس وقت طبیب کے کہنے پر چلنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ خصوصاً اگر کوئی ایسی صورت ہو
کہ جس پر تمام اطباء کا اتفاق ہو تو اس میں تو تم کو کسی قسم کا شک بھی نہ ہوگا۔ پس یہی حال
عقائد کا سمجھو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور تمام اہلِ بصیرت حضرات
روحانی طبیب ہیں اور وہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ آخرت ضرور ہونے والی ہے اور
اس چند روزہ زندگی کے نیک و بد اعمال کا بدلہ ضرور ملنے والا ہے لہٰذا اس میں شک کرنے
کی گنجائش ہی نہیں ہے ہاں چند آدمی ایسے نکلے ہیں جو روح کی حقیقت کو سمجھے ہی نہیں کہ
وہ کیا چیز ہے ان کی نظر اسی روحِ جسمانی تک قاصر رہ گئی جس کے ذریعہ سے انسان حس و حرکت
کرتا ہے یعنی وہ بخارات جو قلب سے اُٹھتے ہیں اور بدن کی تمام رگوں میں پھیل جاتے ہیں پس انہوں
نے اسی کو انسانی روح سمجھ لیا حالانکہ یہ روح حیوانات میں بھی موجود ہے پھر انسان اور حیوان
میں فرق ہی کیا ہوا؟ خوب سمجھ لو کہ روحِ انسانی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہے چنانچہ
حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے محمد کہہ دو کہ روح امرِ ربی ہے[1] یعنی وہ روح جس کا تم
ذکر کر رہے ہیں اور روحِ الٰہی کی حقیقت کو چونکہ یہ کوتاہ نظر طبیب اور حکیم نہیں سمجھ سکتے
لہٰذا ان کو دھوکہ ہوا اور آخرت کے منکر ہو گئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب بدن سے نکل گئی اور بدن کی
حس و حرکت جاتا رہا تو وہ بھی موت ہی میں مل گیا اور [illegible] نہ اس کو ثواب ہو
سکتا ہے نہ تکلیف کا۔ ان کم سمجھ لوگوں کی سمجھ پر افسوس ہے کہ اول تو تمام عقلمندوں کے
مقابلہ پر ان معدودہ چند لوگوں کا قول ہی قابلِ التفات نہیں ہے اور اگر کچھ ہو بھی تو میں
پوچھتا ہوں کہ ان کے قول کو تم بالکل یقینی سمجھتے ہو یا تھوڑا بہت اس میں جھوٹ کا احتمال
بھی ہے؟ پس اگر جھوٹ کا احتمال ہے تو اب تم ہی بتا دو کہ احتیاط کس بات میں ہے [illegible]
ظاہر ہے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آخرت [illegible]
کیونکہ اگر مثلاً تم کو بھوک ہو اور کھانا بھی سامنے رکھا ہوا ہے مگر کوئی شخص وہاں سے آکر

---

[1] میرے رب کا حکم ہے [2] [illegible]

بیان کرے کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے اور دوسرا شخص کہے کہ نہیں اس میں زہر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ احتیاط کی بنا پر تم اس کھانے سے ضرور پرہیز کرو گے اور یہ سمجھو گے کہ اگر اس میں زہر ہونے کا یقین نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا شبہ اور احتمال چونکہ ضرور ہے لہذا ایک وقت بھوکا رہنا اس مشکوک کھانا کھانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کی ایک شق میں مرجانے کا احتمال ہے اور دوسری صورت میں موت سے تو حفاظت ہے۔ ہاں اگر ہے تو تھوڑی سی بھوک ہی کی تکلیف ہے جس کو آسانی سے برداشت کر سکتے ہیں کہ ذرا سی لذت اگر حاصل نہ ہوئی نہ سہی زندگی تو باقی رہے گی اگر زندگی ہے تو سب کچھ ہے دیکھو ایک شاعر باوجود کثافتِ عقل کے کیا کہتا ہے۔ اس کے عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ منجم اور طبیب نے مجھ سے کہا کہ مر جانے والے انسان دوبارہ کبھی زندہ نہ ہوں گے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ جاؤ دور ہو اور اگر تم سچے ہو تو میرا تو اس وقت بھی کچھ نقصان نہ ہوگا۔ بس اتنا ہی کہ اعمال کچھ کام نہ آئیں گے سو نہ سہی تکلیف تو نہ ہو گی اور اگر تم جھوٹے نکلے تب تو ظاہر ہے کہ میں نفع میں رہا اور خسارہ تم کو اٹھانا پڑا کہ تم آخرت کے منکر ہونے کی وجہ سے اس کا کچھ بھی سامان ساتھ نہ لائے اور یہیں دنیا ہی میں اس کا فکر کر کے تیار ہو آیا تھا۔" الغرض دنیا میں رہ کر دینِ اُخرویٰ کی سعی کرنے اور نیک اعمال کا ذخیرہ فراہم کر لینے کی صورت میں تو بہر حال نفع ہی نفع ہے اور اگر تم یہ کہو کہ ہمیں تو جاہل نجومی اور زندیق طبیب کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جھوٹ کا مطلق احتمال ہی نہیں تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو تو نعوذ باللہ دھوکہ ہو گیا۔ بس نہ آخرت کوئی چیز ہے اور نہ ثواب اور عذاب کوئی بات ہے اگر خدانخواستہ تمہارا خیال ایسا ہو جائے تو اب تمہارا مرض لاعلاج ہے کیونکہ تمہارے مزاج کا فساد اور عقل کی رکاکت[1] صراحتہً ظاہر ہو گئی اور پھر بھی تم اس کو عقلمندی سمجھتے ہو کہ بلا دلیل ایک وہمی اور لغو بات کو یقینی اور بدیہی بتلاتے ہو۔ ایسی صورت میں علاج اور صحت کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ پس ہم بھی ایسے شخص کو نصیحت کرنے سے منہ پھیر لیں گے البتہ چلتے چلتے اتنا پھر بھی سمجھائیں گے کہ اچھا میاں اگر دنیا ہی تمہاری محبوب ہے اور یہیں کی راحت اور آرام کے شیدا ہو تب بھی ہمارے کہنے کے موافق ناپائدار دنیا کے تعلق کا کم کرنا تم کو ضروری ہے کیونکہ جو مزہ اور راحت و آرام آزادی میں ہے وہ پابندی میں

نصیحت کا علاج

[1] کمزوری و سستی ۱۲

Marfat.com

نہیں ہے پس اگر تم نفس کے پابند ہو گئے اور خواہشات و تعلقات میں جکڑ گئے ہو تو یاد رکھو کہ ہر قسم کی ذلت اور رسوائی اُٹھانی پڑے گی کہ جوتیاں کھاؤ گے اور اپنی جیسی محتاج مخلوق کے آگے ہاتھ پھیلاتے اور خوشامدیں کرتے پھرو گے۔ دیکھو دنیا کے تعلقات اور بکھیڑے ایسے بُرے ہوتے ہیں کہ بہتیرے کافر جن کو آخرت پر ایمان نہ تھا وہ بھی تو اُن سے گھبرا اُٹھے اور تارک دنیا ہو کر جوگی اور راہب بن گئے انھوں نے بھی اتنا سمجھ لیا کہ دُنیا دل لگانے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس ناپائدار جہاں کو ایک دن چھوڑنا ضرور پڑے گا اور یہاں رہ کر جس کسی کو بھی محبت یا علاقہ رکھا جائے گا وہ بہت جلد منقطع ہو جائے گا کہ یا ہم اس کو چھوڑ کر رخصت ہو جائیں گے اور یا وہ ہم کو چھوڑ کر روانہ ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس مفارقت کا انجام سوائے مصیبت و رنج اور صدمہ و تکلیف کے کچھ بھی نہیں ہے پس جب کافروں کو آخرت کا بالکل انکار ہونے کی صورت میں دنیا کے تعلقات ترک کرنے کے اندر راحت معلوم ہوئی تو پھر بھی تم مسلمان کہلائے جاتے ہو پھر معلوم نہیں کہ ان تعلقات میں پھنسنے کو راحت کا سامان کس طرح سمجھتے ہو اور اگر کسی شخص کو دنیا کی آفتیں اور ناپائداری بھی نظر نہ آئے اور ترک خواہشات و تعلق کو عقلاً بھی مفید نہ سمجھے تو بس اس احمق کو خدا سمجھے کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ذرھم یاکلوا ویتمتعوا کہ اے محمد ان کو چھوڑو کہ کھائیں اور مزے کریں اور ان کی امیدیں ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں سو عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

بحمد اللہ دوسری قسم کا مفصل بیان ختم ہو گیا۔ حق تعالیٰ شانہ سب کو عمل کرنے کی توفیق لوگوں کو مرحمت فرما دے اور اس تحریر کو وسیلۂ ہدایت بنائے آمین بجاہ سید المرسلین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وصفیہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

---

۵۱ دنیا چھوڑ دینے والا زاہد ۱۲

۵۲ آبادی سے باہر رہ کر عبادت کرنے والا ۱۲

تیسری قسم قلب کو اخلاق محمودہ کیساتھ مزین آراستہ کرنے کے بیان میں اور اسمیں بھی دس اصول ہیں پہلی اصل توبہ کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "مسلمانو تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو۔ بے شک وہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کرلی وہ گویا بے گناہ ہوگیا"۔ حق تعالیٰ کو بندے کی توبہ سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سے کرو کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی بے آب وگیاہ اور دہشتناک جنگل میں پہنچ جائے اور اس کی سواری معہ توشہ کے جو اس پر رکھا ہوا تھا گم ہو جائے کہ وہ اس کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا تھک جائے اور آخر اس وجہ سے کہ سواری کے بغیر نہ جنگل سے باہر نکل سکتا ہے اور نہ توشہ کے بغیر فاقہ کی موت سے جان بچا سکتا ہے زندگی سے مایوس ہو جائے کہ نہ پیدل چلنے کی طاقت ہے اور نہ وہاں آب و دانہ میسر آنے کی اُمید۔ اس لئے مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے آبیٹے اور اپنے ہاتھ پر سر رکھ کر اس فکر میں ڈوبا ہوا سو جائے کہ اب موت آیا چاہتی ہے اور پھر دفعۃً اس کی آنکھ کھل جائے اور وہ دیکھے کہ اُس کی کھوئی ہوئی سواری اُس کے پاس کھڑی ہے اور کھانے پینے کا سامان جو اس پر لدا ہوا تھا وہ بجنسہٖ موجود ہے تو اس کی ایسی حالت میں اپنی زندگی سے نا اُمید ہونے کے بعد سرمایۂ حیات ہاتھ لگنے کی وجہ سے جتنی خوشی دفعۃً حاصل ہوگی اس سے زیادہ حق تعالیٰ کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب بندہ اس کی جانب رجوع کرتا اور اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہے توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بُعد سے قرب کی طرف لوٹ آنے کے ہیں مگر اس کے لئے بھی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا ہے ابتدا تو یہ ہے کہ قلب پر نور معرفت کی شعاعیں پھیل جائیں اور دل کو اس مضمون کی یورمی آگاہی حاصل ہو جائے کہ گناہ سم قاتل اور تباہ کر دینے والی شے ہے اور پھر خوف اور ندامت پیدا ہو کر گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص رغبت اتنی پیدا ہو جائے کہ جس گناہ میں مبتلا تھا اُس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا مصمم قصد کرے اور اس کے ساتھ ہی جہاں تک ہو سکے گذشتہ تقصیر و کوتاہی کا تدارک کرے جب ماضی اور مستقبل اور حال تینوں زمانوں کے متعلق توبہ کا یہ ثمرہ پیدا ہو جائے گا تو گویا توبہ کا وہ کمال حاصل ہوگیا

(حاشیہ: توبہ سے خوشی ہونے کا اندازہ)

(حاشیہ: توبہ کے معنی اور ابتداء)

له یہ تشبیہ علماء میں ۱۲ سه ابن ماجہ وطبرانی۔ کبیر و بیہقی ۱۲ سه یعنی خالص اور شرائط سمیت ۱۲

Marfat.com

جس کا نام توبہ کی انتہا ہے (**فصل**) توبہ کے معنی اور حقیقت سمجھنے کے بعد واضح ہو گیا ہوگا کہ توبہ ہر شخص پر واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنا کر فرماتا ہے کہ "اے ایمان والو تم سب توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ" چونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ گناہوں کو اُخروی زندگی کے لئے سمِ قاتل اور مہلک سمجھے اور ان کے چھوڑنے کا عزم کرے اور اتنا مضمون ایمان کا جزو ہے اس لئے ہر مومن پر اس کا واجب اور ضروری ہونا تو ظاہر ہے اب رہا تمام بنی آدم اور ہر فردِ بشر پر توبہ کا وجوب سو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی چار قسم کی صفات سے مرکب ہے کیونکہ اس کے خمیر میں اول حرص و شہوت اور فسق و فجور داخل ہے جو بہائم کی خصلت ہے دوم غصہ اور حسد اور بغض و عداوت کا مادّہ اس کے اندر موجود ہے جو درندوں کی خاصیت ہے سوم۔ مکر و فریب اور دھوکہ دہی و مکاری اس میں رکھی ہوئی ہے جو شیطانی اخلاق میں چہارم کبر و نخوت تعلّی و تفاخر حبِ مدح و حبِ جاہ حکمرانی و سلطنت حکومت و شان اور غلبہ و عزت کی طلب کا مادہ اس میں موجود ہے اور یہ سب ربوبیت[1] کی صفات ہیں ان چاروں خصائل کا اپنے اپنے وقت اور موقع پر غلبہ اور اثر ظاہر ہوا کرتا ہے چنانچہ سب سے پہلے زمانہ طفولیت میں تو بہائم اور حیوانات کی خصلتیں غلبہ کیا کرتی ہیں اور انسان شہوت و حرص میں گویا چوپایہ اور جانور بن جاتا ہے۔ اس کے بعد جب نوجوانی کا زمانہ آتا ہے تو درندوں کی عادتوں کا غلبہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے پر حسد کرتا ہے باہم عداوتیں پیدا ہوتی ہیں کسی سے بغض ہے کسی سے عناد کسی پر غصہ آرہا ہے کسی کو ذرا سی خلافِ طبع بات پر پھاڑے کھاتا اور آپے سے باہر ہوا جاتا ہے چیختا چلاتا اور دوڑتا ہے۔ کسی کو نعمت یا خوشحالی میں دیکھتا ہے تو نعمت کے گھٹنے اور چھیننے کی فکر میں طیش کھایا کرتا ہے غرض اس حالت میں وہ اور درندہ گویا ہمجنس بن جاتے ہیں پھر جب اس کے بعد عالمِ شباب کا شباب ہوتا ہے اور بدن میں قوت آجاتی ہے تو یہ بہائم و درندوں کی خصلتیں چاہتی ہیں کہ اپنی خواہشیں پوری کر دیں مرغوب اور پسندیدہ شے کو حاصل کریں اور دشمن و ناپسندیدہ امر کو زیرِ خاک ملا دیں پس ... اس وقت شیطانی اخلاق ظاہر ہوتے اور اپنا غلبہ کرتے ہیں کہ ابھی کسی شے کی خواہش پیدا ہوئی اور فریب و دھوکہ بازی نے مدد کرنے کا اقرار کیا ابھی کسی دشمن پر غصہ آیا اور فوراً مکاری و جعل سازی نے اپنی دانائی و ہوشیاری کو پیش کیا۔ غرض اخلاقِ شیطانیہ اس زمانہ میں

---

[1] رب ہونا ۱۲

خصائل بہیمیہ[1] اور عاداتِ سبعیہ[2] کے نفاذ میں معین و مددگار بنتے اور انسان کو شیطان مجسم بنا دیتے ہیں اور جب اس میں کامیابی و ظفر اور اپنی حسب منشا کارروائیوں میں فتح نظر آنے لگتی ہے تو پھر تکبر و تعلّی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اس کی مدد کرے ہر شخص اس کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے ہر شخص اسکی بڑائی اور کمال کا معترف ہو ہر شخص اسکو عقلمند اور واجب التعظیم سمجھے غرض ایسی فرعونیت ذہن میں سمائی ہے کہ "ہم چو ما دیگرے نیست" کا پتلا مجسم بنجاتا ہی اور جب ان چاروں خصلتوں کا ظہور ہو لیتا ہے تو اب عقل کی قندیل اپنا منہ دکھاتی ہے جس میں ایمان کا چراغ روشن ہوتا اور اس کو بھلے اور برے میں امتیاز کا موقع دیتا ہے اگر یہ روشنی ظاہر نہ ہو تو خصائل مذکورہ کی ظلمت و تاریکی سے نجات ملنی دشوار ہو جائے۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ قندیلِ عقل اور مشعلِ ایمانی کا نور چالیس سال کی عمر میں کمال پر پہونچتا ہے اور جو بد خصلتیں بلوغ کے وقت سے پیدا ہونے لگیں تھیں اب ان کی اصلیت اور حقیقت اچھی طرح کھل جاتی ہے پس جس وقت یہ نور نظر آتا ہے تو انسان کا قلب گویا جنگ کا ایک وسیع میدان[3] ہوتا ہے جس میں اس ظلمانی[4] لشکر یعنی چاروں خصائل مذکورہ کی اس خدائی لشکر یعنی عقل اور نور ایمان کے ساتھ جنگ ہوتی ہے اور دونوں لشکروں میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ دوسرے کو مغلوب اور اپنا تابع فرمان غلام بنالے پس اگر نورِ عقل کمزور ہوا تو شیطانی لشکر فتحیاب ہو کر قلب پر مسلط ہو جاتا اور دشمن سے بے خوف ہو کر قلب انسان پر قبضہ اور حکومت کرنے لگتا ہے اور اگر شیطانی گروہ پسپا ہوا اور میدانِ جنگ عقل اور ایمان کے ہاتھ رہا تو انسان کی حالت سنور جاتی اور طبیعت مہذب بن جاتی ہے اور چونکہ بنی آدم کی فطرت ہی اس جنگ و کارزار کو مقتضی ہے اس لئے ہر شخص کے لئے اس کا پیش آنا لازمی ہے پس ثابت ہو گیا کہ توبہ سے کوئی شخص بھی مستغنی نہیں ہے کیونکہ اس نورِ عقل ہی کا نام **توبہ** ہے جو معرکہ[5] کے وقت ظلمانی لشکر خصائل شیطانیہ و بہیمیہ کا مد مقابل بنتا اور انسان کو اس پاک شریعت کا تابعدار بنانے کی کوشش کرتا ہے جس سے آخرت کی فلاح[6] اور ابدی نجات حاصل ہوتی ہے اور چونکہ کوئی انسان کسی وقت بھی گناہ سے خالی نہیں ہے اس لئے کوئی وقت بھی ایسا نہ ہوگا جس میں کوئی شخص توبہ سے مستغنی ہو کیونکہ

انسان کا قلب شیطانی اور ایمانی لشکر کی جنگ کا میدان ہے

اور انسان کسی وقت گناہ سے خالی نہیں

---

[1] چوپایوں والی ۱۲ [2] درندوں والی ۱۲ [3] میدانِ جنگ ۱۲ [4] تاریکی والا ۱۲ [5] ... [6] کامیابی اور ہمیشہ کی نجات ۱۲

انسان کسی حال اور کسی رتبہ کا بھی ہو یہ ضروری ہے کہ یا تو اس کے اعضا میں سے کوئی عضو کسی گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوگا اور یا قلب سے کوئی گناہ ثابت ہو رہا ہوگا یعنی یا تو جوارح[1] کسی خلافِ شرع حالت میں ملوث[2] ہوں گے اور یا قلب کسی مذموم خصلت یا ایسی بد عادت میں ضرور مبتلا ہوگا کہ جس کی اصلاح کے لئے توبہ کی حاجت ہوگی اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی انسان فرشتہ سیرت اور ایسا مہذب بن گیا کہ اس کی کوئی عادت اور کوئی خصلت بھی ایسی نہیں ہے جس کو اصلاح کی ضرورت ہو تب بھی کوئی وقت تو ایسا ضرور ہوگا جس میں حق تعالیٰ کی یاد سے اس کو غفلت ہوگی اور چونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ "جب اپنے پروردگار کو بھولو تو فوراً یاد کر لو" اس لئے پھر بھی اس حالت سے رجوع کرنے اور غفلت سے یاد کی طرف پلٹنے کی ضرورت ہوئی اور اسی رجوع کا نام توبہ ہے اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ کوئی شخص خدا کی یاد میں ہر آن مستغرق اور محو ہے کہ کوئی لحظہ بھی قلب کو غفلت نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس درجہ استغراق دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن کے ہے تاہم اگر ایسا مان بھی لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ انسان جس مقام اور جس مرتبہ میں ہے اس سے عالی مرتبہ پر پہونچنے سے پہلے پہلے پھر بھی توبہ کا محتاج ہے کیونکہ ہر مقام اور ہر مرتبہ اپنے عالی اور مافوق مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ناقص کہلاتا ہے اور ناقص سے باہر نکلنا اور عالی و کامل پر پہونچنا ہر شخص پر لازمی ہے پس جب تک بھی اس میں رہے گا تو ضرور توبہ کا محتاج رہے گا اور جب دوسرے درجہ پر پہونچے گا تو چونکہ وہ درجہ بھی اپنے مافوق درجہ کے اعتبار سے ناقص ہے اس لئے جب تک اُس سے باہر نہ نکلے اور اُوپر نہ پہونچے اس وقت تک وہاں بھی توبہ کا حاجت مند ہوگا۔ اسی طرح سلسلہ چڑھتا رہے گا جوں جوں ترقی کرے گا ووں ووں توبہ کا ضرورت مند ہوتا رہے گا اور چونکہ مراتب قربِ خداوندی غیر متناہی[3] ہیں کوئی مرتبہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے مافوق[4] اور بالا کوئی دوسرا مرتبہ نہ ہو۔ لہٰذا کوئی حالت بھی ایسی نہ نکلے گی جس میں انسان کو نسبتاً ناقص مرتبہ میں رہنے کی وجہ سے خطا وار و عاجز اور عالی مرتبہ تک نہ پہونچنے کے سبب توبہ کا ضرورت مند نہ کہا جائے۔ یہی بات ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معصوم و بے گناہ ذات کے متعلق فرماتے ہیں[5] کہ میں رات دن میں ستر مرتبہ توبہ اور استغفار کیا کرتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عام لوگوں کی توبہ ظاہری گناہوں سے ہوا کرتی ہے اور صالحین کی توبہ باطنی

---

[1] ظاہری اعضا ۱۲ [2] آلودہ ۱۲ [3] نہ ختم ہونے والا ۱۲ [4] اوپر ۱۲ [5] مسلم و نسائی و ابوداؤد و احمد ۱۲

Marfat.com

گناہوں اور مذموم اخلاق سے ہوا کرتی ہے اور متقین کی توبہ شک و شبہات کے ابتلاء[1] سے ہوتی ہے اور محبین کی توبہ اس غفلت سے ہوتی ہے جس نے ذکرِ الٰہی کو کسی لحظہ میں بھلا دیا تھا اور عارفین کی توبہ اس مقام سے ہوتی ہے جس پر پہونچے ہوئے ہیں۔ مگر اس کے مافوق دوسرا مرتبہ ہے جس پر ان کو پہنچنا چاہیے اور چونکہ حق تعالیٰ کے قرب کے مراتب و مقامات غیر متناہی اور بے شمار ہیں اس لئے عارفین کی توبہ کا کوئی منتہیٰ[2] نہیں اور نہ اس کے خاتمہ کا کوئی وقت معین ہے

فصل۔ توبہ کی جب تمام شرائط پوری ہو جائیں گی تو اس کی قبولیت میں شک نہ ہوگا کیونکہ توبہ قبول ہونے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے قلب میں انوارِ معرفت کی تجلیات کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے اور ظاہر ہے کہ انسان کا قلب آئینہ کی مانند ہے جس پر خواہشات نفسانیہ اور حرص و ہوا کے باعث غبار جم جاتا ہے یا گناہ کی وجہ سے سیاہی چھا جاتی ہے مگر نیک کام جو بمنزلہ نور کے ہیں اپنی روشنی اور چمک دمک سے اس تاریکی کو دور کر کے آئینہ قلب کی صیقل کرتے رہتے ہیں اس لئے جب انسان کوئی نیک کام کرے گا اور نادم و پشیمان ہو کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا تو ضرور ایسی حالت ہوگی جیسے کپڑے پر صابون لگانے سے ہوتی ہے کہ اگر صابون باقاعدہ لگایا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میل نہ اترے اسی طرح اگر دل اخلاص و توجہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہوا ہے تو ممکن نہیں کہ قلب میں صفائی و انشراح[3] اور تجلیاتِ معرفت کی استعداد و قابلیت نہ پیدا ہو ہاں بعض بزرگوں کو توبہ کے بعد قبولیت توبہ میں جو شک ہوا ہے وہ حقیقت میں قبولیت توبہ کے شرائط جمع ہونے میں شک ہوا ہے کہ خدا معلوم ساری شرطیں ہوئیں یا نہیں جیسے کوئی شخص مسہلہ دوا پیئے اور پھر بھی اس کو دستوں کے آنے میں شک ہو تو یہ شک دوا کے دست آور ہونے میں نہیں ہے بلکہ اس امر میں شک ہے کہ مسہل کی شرائط پوری طرح ادا ہو گئیں یا نہیں یعنی دوا کے اجزاء پوری مقدار پر تھے یا کم و بیش ہو گئے موسم و وقت اسہال کے مناسب بھی تھا یا نہ تھا اور اگر ان جملہ امور میں اطمینان ہو تو پھر دستوں کے آنے اور غلیظ و متعفن مادہ کے خارج ہو جانے میں کبھی شک نہ ہوگا اسی طرح اگر توبہ کے تمام شرائط جمع ہونے کا پورا یقین ہو جائے تو پھر اس کی مقبولیت میں شک ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

شرائط توبہ پوری ہونے پر قبولیت میں شک نہیں

---

[1] مبتلا ہونا ۱۲ [2] انتہا ۱۲ [3] کھل جانا یا فرحت ۱۲

غرض جب ثابت ہو گیا کہ ہر شخص کو توبہ کی ضرورت ہے اور ہر فرد بشر اس معالجہ کا محتاج ہے تو اس میں غفلت کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ غفلت اور ہوائے نفس ایسا مہلک مرض ہے جس کی وجہ سے انسان خدا کی معصیت اور گناہ کے کام پر اصرار و مداومت کرنے لگتا ہے اور ظاہر ہے کہ اصرار یعنی بار بار گناہ کرنے سے صغیرہ گناہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے پس جب اس اصرار کو چھوڑ دو گے تو اس باطنی مرض سے نجات مل جائے گی خوب یاد رکھو کہ غفلت کا باطنی مرض بخار، جاڑا، کھنسی، پھوڑا وغیرہ یعنی جسم کے ظاہری امراض سے بہت بڑھا ہوا ہے اور اس کی کئی وجہ ہیں۔

اول۔ تو اس وجہ سے کہ بدن کے امراض نظر آتے ہیں اور یہ مرض نظر نہیں آتا اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شخص کے چہرے پر برص[1] کے سفید داغ ہوں اور اتفاق سے آئینہ بھی موجود نہ ہو جس میں منہ دیکھ کر اپنا مرض معلوم کرے تو یہ مرض زیادہ خطرناک ہو گا کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے کے کہنے کا اس کو یقین نہ آئے اور اسی بے اعتباری میں اس کا مرض دن بدن بڑھتا جائے دوسر۔ اس وجہ سے کہ غفلت کے باطنی مرض کا انجام انسان نے دیکھا نہیں اور اس انجام کے نہ دیکھنے ہی کی وجہ سے حق تعالیٰ کی معافی پر بھروسہ کر کے ایسا مطمئن اور بے فکر ہو بیٹھا کہ علاج کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتا۔ برخلاف بدنی امراض کے کہ ان کا نتیجہ و انجام اس کے تجربہ میں آ چکا ہے اور اس لیے یہاں خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ بلکہ علاج میں غایت درجہ کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر قسم کے جملہ امراض کا پیدا کرنے والا اور شفا دینے والا وہی خدا ہے خواہ امراض جسمانی ہوں یا روحانی اور ظاہری ہوں یا باطنی سوم۔ اس وجہ سے کہ باطنی مرض کے طبیب مفقود ہو گئے اور یہ بات نہایت درجہ افسوس و حسرت کے قابل ہے کیونکہ اس قلبی مرض کے طبیب علماء شریعت اور عقلاء زمانہ تھے اور وہ خود باطنی بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں پھر جب ان کو اپنے ہی علاج کی خبر نہیں تو دوسروں کا علاج وہ کیا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ مہلک مرض دنیا اور مال دنیا کی محبت ہے اس زمانہ پر آشوب[2] میں سب سے زیادہ اس مرض کے اندر علماء ہی گرفتار نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسروں کو دنیا کی محبت سے روکنے اور منع کرنے کی ان کی باتیں بے اثر ہیں بلکہ اپنی رسوائی

---

[1] فساد مزاج سے بدن کا بگڑ جانا ۱۲ [2] فتنہ سے لبریز ۱۲

کے اندیشہ سے وہ یہ بھی ظاہر نہیں کر سکتے کہ دنیا کی محبت بُری چیز اور باطنی امراض میں ایسا مہلک مرض ہے جس سے جانبری دشوار ہے پس یہی وجہ ہے کہ یہ مرض لا علاج ہو گیا کیونکہ جب طاعون یا وبائی مرض عام طور پر پھیل جائے اور دوا کا کوئی پتہ بھی نہ مل سکے اور طبیب خود مریض اور اسی مرض کے بیمار بنے ہوئے ہوں تو بھلا اس سے نجات کیوں کر حاصل ہو سب سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ اُن روحانی طبیبوں یعنی علماء کی دیکھا دیکھی عوام الناس کو محبتِ دنیا کی رغبت بڑھ گئی اور پرہیز یا دوا علاج کی طرف توجہ کرنے کی کوئی سبیل بھی باقی نہیں رہی۔ کیونکہ یہی وہ اصحاب ہیں جن کی تقلید کی جاتی ہے اور عام آدمی انھیں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہیں پس جب انہیں کو محبتِ دنیا میں گرفتار دیکھیں گے تو پھر اس کو اچھی بات سمجھ کر کیوں نہ اقتدا کریں گے؛ اور جب اقتدا کریں گے تو پھر اصلاح کی کیا صورت؛ افسوس جن کو طبیب بنا کر دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ انھوں نے بجائے علاج کے مرض کو اور بڑھا دیا جو لوگ مصلح بن کر آئے تھے وہ مفسد بن گئے اور جن کو راہبر تجویز کیا گیا تھا وہ خود گمراہ ہو کر دوسروں کا راستہ کھوٹا کرنے کے درپے ہو گئے۔ گویا شیریں چشمہ کے دہانہ پر پتھر رکھ کر اڑ گئے کہ نہ خود پانی پئیں اور نہ دوسروں کو پینے دیں اے کاش ان سے دنیا خالی ہو جائے اور یہ پتھر دہانہ سے سرک جائے اگر وہ خود نا قابل ہیں تو سہی مگر چشمہ کا دہانہ کیوں روکے ہوئے ہیں، پرے ہوں الگ ہٹیں کہ دوسرے تشنہ کام تو سیراب ہو جائیں غرض اس باطنی مرض کا خلاصہ علاج یہ ہے کہ سبب ڈھونڈو اور گناہ کے اصرار پر توجہ کرو کہ کیوں ہے؛ یاد رکھو کہ کسی گناہ پر اصرار جو ہوا کرتا ہے تو مفصلہ ذیل پانچ اسباب میں سے ایک سبب سے ہوا کرتا ہے۔ اوّل یہ کہ گناہ پر جو سزا حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے وہ گناہ کرنے ہی دست بدست نہیں ملا کرتی اور ظاہر ہے کہ جس فعل کا نتیجہ دست بدست نہیں ملتا ذہن میں اس کی وقعت نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا گناہ پر اصرار ہونے لگتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سوچنا اور جاننا چاہئے کہ جو چیز ایک نہ ایک دن ضرور آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے کیونکہ بعید تو اس کو کہنا چاہئے جو آئے ہی نہیں اور جو ایک دن آنے والی ہے۔ وہ بعید کہاں۔ خصوصاً موت کہ جس کا آنا یقینی بھی ہے اور پھر اُس کا وقت بھی مقرر نہیں تو اس کے بعید ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں کیا خبر ہے کہ آج ہی کا دن آخری دن اور یہی مہینہ

گناہ پر اصرار اور توبہ نہ کرنے کی پہلی وجہ اور اس کا علاج

سلے پیاسے صفحہ ۱۲

Marfat.com

آخری مہینہ اور یہی سال تمہاری عمر کا آخری سال ہو۔ اس کی طرف غفلت کرنا حماقت ہے پھر یہ بھی سوچو کہ آئندہ کے افلاس کے اندیشہ سے معاش کے حاصل کرنے کی فکر میں تم کیسے کیسے دور دراز کے سفر اور مصائب برداشت کرتے ہو تو کیا آخرت کی پائدار زندگی کا اتنا بھی فکر نہ ہو جتنا دنیا کی بہت ہی جلد ختم ہو جانے والی ناپائدار زندگی کا ہوتا ہے دوسرا سبب یہ ہو کہ نفس کو اپنی مرغوب خواہشوں اور لذتوں میں مزہ آرہا ہے لہذا ان کا چھوڑنا اس کو ناگوار گذرتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ سوچو اور غور کرو کہ اگر کوئی انگریز ڈاکٹر یوں کہدے کہ میاں ٹھنڈا پانی تمہیں مضر ہے تم اس کے پاس بھی نہ جانا ورنہ مرجاؤ گے۔ تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ ڈاکٹر کی اس نصیحت کا تم پر کیا اثر ہوگا؟ ظاہر ہے کہ زندگی برباد ہو جانے کے خوف سے ٹھنڈے پانی جیسی لذیذ نعمت بھی تم سے ضرور چھوٹ جائے گی۔ حالانکہ وہ ایک انسان کا قول ہے اور انسان بھی کافر۔ بس اس میں جھوٹ کے بیسیوں احتمال نکل سکتے ہیں پھر بھلا خداوند کریم کی مضر بتلائی ہوئی خواہشات کو چھوڑنے میں کیا تامل ہے کیا اللہ اور اللہ کے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد کسی کافر طبیب کے قول کے بھی برابر نہیں ہے یا جسمانی مرض سے مرجانا کیا ہمیشہ آگ میں جلنے سے بھی زیادہ تکلیف والا ہے؟ پھر یہ بھی تو سوچو کہ جب تمہارا نفس اس قدر لذت پسند اور خواہشات کا پابند ہے کہ دنیا میں چند روز کے لئے معمولی لذتوں کا چھوڑنا بھی اس کو شاق گذرتا ہے تو یہاں ان ناپائدار لذتوں کے حاصل کرنے کی بدولت جب آخرت کی دائمی نعمتیں چھن گئیں تو ان کے چھوٹنے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں جلنے کی وہ برداشت کس طرح کرے گا۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ نفس نے تم کو کاہلی کا سبق پڑھایا اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں توبہ کی ایسی جلدی ہی کیا ہے؟ آج نہیں تو کل کرلیں گے غرض اسی طرح دن پر دن گذرتے رہتے ہیں اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس تعویق اور تاخیر اور آجکل میں وقت برابر ہو جاتا اور موت آجاتی ہے پس اگر گناہ پر اصرار کرنے کا باعث یہ کاہلی ہوئی تو اس مضمون کو سوچنا چاہئے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تم کل کو زندہ بھی رہو گے اور توبہ نصیب ہو جائے گی۔ خوب یاد رکھو کہ ایسے ہی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے جنہوں نے توبہ کرنے کو امروز فردا میں رکھا۔ یہانتک کہ موت نے آپکڑا دوسرے یہ بھی سوچنے کے قابل بات ہے کہ جب نفس کو لذت کا چھوڑنا آج دشوار ہو رہا ہے تو بھلا کل کو جبکہ

Marfat.com

شہوت کی لذت اور مضبوط ہو جائے گی تو نفس سے کیونکر چھوٹ سکے گی اس کی مثال تو ایسی ہوگی جیسے تم کو کسی درخت کے اکھاڑنے کا حکم ہو جائے اور تم یوں کہو کہ جناب اس سال تو نہیں ہاں اگلے سال اکھاڑ دوں گا۔ حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ درخت کی جڑ دن بدن مضبوط ہوگی اور تمہاری قوت روز بروز گھٹے گی اور ضعف بڑھے گا۔ پس جس درخت کو آج نہیں اکھاڑ سکے اس کو آئندہ سال کس طرح اکھاڑ سکو گے۔

چوتھا اور پانچواں سبب اور اس کا علاج

چوتھا سبب یہ ہے کہ نفس نے حق تعالیٰ کے عفو و کرم کا آرزو مند بنا رکھا ہے اور یہ شوشہ چھوڑ دیا ہے کہ میاں خدا کو ہمارے گناہوں کی پرواہی کیا ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے سارے گناہ بخش دے گا خوب یاد رکھو یہ نفس کی مکاری اور حیلہ جوئی ہے کہ شیطان نے اس ڈھرہ پر چڑھا کر اپنا کام بنا لیا اور اس غرّہ[1] کو اپنی کاربراری کا آلہ گردان لیا ہے حدیث[2] میں آیا ہے کہ "عقل مند وہی ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع بنا لیا اور مرنے کے بعد کام آنے والا ذخیرہ جمع کیا اور احمق ہے وہ شخص جس نے خواہشات کا اتباع کیا اور پھر خدا سے عفو و کرم کا آرزو مند رہا۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ معاذ اللہ قیامت کے ہونے اور معاملہ آخرت کے پیش آنے میں شک یا شبہ ہے اس کا علاج اخلاق ذمیمہ کے خاتمہ میں بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھو اور اس کے موافق عمل کرو۔

صغیرہ گناہ پر اصرار کرنا کبیرہ سے زیادہ مضر ہے

فصل۔ یوں تو تمام گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے مگر کبیرہ گناہوں سے توبہ کرنا تو نہایت ہی ضروری ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ صغیرہ گناہ بھی اصرار کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے بلکہ صغیرہ گناہ جب بار بار کیا جاتا ہے تو ایک مرتبہ کسی کبیرہ گناہ کر لینے کی بہ نسبت قلب کو زیادہ سیاہ کر دیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے "کسی سخت پتھر پر ایک ایک قطرہ کا بار بار متواتر ٹپکنا اور یکبارگی موسلا دھار کا برس جانا" یہ ظاہر ہے کہ ایک قطرہ باوجودیکہ حقیر اور بہت ہی بے وقعت چیز ہے مگر بار بار پڑنے کی وجہ سے ایک نہ ایک دن پتھر میں بھی سوراخ کر دے گا۔ برخلاف موسلا دھار مینھ کے کہ اگرچہ وہ کئی لاکھ قطروں کا مجموعہ ہے مگر یکبارگی برسنے سے اس کا وہ اثر نہ ہوگا جو ایک قطرہ نے آہستہ آہستہ کر دکھایا تھا۔ اسی طرح چھوٹا گناہ آہستہ آہستہ قلب پر جو اثر کرتا ہے وہ کبیرہ گناہ کے یکبارگی اثر کی بہ نسبت بہت ہی اندیشہ ناک ہوتا ہے اور اس کی کئی وجہیں ہیں اول وجہ تو یہ کہ صغیرہ

---

[1] گھمنڈ ۱۲ [2] احمد و ترمذی و حاکم ۱۲

Marfat.com

گناہ کی ذہن میں وقعت نہیں ہوتی اور اس کو معمولی گناہ سمجھ کر بے پروائی کی جاتی ہے برخلاف کبیرہ گناہ کے کہ اس کی بڑائی کے سبب امید ہے کہ اس سے بچنے اور باز آجانے کی طرف توجہ ہو جائے اسی بنا پر ایک شیخ کا مقولہ ہے کہ جس گناہ کی بخشش نہ ہوگی وہ گناہ وہ ہے جس کو بندہ معمولی سمجھتا اور کہتا ہے کہ کاش سارے گناہ ایسے ہی ہوتے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو بسا اوقات انسان نعمت سمجھتا اور خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ لوگوں کو اکثر کہتے سنا ہے کہ دیکھا میں نے اس کو کیوں کر جواب دیا۔ کیسا بدلہ لیا۔ کیسی آبرو خاک میں ملا دی۔ کیسا دھوکا دیا۔" اور ظاہر ہے کہ گناہ پر خوش ہونا زیادہ مضرت رساں اور قلب کا سیاہ کرنے والا ہے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ اکثر حق تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بہ نظر حقارت دیکھتا اور اپنی کرامت و بزرگی سمجھنے لگتا ہے۔ یعنی یہ خیال کرتا ہے کہ میں خدا کے نزدیک ذی مرتبہ شخص ہوں کہ میرے گناہ ظاہر نہیں ہوئے اور یہ خبر نہیں کہ خدا کی طرف سے ڈھیل دی جا رہی ہے تاکہ گناہ زیادہ ہو جائیں اور یک لخت دھر پکڑا جائے اور اسفل السافلین[1] میں جھونک دیا جائے چوتھا سبب یہ ہے کہ صغیرہ گناہ کو اس کے صغیرہ ہونے کی بنا پر لوگوں میں ظاہر اور شائع کرتا پھرتا ہے۔ حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ مگر گناہوں کا اعلان و افشا کرنے والے لوگ نہ بخشے جائیں گے[2]۔

پانچویں اگر کسی عالم یا صوفی یعنی مقتدا سے کوئی صغیرہ گناہ ہوتا ہے تو اس کا اثر اور بھی زیادہ برا پڑتا ہے کیونکہ عام لوگ اس کو دیکھ کر اس گناہ میں بے باکانہ مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس طرح ہر گناہ کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے گویا یہ صغیرہ گناہ دامن دراز ہو جاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس کی دیکھا دیکھی جن لوگوں نے بھی اس گناہ کو اختیار کیا ہے سب کا وبال اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باقی رہنے والا گناہ ختم ہو جانے والے گناہ سے بدتر ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس گناہ کا بقا صغیرہ ہونے کی وجہ سے ہی ہوا ہے پس خوش قسمت اس کی جو اپنے مرنے کے ساتھ اپنے گناہ بھی دنیا سے لے جائے۔ بنی اسرائیل میں ایک عالم نے جب بہت سے گناہوں سے توبہ کی تو اس زمانہ کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ اگر اس کے گناہ میرے اور اس کے درمیان میں رہتے تو میں بخش دیتا۔ مگر اس نے تو مقتدا بن کر میرے دوسرے

---

[1] سب نچلوں سے نیچے ۱۲ [2] مضمون بخاری و مسلم ۱۲

Marfat.com

بندوں کو بھی گناہوں میں مبتلا کیا اور جہنم میں داخل کرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کرنا ہر گناہ سے ہر فرد و بشر پر ضروری ہے اور توبہ اُسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ دل میں خدا کا خوف ہو لہٰذا مناسب ہے کہ خوف کی فضیلت بیان کر دی جائے۔

دوسری اصل خوف کا بیان

خوف کی حقیقت اور حصول کا طریقہ

حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے خوف کرنے والوں کی شان میں حق تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضا کی محمود خصلتیں جمع فرمائی ہیں جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس سے ہر شے ڈرنے لگتی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے[1] کہ کسی بندے کو دو خوف نصیب نہ ہوں یعنی جو بندہ دنیا میں خدا کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہوگا اور جو دنیا میں خدا سے نڈر رہا اس کو آخرت میں امن و اطمینان نصیب نہ ہوگا۔ خوف کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ کسی آنے والی تکلیف کے اندیشہ سے دل میں اور سوزش پیدا ہو اور ظاہر ہے کہ جب تک حق تعالیٰ کی صفاتِ جلالیہ کی معرفت حاصل نہ ہوگی اُس وقت تک خوف پیدا نہ ہوگا اور جب یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا کہ کہ خداوند تعالیٰ ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز پر ایسا قادر ہے کہ دم میں جو چاہے کرے کہ مخلوق میں کوئی شخص چوں بھی نہیں کر سکتا تو اُس وقت خوف اور خشیۃ پیدا ہو جائے گا۔ پس اگر خوف پیدا کرنا چاہتے ہو تو حق تعالیٰ کے جلال اور اُس کی بے نیازی پر نظر کرو اور سوچو کہ جنت پیدا اور اس میں جانے والی مخلوق بھی اس کے لئے تجویز ہو چکی ہے اسی طرح دوزخ بھی موجود ہے اور اس کے سزادار مخلوق بھی معین ہو چکی ہے، اور سعادت و شقاوت یعنی خوش قسمتی و بدنصیبی کا قطعی حکم ہر شخص کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے جس میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس ازلی حکم کا کوئی رد کرنے والا نہیں پس اے نفس معلوم نہیں کہ تیرے حق میں کیا حکم صادر ہوا ہے اور تیرا خاتمہ کس حال پر ہونا لکھا ہے ممکن ہے کہ تو جنت میں جائے۔ . . . . اور یہ بھی ممکن ہے کہ تیرے لئے جہنم کی دائمی سزا تجویز ہوئی ہو۔ خوب یاد رکھو کہ انجام کے مخفی و پوشیدہ حال سے نڈر وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو حقیقی معرفت حاصل نہ ہو لہٰذا مناسب ہے کہ اُن کاملین اور خاصانِ خدا کے حالات پڑھا اور سنا کرو جن کو معرفت میں کمال حاصل

۱ ابن حبان صحیح ۱۲

ہے یعنی انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیاء و علماء و اہل بصیرت رحمہم اللہ تعالیٰ دیکھو
ان حضرات کو باوجود کمال درجہ تقرب کے کس قدر خوف تھا۔ جناب رسول مقبول صلی
اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لہ کہ جب کبھی جبرئیل امین میرے پاس وحی لے کر آئے تو خداوند
جبار و قہار کے خوف سے لرزتے اور کانپتے ہوئے آئے" حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا قلب نماز کی حالت میں خوف کے سبب ایسا جوش مارتا تھا جیسے چولھے پر ہانڈی کھولتی
ہے اور اس جوش و خروش کی آواز ایک میل کی مسافت سے سنائی دیا کرتی تھی حضرت داؤد
علیہ السلام چالیس دن کامل سربسجود گریہ کرتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے آس پاس کی
زمین پر گھاس پیدا ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ایک پرند کو مخاطب بنا کر یوں فرمایا
اے کاش میں بھی تجھ جیسا پرند ہی ہوتا کہ شریعت و احکام خداوندی کا مکلف نہ ہوتا
یا کاش پیدا ہی نہ ہوا ہوتا" حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ" کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ لیا جاتا
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ کاش میں بھولی بسری ہو جاتی الغرض
خوب یاد رکھو کہ جن حضرات کو حق تعالیٰ کی بے نیازی اور جلال کی معرفت حاصل ہے وہ
ہرگز بھی بے خوف اور نڈر نہیں رہ سکتے۔ نڈر ہونا انھیں غفلت شعار امراکا شیوہ ہے جن
کی نہ اپنے خاتمہ پر نظر ہے اور نہ اصلاح آخرت کی جانب توجہ، یہ غفلت کے پتلے
اُس بے خوف بچہ کی مثل ہیں جس کو زہریلے سانپ سے بھی ڈر نہیں گر بچہ دوسرے کے سمجھانے
سے سمجھ جاتا ہے پس اے کاش جس طرح ناسمجھ بچہ اپنے سمجھدار باپ کو سانپ سے ڈرتا
اور بچتا ہوا دیکھ کر خود بھی بھاگتا اور عقل سیکھتا ہے۔ اسی طرح غافل و بے خبر مسلمان بھی اپنے
محسن و مربی روحانی طبیبوں اور خاصان خدا کی حالتِ خوف کے مشاہدہ سے عبرت
پکڑیں (فصل) خوف درحقیقت ایک چابک ہے جو انسان کو سعادت ابدی کی جانب
دوڑاتا ہے لہٰذا اسی حد تک پسندیدہ ہے جب تک کہ نیکوکاری کا آلہ بنے یعنی اتنا زیادہ
نہ ہو کہ بیکار بنا دے اور مایوسی کی حد تک پہنچا کر اعمال چھڑا دے ایسا حد سے بڑھا ہوا
خوف جس سے ناامیدی پیدا ہو جائے شرعاً مذموم ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ ایمان
خوف اور اُمید کے بین بین ہے" پس خوف کے ساتھ رجا یعنی اُمید بھی ضروری ہے البتہ

لہ عراقی کہتے ہیں کہ ثابت نہیں البتہ قیامت میں ایسا ہونے کی روایت کتاب العظمۃ
ابوالشیخ کی ہے ۱۲ سلہ برائی کیا ہوا ۱۲ ؛ سلہ یہ اصل عربی کتاب میں نہیں ہے ؛

Marfat.com

گنہگار مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہیئے اور جب دینیدار بنجائے تو دونوں کو مساوی درجہ پر رکھے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "اگر اللہ پاک کا حکم صادر ہو کہ ساری مخلوق میں سے صرف ایک شخص جنت میں جائے گا تو میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہی ہوں گا اور اگر یہ فرمان صادر ہو کہ دوزخ میں صرف ایک ہی شخص داخل ہوگا تو مجھے خوف ہے کہ وہ شخص کہیں میں ہی نہ ہوں یہ حالت مساوات ہے جس میں خوف اور رجا دونوں کے پلّے برابر ہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جوانی و تندرستی کے زمانہ میں مسلمان کو خوف غالب رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس غلبۂ شہوت کے زمانہ میں شہوات نفسانیہ کے توڑنے اور منزلِ مقصود تک پہونچنے کے لئے مہذب بنانے کو خوف کے کوڑے کی ضرورت ہے۔ اور بڑھاپے یا مرض کی زمانہ میں جب کہ موت قریب ہو تو رجا یعنی اُمید غالب رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ اول تو ضعف و نقاہت اور مرض کی وجہ سے کچھ ہوتا ہوا تا نہیں اور اگر اس حالت میں خوف غالب ہوا تو جو کچھ ہو رہا ہے اتنا بھی نہ ہو سکے گا۔ بالکل ہی ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے۔ حدیث[1] میں آیا ہے کہ "مسلمان کو مرتے وقت اپنے خدا کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ نیک گمان اسی وقت ہوگا جبکہ کچھ نیک اعمال بھی پاس ہوں"۔ کیونکہ انسان جب کاشتکاری کے لئے زمین میں بیج ڈالتا اور نیولانے یا پانی دینے کے متعلق اپنی حسبی سعی سب کچھ کر لیتا ہے تو اُسی وقت خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے پیداواری اور بوئے ہوئے کے کاٹنے کی اُمید رکھ سکتا ہے اور جب بیج ہی نہیں ڈالا اور ایسی حالت میں اناج کی طلب و خواہش رکھی تو اُس کو رجا و اُمید نہیں کہتے بلکہ تمنا اور ہوس کہتے ہیں اور تمنا و ہوس شیطانی دھوکہ ہے اسی لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جو بندے ایمان لائے اور ہجرت کر گئے اور فی سبیل اللہ جہاد کیا وہی اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں" اس سے معلوم ہو گیا کہ رجا و اُمید سعی و کوشش کے بعد ہوا کرتی ہے جس طرح کاشتکار بونے جوتنے کی پوری محنت کر لینے کے بعد منتظر ہوتا ہے کہ اگر آسمانی آفت سے حفاظت ہوئی اور بجلی اولہ آگ وغیرہ سے کھیت کو حق تعالیٰ نے بچائے رکھا تو اُمید ہے کہ جتنا بیج ڈالا ہے ایک ایک کے بدلے ستر ستر بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل ہوں گے اسی طرح مسلمان کو خدا کی طاعت میں پوری مشقت اُٹھانے

خوف و رجا کی برابری کا مطلب

جوانی میں خوف اور بڑھاپے میں رجا کا غلبہ

امیدواری کا فرق

---

[1] مسلم ۱۲ ؎

Marfat.com

اور مجاہدہ و ریاضت کرنے کے بعد اُمید رکھنی چاہیئے کہ اگر حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے اعمال و افعال کو قبول فرما لیا تو ایک ایک نیکی کا سات سات سو گناہ بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ خوف عذاب کے باعث معاصی اور خدا کی نافرمانیوں سے رکنا چاہیئے اور اُمید رحمت کے سبب نیکیوں میں رغبت پیدا ہونی چاہیئے۔ پس خوف کو اسی وقت معتبر سمجھو جب کہ وہ تم کو معصیت سے روکے اور گناہ کی جرأت نہ ہونے دے اور اگر یہ حاصل نہ ہو تو وہ خوف نہیں ہے بلکہ عورتوں جیسی رقت قلبی اور وہم وخیال ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں اور چونکہ خوف جب کمال پر پہونچتا ہے تو دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام زہد ہے اس لئے مناسب ہے کہ کچھ زہد کا بیان کر دیا جائے۔

تیسری اصل زہد کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اے محمد اُس مال وجاہ کی جانب نظر اٹھا کر نہ دیکھو جو ہم نے کافروں کو دنیا کی تازگی کی جنس سے دے رکھا ہے کیونکہ اس سے مقصود ان کو فتنہ میں ڈالے رکھنا ہے اور تمہارے پروردگار کی عطا بہتر اور زیادہ پائدار ہے اور قارون ملعون کے قصہ میں ارشاد ہے کہ قارون بن سنور کر ٹھاٹھ کے ساتھ جلوس میں نکلا اور بعض لوگوں کو یہ تزک و احتشام دیکھ کر حرص ہوئی تو جن لوگوں کو علم مرحمت ہوا تھا وہ کہنے لگے کہ ”افسوس تم اس ناپائدار چیز کی حرص کرتے ہو دیکھو حق تعالیٰ کا ثواب سب سے بہتر چیز ہے۔“ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ زہد علم کا ثمرہ ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ جو شخص صبح اُٹھتے ہی دنیا کے غم میں گرفتار ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کا دل پریشان کر دیتا ہے اور ملتا ہے اسی قدر جتنا کہ اس کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اور جو شخص صبح اُٹھتے ہی آخرت کی فکر میں لگ جاتا ہے تو حق تعالیٰ اُس کا قلب مطمئن رکھتا اور اُس کی دنیا کی خود حفاظت و کفالت فرماتا اس نیک بندے کا دل غنی کر دیتا ہے اور اتنی دنیا مرحمت فرماتا ہے کہ [illegible] لیتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے پیچھے بھاگی چلی آتی ہے“ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”اللہ جس کو ہدایت دینی چاہتا ہے اُس کا شرح صدر کر دیتا ہے“ اس کی تفسیر جناب

---

[1] ترمذی ضعیف وابن ماجہ بسند جید ۱۲

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۱] نے یوں بیان فرمائی ہے کہ اس کے قلب میں ایک نور داخل فرما دیتا ہے جس سے اُس کا سینہ منشرح ہو جاتا ہے[۲]۔ صحابہ نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ اس شیٔ کی شناخت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبتی اور دین کی جانب توجہ اور موت سے پہلے موت کا انتظام کرنا شرح صدر کی خاص پہچان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۳] کہ جس کو حق تعالیٰ زاہد بناتا ہے اُس کے قلب میں حکمت القا فرماتا ہے اور دنیا کی بیماری و علاج سے آگاہ کر دیتا ہے اور اس جہان فانی سے بے لوث[۴] باہر نکال کر دار السلام میں پہونچا دیتا ہے اس کے بعد صحابہ سے فرمایا۔ صاحبو! حق تعالیٰ سے حیا کرو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حیا تو کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جہاں رہنا نہیں ہے وہاں مکانات بناتے ہو اور جو کھا نہیں سکتے وہ جمع کرتے ہو۔ یاد رکھو کہ بندے کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جبکہ گوشہ گمنامی میں پڑے رہنے کو شہرت سے زیادہ پسند کرے اور دنیا کے متعلق ہر شئے کی قلت کو اُس کی کثرت سے زیادہ محبوب سمجھے، خوب سمجھ لو کہ جب انسان دنیا میں زاہد بنتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور جب وہ خدا کا محبوب بنجاتا ہے تو مخلوق کی نظروں میں بھی محبوب ہو جاتا ہے۔ حقیقی زہد یہ ہے کہ انسان دنیا کے مال و متاع کی جانب التفات نہ کرے اور باوجود اس کے حاصل کرنے کی قدرت کے پھر اس کی جانب متوجہ نہ ہو اور زہد کی اصل وہ نور اور علم ہے جو اللہ کی طرف سے بندہ کے قلب میں ڈال دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کے جملہ ساز و سامان مکھی کے پَر سے بھی زیادہ حقیر اور آخرت ہی بہتر و پائدار ہے جس وقت یہ نور حاصل ہوتا ہے تو اس حقیر دنیا کی آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی وقعت نہیں رہتی جتنی کسی بیش قیمت جواہر کے مقابلہ میں ایک پھٹے پُرانے چیتھڑے کی وقعت ہوا کرتی ہے اور زہد کا ثمرہ یہ ہے کہ بقدر ضرورت و کفایت دُنیا پر قناعت حاصل ہو جائے پس زاہد اسی مقدار پر کفایت کیا کرتا ہے جتنا کسی مسافر کا سفر کا توشہ اپنے پاس رکھنا ضروری ہوتا ہے اور وہ ضروری سامان جس کی ہر شخص کو احتیاج ہے یا طعام

زہد کی حقیقت اور ثمرہ و آثار

[۱] ابن مبارک و ابن ابی شیبہ و فریابی وغیرہم ۱۲ [۲] کشادہ ۱۲ [۳] ابن ابی الدنیا مضمون بہت حدیثوں میں ہے ۱۲ [۴] بے لاگ و بے آلودگی ۱۲

Marfat.com

ہے یالباس یا اثاث البیت اور ہر ایک میں زہد کے مراتب اور مدارج ہیں جن کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں طعام کی ضرورت رفع کرنے میں زہد تین اعتبار سے ہوتا ہے یعنی مدت اور مقدار اور جنس

طعام میں مدت کے اعتبار سے زہد کے مراتب

پس مدت کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا زہد تو یہ ہے کہ صرف ایک وقت کے کھانے پر قناعت کرے یعنی اگر صبح کو بھوک رفع ہو جائے تو شام کے لئے کچھ پاس نہ ہو اور شام کو پیٹ بھر جائے تو صبح کے لئے کچھ ذخیرہ نہ ہو اور اوسط درجہ یہ ہے کہ مہینہ بھر یا چالیس دن کی خوراک مہیا ہو اس سے زیادہ کی پروا نہ ہو اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف سال بھر کا ذخیرہ جمع کر لیا جائے اور سال سے زیادہ کا سامان جمع کرنا تو زہد سے بالکل خارج ہے البتہ اگر کسی قسم کا ذریعہ کسب اور تحصیل معاش کے لئے دنیا کا کوئی مشغلہ نہ ہو تو سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع کر لینا بھی زہد کے منافی نہیں ہے چنانچہ شیخ داؤد طائیؒ کے پاس بیس درہم تھے جن پر شیخ نے کامل بیس سال قناعت کی تھی چونکہ اُن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا اس لئے بیس سال کا ذخیرہ جمع رکھنا زہد کے خلاف نہ ہوا

مقدار کے اعتبار سے مراتب زہد

طعام میں مقدار کے اعتبار سے ادنےٰ درجہ کی مقدار جس کو زہد کا اعلےٰ درجہ کہنا چاہیئے نصف رطل یعنی پاؤ سیر اناج ہے اور اوسط درجہ کی مقدار آدھ سیر اور اعلیٰ مقدار جو زہد کا ادنےٰ درجہ ہے سیر بھر غلہ ہے پس جس نے اس سے زیادہ مقدار کھائی تو سمجھو کہ زہد کے خلاف کیا

جنس کے اعتبار سے مراتب زہد

جنس کی حیثیت سے اعلےٰ درجہ کا زہد اُس جنس کے کھانے پر قناعت کرنا ہے جس میں غذائیت پائی جائے اگرچہ اناج کی بھوسی ہی کیوں نہ ہو اور اوسط درجہ جو کی روٹی ہے اور ادنیٰ درجہ گیہوں کے بے چھنے آٹے کی روٹی کا کھانا ہے اور اگر آٹا چھان لیا تو اُس کا نام زہد نہیں بلکہ تنعم اور تلذذ ہے اور ترکاری میں اقل درجہ کی ترکاری جو زہد کا اعلےٰ درجہ ہے سرکہ اور سبزی اور نمک کا استعمال ہے اور اوسط درجہ چکنائی کا استعمال کرنا ہے اور اعلیٰ درجہ کی ترکاری جو زہد کا سب سے نیچے کا درجہ ہے گوشت کھانا ہے بشرطیکہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مرتبہ ہو اور اگر ہمیشہ گوشت کھانے کی عادت ڈالی تب تو زہد سے بالکل باہر ہو گیا۔ دیکھو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں[1] کہ [illegible] ماہ [illegible] دن گذر جاتے [2]تھے اور رسول مقبول [illegible] کے دولت کدہ میں آگ نہیں سلگتی تھی معتبر ذریعہ سے ثابت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منورہ میں قدم رنجہ

---

[1] ابن ماجہ ۱۲ [2] مضمون تقریبًا بخاری و مسلم ۱۲

فرمایا کبھی تین دن بھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی اللّٰھم صلِّ علیٰ حبیبک[1] وصفیک بقدر زھدہٖ وکمالہٖ

لباس کے متعلق زہد کے درجے

لباس :- میں اعلیٰ درجہ کا زہد یہ ہے کہ صرف اتنے کپڑے پر قناعت کرے جس سے ستر چھپ جائے اور سردی و گرمی رفع ہو سکے اور ادنیٰ درجہ کا زہد یعنی اعلیٰ درجہ کا لباس یہ ہے کہ کسی کھردرے کپڑے کا کرتہ پاجامہ اور ایک رومال رکھے پس اگر دو کرتے بھی پاس ہوں گے تو زہد ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ زہد میں کم سے کم یہ تو ضرور ہونا چاہیے کہ اگر پہنے ہوئے کپڑوں کے دھونے کی ضرورت پیش آوے تو دوسرا جوڑا پاس نہ نکلے بلکہ رومال باندھ کر دھوے اور پھر ان کو پہن لے۔ حضرت ابوہریرہؓ[2] فرماتے ہیں کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے صوف کی ایک چادر اور ایک موٹا کرتہ نکال کر مجھکو دکھایا اور فرمایا۔ ان دو کپڑوں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین[3] کا ایک نیا جوڑا پہنا اور پسند آیا تو فوراً سجدے میں گر پڑے اور فرمایا کہ مجھے یہ نعلین اچھی معلوم ہوئیں اور اندیشہ ہوا کہ حق تعالیٰ غصہ نہ ہو جائے اس لئے میں تواضعاً سربسجود ہو گیا۔ یہ فرما کر آپ باہر تشریف لائے اور جو مسکین سب سے پہلے نظر پڑا اس کو مرحمت فرما دیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے قمیص میں بارہ پیوند لگے تھے جس میں بعض چمڑے کے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مقتدا پر ضروری ہے کہ ادنےٰ حیثیت کے لوگوں کا سا لباس پہنے تاکہ امراء اور اہل مال اس کا اقتدا کریں اور فقراء و نادار اپنے کو بنظر حقارت نہ دیکھیں۔

مکان کے متعلق زہد کے درجے

مسکن میں ادنےٰ درجہ کا مسکن جو زہد کا اعلیٰ درجہ ہے یہ ہے کہ مسافر خانہ یا مسجد کے کسی حجرے میں زندگی گذار دے اور اعلیٰ درجہ کا مسکن یہ ہے کہ سکونت کے لئے کوئی خاص جگہ تجویز کرے یعنی بقدر ضرورت ایک حجرہ خواہ خرید لے یا کرایہ پر لے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ اس میں وسعت نہ ہو اور نہ اس کی اونچی اونچی دیواریں ہوں نہ قلعی چونہ ہو نہ کہگل یا استرکاری کے مکانات میں رہائش تو زہد تے خلاف ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم مکان میں چونہ کی استرکاری کر رہے تھے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ "میاں وقت تو اس سے

[1] الٰہی اپنے حبیب اور مصطفےٰ پر ان کے زہد اور کمال کی بقدر رحمت نازل فرما ۱۲ [2] بخاری و مسلم صحابی کا نام ابوبردہ اصل میں بھی ہے احیاء العلوم میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی مترجم صاحب نے سہواً ابوہریرہ لکھدیا ہے ۱۲ [3] جوتے ۱۲ [4] ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ صحیح ۱۲

Marfat.com

پہلے برابر ہو جانے والا ہے۔" مطلب یہ تھا کہ انسان کو ناپائدار زندگی گذارنے کے لئے استحکام و پائداری کی کیا ضرورت ہے؟ موت آجائے گی اور یہ یہیں دھرا رہ جائے گا حضرت نوح علیہ السلام نے رہائش کے لئے پھونس کا ایک جھونپڑا بنا رکھا تھا اسی میں ایام گذاری فرماتے تھے لوگوں نے عرض کیا یا نبی اللہ ایک گھر بنا لیجئے۔ تاکہ آرام ملے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میاں مرنے والے کے لئے تو یہ پھونس کا گھر بھی بہت ہے۔" حدیث میں آیا ہے کہ ضرورت سے زیادہ جو شخص مکان بنائے گا قیامت کے دن اس کو تکلیف دی جائے گی کہ اس مکان کو سر پر اٹھائے۔ پس اب تم خوب سمجھ لو کہ ضرورت کس چیز کا نام ہے اور کس مقدار و حیثیت کے مکان سے رفع ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ جس حد تک گرمی و سردی رفع ہو وہ تو ضرورت میں داخل ہے اور اس سے زیادہ سجاوٹ یا وسعت تو عبث و بیکار اور آخرت کے لئے مخدوش و خطرناک ہی ہے۔

اثاث البیت[1] میں بھی کئی درجے ہیں ادنیٰ درجہ کا سامان جس کو زہد کا اعلیٰ درجہ کہنا چاہئے وہ ہے جو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ وعلی نبینا السلام کا حال تھا کہ ایک کنگھا اور ایک آبخورہ پاس تھا اور یہی سفر و حضر کا سامان۔ ایک بار چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نظر پڑا جو انگلیوں سے کنگھے کا کام لے رہا تھا اور بال درست کر رہا تھا یہ دیکھ کر حضرت روح اللہ نے کنگھا پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ تو ضرورت سے زائد چیز نکلی اب آبخورہ رہ گیا اس کو لے کر آگے چلے تو ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ کے چلو سے پانی پی رہا ہے پس آبخورہ بھی پھینک دیا اور فرمایا کہ خدا کے عطا کئے ہوئے بدن ہی کے عضو سے جو کام نکل آئے اس کے لئے دوسرا انتظام کرنا امر فضول ہے اوسط درجہ یہ ہے کہ معمولی اور خسیس[2] برتن رکھے اور وہ بھی ہر قسم کی ضرورت کے لئے ایک عدد سے زیادہ نہ ہو اور اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ جہاں تک ہو سکے کئی کئی ضرورتیں ایک ہی برتن میں رفع ہو جاویں چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حمص کے حاکم حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیوں صاحب تمہارے گھر میں دنیا کی ضرورتوں کے لئے کیا کیا اسباب ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت ایک لاٹھی ہے کہ اس سے تکیہ[3] کا کام لے کر سہارا لگا لیتا ہوں اور اسی سے موذی جانور سانپ بچھو وغیرہ کو مار دیتا ہوں اور ایک تھیلا ہے جس میں کھانا رکھ لیتا ہوں اور ایک

---

[1] گھر کا سامان ۱۲ [2] کم حیثیت ۱۲ [3] سہارا ۱۲

Marfat.com

پیالہ ہے جس میں کھانا رکھ کر کھا لیتا ہوں اور اسی میں بشرط ضرورت سر اور کپڑا وغیرہ دھو لیتا ہوں اور ایک برتن ہے جس میں اتنا پانی آ جاتا ہے جو پینے اور وضو کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے بس یہ چار عدد میرے پاس موجود ہیں اور ساری ضرورتیں الٹ پھیر کر اسی میں پوری ہو جاتی ہیں۔ حضرت فاروق رضؓ یہ فرما کر کہ "سچ کہتے ہو" خاموش ہو رہے تم نے سنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک جس پر استراحت فرماتے تھے ایک تو چرمی تکیہ تھا جس میں لیف کھجور بھری ہوئی تھی اور ایک کمبل تھا۔ غرض زاہدوں کے یہ حالات ہیں جو نمونہ کے طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں اگر اس مرتبۂ کمال کے حاصل کرنے سے خدانخواستہ محروم رہو تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہو کہ اس محرومیت پر افسوس ہی کرو تاکہ زہد کی قلب میں محبت اور اس کے حصول کی خواہش تو باقی رہے نیز اس کا ہمیشہ خیال رکھو کہ لذت پسند اور متنعم[۵] امرا کے قرب کی بہ نسبت اللہ کے زاہد بندوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا پسند کرو اور جہاں تک بھی ہو سکے زاہدوں کے مثل بننے اور بلند درجے کے حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہو۔ فصل۔

زہد کے کئی درجے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نفس اگرچہ دنیا کی طرف مائل ہو مگر اس کو جبراً بے التفات بنایا جائے اور دنیا حاصل کرنے سے زبردستی روکا جائے اس حالت کو زہد کہنا تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ البتہ اگر تزہد[۶] کہا جائے اور زہد کی ابتدا سمجھا جائے تو مناسب ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ نفس دنیا سے اتنا متنفر ہو کہ اس کی طرف مائل ہی نہ ہو اور سمجھ جائے کہ دنیا اور آخرت کی نعمتوں کا یکجا ہونا چونکہ ناممکن ہے اس لئے آخرت کی لذتوں کے حاصل کرنے میں دنیا کے مال و متاع پر اس طرح خاک ڈال دینی چاہیے جس طرح کسی بیش بہا جوہر کے خریدنے میں چند روپیہ کو خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہوتا بلکہ روپیہ دے کر نہایت خوشی سے جوہر لے لیا جاتا ہے ایسے ہی دنیا کا ساز و سامان چھوڑ کر بڑی مسرت کے ساتھ آخرت کی نعمتیں حاصل کر لی جائیں۔ اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ دنیا کے مال و متاع کا عدم اور وجود برابر ہو جائے اور یہ خیال رہے کہ جو کچھ بھی دنیا میں ہے وہ حق تعالیٰ کے بیشمار خزانوں کے بحر ذخار[۷] اور دریائے ناپیدا کنار[۸] کا ایک قطرہ ہے پس اگر مل جائے تو کچھ مسرت نہیں اور اگر نہ ملے یا آیا ہوا ہاتھ سے چلا جائے تو کچھ حسرت نہیں اس درجہ میں نفس نہ تو دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ اس سے متنفر ہوتا ہے اور یہی زہد کے کمال کا درجہ ہے کیونکہ تنفر بھی ایک قسم کی توجہ اور اس شے کے باوقعت ہونے کی علامت ہے اس لئے کہ جس شے کی وقعت ذہن سے

محرومی پر افسوس کرو اور زاہدوں کی صحبت اختیار کرو

زہد کے درجے

---

[۱] ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ و احمد ۱۲ [۲] ذی ثروت ۱۲ [۳] اظہار زہد ۱۲ [۴] پانی کے بڑے ذخیرہ والا دریا [۵] جس کا کنارہ ظاہر نہ ہو ۱۲

شکل جایا کرتی ہے اسکی دونوں جانبیں یعنی تنفر اور توجہ برابر ہو جایا کرتی ہیں ایک مرتبہ حضرت رابعہ عدویہ کی مجلس میں لوگوں نے دنیا کی مذمت بیان کرنی شروع کی تو آپ نے فرمایا کہ " دنیا کی قدر و منزلت تمہارے دلوں میں ہے جب ہی تو تم اس کی مذمت کر رہے ہو بھلا ایک ذلیل اور بے قدر شے کی بھی کوئی مذمت کیا کرتا ہے" خوب یاد رکھو کہ جب دنیا کی وقعت قلب سے جاتی رہتی ہے تو رغبت اور نفرت دونوں سے انسان خالی الذہن ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس ایک لاکھ درہم آئے اور آپ نے اُن سے نفرت نہیں کی بلکہ انکو لے لیا اور اسی دن مساکین پر تقسیم فرما کر خرچ کر دیا آپ کی خادمہ نے عرض بھی کیا کہ اے اُم المومنین ایک درہم کا گوشت تو خرید لیتے جس سے آپ آج روزہ افطار فرمالیتیں تو آپ نے جواب دیا کہ اگر پہلے یاد دلاتیں تو یہ بھی کر دیتے اب تو کچھ باقی نہیں رہا" یہ درجہ غنا کہلاتا ہے پس ناعاقبت اندیش جاہل صوفی دھوکہ کھاتے اور اپنے مال کی ڈھونڈی و حرص کو غنا کا درجہ سمجھ جاتے ہیں یعنی یوں خیال کرتے ہیں کہ چونکہ ہمارے قلب کو دنیا سے علاقہ نہیں رہا اس لئے ہمیں یہ مال و متاع کی کثرت مضر نہیں و حالانکہ ان کا یہ خیال شیطانی دھوکہ ہے کہ امتحان کرنے سے اس کی کھوٹ معلوم ہو جائے [illegible] مثلاً اگر سارا مال یکلخت چوری ہو جائے تو دیکھو ان کا کیا حال ہوتا ہے ہاں اگر اپنا مال چوری جانے کا اسی قدر اثر ہو جتنا کسی اجنبی کا مال چوری چلے جانے سے ہوتا ہے تب تو سمجھو کہ بیشک ان کے قلب کو مال سے محبت نہیں ہے اور ان کے نزدیک مال کا رہنا اور چلا جانا دونوں برابر ہیں ورنہ قلب کی چوری پکڑی گئی غرض زہد کا اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ زہد سے بھی زاہد [illegible] ہو جائے یعنی دنیا کی جانب سے بے التفاتی کو کبھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھے بلکہ یوں سمجھے کہ دنیا کوئی چیز بھی ہے جس کا چھوڑنا ہمت و بہادری سمجھا جائے یا مسرت کی نظر سے دیکھا جائے اس کی تو اہل بصیرت کے نزدیک اتنی بھی قدر نہیں ہے جتنی کسی بڑے بادشاہ کے نزدیک [illegible] پیسہ کی قدر ہوا کرتی ہے اس بے حیثیت دنیا کو چھوڑ کر یہ سمجھنا کہ ہم نے [illegible] چھوڑ [illegible] میں اس کے درجہ کا اسکی حیثیت سے بڑھنا ہے اس کی مثال تو ایسی سمجھو جیسے کوئی [illegible] دربار میں داخل ہونا چاہے اور اس کو دروازہ پر بیٹھا کتا داخلہ سے روکے [illegible] سامنے ایک روٹی کا ٹکڑا ڈال دے تاکہ کتا اس کے کھانے میں لگ جائے [illegible] کے دربار میں جا داخل ہو اسی طرح شیطان حق تعالے کے دروازے کا کتا ہے [illegible]

ـــــــــــــــــــ

لہ مضمون زریں از ترغیب ۱۲ تلہ بے رغبتی کا اس درجہ خیال نہ آئے کہ دنیا سے بے رغبتی [illegible]

مطلوب تک پہونچنے سے روک رہا ہے اور ساری دنیا روٹی کے ایک ٹکڑے سے بھی زیادہ بے وقعت ہے جس کو اس کے سامنے ڈال کر سالک نے اپنے مطلوب تک پہونچنے کا راستہ صاف کر لیا ہے پس تم ہی سوچو کہ شاہی دربار کی حاضری کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے جو کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا گیا ہے نہ اُس کی ذہن میں وقعت ہوگی اور نہ اُس کو قابل ذکر و خیال امر سمجھا جائے گا بلکہ روٹی کے ٹکڑے اور دنیوی بادشاہ میں تو کچھ مناسبت بھی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں ایک دن فنا ہونے والے ہیں پس فانی شے کے حصول کے لئے ایک فانی شے کا ہاتھ سے کھو دینا جب وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تو دنیا اور آخرت میں تو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے اس لئے کہ اگر دنیا لاکھوں بھی ہوں گی تو وہ بھی ایک دن فنا ہو جائیں گی پس آخرت کی جاوید نعمتوں اور اس پائدار ملک کی دائمی سلطنت حاصل کرنے کے لئے اگر دنیا کو ہاتھ سے چھوڑا جائے اور شیطان کے حوالہ کر دیا جائے تو اس کا خیال اور ذکر ہی کرنا فضول ہے۔

زہد کے اسباب متعدد ہیں کیونکہ کبھی تو دوزخ کا خوف اور عذاب کا اندیشہ زہد کا سبب بن جاتا ہے اس زہد کو تو خائفین کا زہد کہتے ہیں اور یہ سالکین طریقت کے نزدیک ادنیٰ درجہ ہے اور کبھی اُخروی نعمتوں اور لذتوں کی رغبت کا باعث بن جاتی ہے اور اس کو راجین کا زہد کہتے ہیں اور یہ درجہ پہلے درجہ سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ رجا یعنی اُمید محبت کو مقتضی ہے اور محبت کی فضیلت تم کو معلوم ہو چکی ہے اور تیسرا درجہ جو سب میں اعلیٰ ہے وہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی جانب سے بے توجہی اور نفس کا غیر اللہ کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دینا زہد کا باعث ہو اس کو حقیقی زہد کہتے ہیں کیونکہ پہلے دونوں درجوں کے زہد تو ایسے ہیں کہ جیسے کسی نافع سودے کی خرید و فروخت ہوتی ہے کہ ایک حقیر چیز کو اس لئے چھوڑ دیا۔ تاکہ تکلیف دینے والی روح فرسا[1] مصیبت اس کی وجہ سے دفع ہو جائے یا کئی گنی بہتر اور نافع چیز ہاتھ آ جائے اور اس درجہ میں ماسوی اللہ کی جانب التفات کرنے ہی کو فضول سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ کوئی چیز ہی نہیں ہے پس اس درجہ میں حق تعالیٰ کے سوائے جو چیز بھی ہو خواہ مال ہو یا جاہ یا اور کوئی ایسی شے جس سے عموماً لذت حاصل ہوا کرتی ہے سب ہی سے زہد حاصل ہو جاتا ہے بر خلاف پہلے درجوں کے کہ ان میں صرف

زہد کے اسباب:

ماسوی اللہ سے بے رغبتی اعلیٰ زہد ہے

---

[1] روح کو گھس دینے اور فنا کر دینے والی ۱۲

Marfat.com

مال سے زہد حاصل ہوتا ہے جاہ سے نہیں ہوتا اور مال میں بھی بعض انواع سے زہد ہوتا ہے اور بعض سے نہیں ہوتا اور یہی وجہ ان درجوں کے ضعیف ہونے کی ہے کیونکہ انسان کو جاہ کی محبت مال کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی ہے اور جس کی محبت زیادہ ہو اُسی سے زہد حاصل ہونا قابل اہتمام و توجہ بھی ہے۔ فصل زہد کے معنی یہ ہیں کہ باوجود دنیا حاصل کرسکنے کے دنیا سے ایسا بے التفات ہو جائے کہ دنیا اس کے پیچھے بھاگے اور یہ اس سے دامن چھڑائے اور اگر معاملہ برعکس ہو کہ یہ دنیا کو حاصل کرنا چاہے مگر دنیا اُس کے ہاتھ نہ آئے تو اس کو زہد نہیں کہتے بلکہ اس کا نام فقر ہے اور فقر کا درجہ زہد کے برابر نہیں ہے ہاں فقر کو تونگری پر فضیلت ضرور ہے کیونکہ تونگری میں دنیا کی لذتوں سے دل بستگی ہو جاتی ہے اور اس لئے مرتے وقت اُن مرغوبات کے چھوڑنے کی حسرت ہوا کرتی ہے اور دنیا گویا جنت معلوم ہوتی ہے اور آخرت قید خانہ، برخلاف فقر کے کہ اس حالت میں لذتوں سے اگرچہ جبراً و قہراً باز رکھا گیا ہے تاہم چونکہ کبھی کسی چیز کا ذائقہ اور مزہ منہ کو نہیں لگتا۔ اس لئے مرتے وقت کسی چیز کی محبت میں دل نہ اٹکے گا بلکہ دنیا کو دارالالم[52] اور تنگدستی کا گھر سمجھے گا اور آخرت آزادی و خوش عیشی کا گھر اور جنت معلوم ہوگی پس اس میں شک نہیں کہ فقر بھی اللہ کی بڑی نعمت اور سعادت اخروی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے نیک بندے کو دنیا سے ایسا بچاتا ہے جیسے تم اپنے عزیز بیمار کو کھلانے پینے کا پرہیز کراتے ہو۔ میری اُمت کے فقرا جنت میں امراء سے پانچسو برس پہلے داخل ہو جائیں گے جس وقت کسی فقیر کو دیکھا کرو خوش ہو جایا کرو اور کہا کرو کہ مرحبا نسل لحین کے طریقہ والے مرحبا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار عرض کیا تھا کہ بار الٰہا آپ کے کون بندے محبوب ہیں، بتلایئے تاکہ میں ان سے محبت کروں ارشاد ہوا کہ فقیر جن کو لوگ پاس بھی کھڑا نہ ہونے دیں۔ یاد رکھو اگر فقیر اپنے حال پر قانع ہو اور طالب مال کا زیادہ حریص نہ ہو تو اُس کا درجہ زاہد کے قریب ہی قریب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مبارک ہو اس کو جسے اسلام کی ہدایت ہوئی اور بقدر کفایت معاش ملی اور وہ اس پر قانع ہوا، قانع فقیر خدا کو بہت پسند ہے حضرت اسمٰعیل پر وحی

---

[52] تکلیف کا گھر ۱۲ [53] حاکم صحیح ۱۲ [54] ابن مبارک و ترمذی صحیح ۱۲

Marfat.com

نازل ہوئی تھی کہ اے اسمٰعیل مجھے شکستہ دل لوگوں کے پاس ڈھونڈا کرو حضرت اسمٰعیل نے دریافت کیا کہ بار الہٰا وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد ہوا کہ صابر فقیر" خلاصہ یہ ہے کہ اگر فقر کے ساتھ قناعت اور صبر ورضا بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور اور اس کا ثواب بہت ہی یادہ ہے اور چونکہ زہد کی ابتدا فقر پر صبر کرنا ہی ہے اس لئے صبر کا بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی اصل صبر کا بیان

صبر کے معنی اور انسان کے ساتھ اس کا اختصاص

حق تعالےٰ نے صبر کرنے والوں کے لئے اتنی صفات جمع فرمائی ہیں جو دوسروں کے لئے جمع نہیں فرمائیں چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ "صبر کیا کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے صبر کرنے والوں پر ان کے پروردگار کی رحمتیں ہیں اور مہربانی اور وہی راہ پانے ہیں صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے شمار دیا جائے گا" وغیرہ وغیرہ کلام مجید میں کچھ اوپر ستر جگہ صبر کا ذکر آیا ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صبر نصف ایمان ہے اور جنت[1] کے خزانوں میں کا ایک خزانہ[2] ہے جس شخص کو یہ خصلت مرحمت ہوئی وہ بڑا سعادت نصیب ہے شب بیدار اور صائم الدہر سے اس کا درجہ افضل ہے، صبر کے حقیقی معنی ہوائے[3] نفس کے مقابلہ میں خدا کے حکم پر مستقل اور ثابت قدم رہنے کے ہیں اور یہ صرف انسان ہی کو حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس پر دو مخالف لشکر مسلط اور حملہ آور ہیں جن میں ایک خدائی لشکر یعنی فرشتوں اور عقل و شریعت کا لشکر ہے جن کا مقصود یہ ہے کہ انسان کو اپنے قابو میں لائیں اور ہدایت پر قائم رکھیں اور دوسرا شیطانی لشکر یعنی غیظ و غضب اور نفس کی خواہشوں اور اس کے اسباب کا لشکر ہے۔ جو چاہتا ہے کہ انسان کو اپنے قبضہ میں رکھے اور پابند ہوا و ہوس بنائے انسان کو بالغ ہو کر دونوں میں امتیاز کرنا اور شیطانی گروہ سے جنگ و جدال کرنا پڑتا ہے پس اگر عقل کو غلبہ ہوا کہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ پر استقلال نصیب ہوا تو صبر کا مرتبہ اس کو حاصل ہو گیا اور چونکہ بہائم میں صرف شہوات و خواہشات کا مادہ ہے عقل اور دین کا شعور نہیں ہے اور فرشتوں میں صرف قرب خداوندی کی استعداد پیدا کی گئی ہے وہ شہواتِ نفسانی اور غیظ و غضب سے بالکل منزہ[5] ہیں کہ ہر وقت تسبیح و تہلیل[6] میں

[1] ابونعیم صحیح ۱۲ [2] غزلی اور کنوز الحقائق ۱۲ [3] عراقی کہتے ہیں کہ ملی نہیں ۱۲ [4] خواہش ۱۲
[5] پاک ۱۲ [6] سبحان اللہ کہنا اور لا الٰہ الا اللہ کہنا ۱۲ ؞

مشغول رہتے ہیں اور جانتے ہی نہیں کہ شہوت کیا چیز ہے۔ لہٰذا صبر کا مرتبہ ان دونوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا
اور انسانوں میں چونکہ دونوں متضاد[1] صفتیں موجود ہیں یعنی خواہشاتِ نفسانیہ بھی ہیں اور بھلا برا سمجھنے کا شعور
اور عقل و فطرتِ سلیمہ بھی موجود ہے پس ایک کو مغلوب اور دوسرے کو غالب کرنا جس کا نام صبر ہے انسان
ہی کے لئے مخصوص ہے یاد رکھو کہ جب یہ دونوں حالتیں اپنا اپنا رنگ جمانا چاہتی ہیں تو اس وقت انسان کو
عقل سے کام لینے اور اپنا انجام سوچنے کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ دین کو غالب رکھ کر مقامِ صبر پر پہونچے اس
کی مثال ایسی ہے جیسے مریض کو تلخ دوا دی جاتی ہے تو طالبِ لذتِ ذائقہ اور مزہ تو یہ چاہتا ہے کہ
اس کو پاس نہ آنے دے اور عقل چاہتی ہے کہ اگرچہ اس کی تلخی ناگوار گذرے گی مگر آنکھیں بند کر کے
جبراً و قہراً پی لی جائے تاکہ شفا جلد حاصل ہو پس اگر عقل کو غلبہ ہوگا تو بے شک دوا کی تلخی پر صبر کیا
جائے گا۔ اسی طرح اگر دینی معاملہ میں عقل اور فطرتِ سلیمہ کو غلبہ ہوگا تو ضرور ہے کہ ریاضت اور مجاہدہ
کی دشواریوں کو برداشت کیا جائے گا اور چونکہ ایمان نام ہے علم اور عمل کا اور عمل کی دو جانبیں ہیں۔
جس میں بعض کا کرنا مقصود ہے اور بعض سے باز رہنا۔ اسی طرح اخلاق و عادات میں عاداتِ محمودہ
سے آراستہ ہونا ضروری ہے اور خصائلِ رذیلہ سے خالی اور پاک رہنا لازمی ہے اور یہ درجہ بغیر صبر کے
حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا جناب[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو آدھا ایمان فرمایا ہے اور چونکہ صبر کبھی
شہوت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور کبھی غصہ کے مقابلہ میں اور روزہ شہوت کے توڑنے کا نام ہے لہٰذا روزہ
کو نصف صبر ارشاد فرمایا[3] ہے یاد رکھو کہ صبر کے تین درجے ہیں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ شہوت اور ہوائے نفس کے
مادہ ہی کا قلع قمع ہو جائے کہ اس کو مقابلہ کی قدرت ہی نہ رہے اور اس پر ثبات دلقا نصیب ہو۔ اور
انھیں نفوس کو نفسِ مطمئنہ کے خطاب سے مخاطب بنا کر مرتے وقت بشارت دی جائے گی کہ اے نفسِ
مطمئنہ چل اپنے پروردگار کی طرف کہ تو اللہ سے راضی اور اللہ تجھ سے راضی اور ادنیٰ درجہ اس کا
یہ ہے کہ ہوائے نفسانی غالب آجائے اور قلب شیطانی لشکر کے حوالہ ہو جائے ایسی خطرناک حالت
والوں کو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرا فرمان صادر ہو چکا کہ میں تم سے جہنم بھر دوں گا" اور ایسے لوگوں کی
دو علامتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایسا شخص کہا کرتا ہے کہ مجھے توبہ کا شوق تو ہے مگر مجبور ہوں [illegible] اور
اسی لئے اب اس کی کچھ خواہش بھی نہیں رہی یہ یاس اور ناامیدی کا درجہ ہے جو [illegible]
امید نہیں دوسری علامت یہ ہے کہ توبہ کا شوق بھی نہ رہے اور کہنے لگے کہ [illegible]
میری توبہ کی کچھ پروا نہیں ہے اگر توبہ کئے بغیر وہ مجھکو جنت میں بھیجدیگا تو اس سے جنت تنگ نہیں ہو جائے
چھوٹی نہیں پڑ جائے گی اور خدا کی رحمتِ شاملہ میں کچھ کمی نہیں آ جائے گی۔ یہ بیچارہ کم عقل جو ہے
اس پابندِ ہوا و ہوس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مسلمان شخص کافروں کے ہاتھ میں قید ہو جائے۔ اور
کافر اس کو کبھی خنزیروں کے چرانے اور ان کے کھلانے پلانے کی خدمت سپرد کریں اور کبھی اس کی گردن اور

[1] ایک دوسرے کی ضد اور خلاف ۱۲ [2] ابونعیم صحیح ۱۲ [3] ابن ماجہ صحیح ۱۲

Marfat.com

مگر پتھر کے پیسے پیدا کر اپنے گھروں تک لیجائیں اور یہ اس ذلیل حالت کو ذلیل نہ سمجھے پھر بھلا اس کی نجات کی کیا صورت ہو سکتی ہے تمہیں بتلاؤ اگر بادشاہ کی کسی پیاری اولاد کو پکڑ کر کسی ذلیل دبے عزت غلام کے حوالے کر دیا جائے کہ وہ اس کو اپنا غلام بنائے پاؤں دلوائے اور جو چاہے خدمت لیا کرے تو اس بیچارہ شہزادہ کا کیا حال ہوگا؟ اسی طرح اس غفلت شعار مسلمان کا حال ہے جس نے حق تعالٰی[1] کے تقرب پر دنیائے دنی کو ترجیح دی اور حوائے نفسانی کا قیدی ہو گیا کہ توبہ اور توجہ الی اللہ کا شوق بھی اس کے دل سے جاتا رہا (نعوذ باللہ من ہذا الحال الردی[2]) متوسط درجہ یہ ہے کہ خدائی لشکر اور شیطانی گروہ میں جنگ جدال[3] قائم رہے کہ کبھی اس کا پلہ بھاری ہو جائے اور کبھی اس کا پلہ نہ اس کو کامل شکست ہو اور نہ اس کی کھلی ہوئی فتح پس اس قسم کے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اعمال صالحہ کو بدکاریوں میں خلط کر رکھا ہے امید ہے کہ حق تعالٰی اُن پر توجہ فرمائے۔" اس کی علامت یہ ہے کہ ضعیف خواہشوں کو ترک کرے اور زور آور شہوات کو نہ چھوڑ سکے اور نیز کبھی خواہشات کو چھوڑ دے اور کبھی ان کے ہاتھوں عاجز آ جائے مگر اپنے مغلوب ہونے پر حسرت و افسوس ضرور کرتا اور برابر اُس کوشش میں لگا رہے کہ کسی طرح نفس پر قابو حاصل ہو جائے تو بہتر ہے اسی کو جہاد اکبر[4] کہا گیا ہے اور اس میں اس کو دیکھنا ہے کہ کہاں تک فتح حاصل کرتا ہے اگر مغلوب رہا اور قوتِ عقل کو غلبہ نہ دے سکا تو بالکل جانور کے برابر ہے بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہوا کیونکہ اس میں تو عقل ہی نہیں اور اس میں باوجودیکہ عقل ہے مگر چوپایہ کی طرح اپنی خواہش نفس کے پورا کرنے میں مصروف ہے اور اگر غالب آ گیا تو کام بن گیا۔ **فصل** انسان تمام عمر ہر حالت میں صبر کا محتاج ہے کیونکہ دنیا میں دو ہی حالتیں ہیں یا اپنی مرضی کے موافق اور یا مخالف و ناگوار ہیں اگر مرضی اور منشا کے موافق حالت ہے مثلاً تندرستی، تونگری اولاد، عزت، جاہ سب کچھ حاصل ہے تب تو صبر کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ اگر نفس کی باگ نہ تھامے گا تو یہ سرکش شرارت کرے گا اور تنعم و تلذذ[5] میں بیباکانہ قدم رکھے گا یعنی خواہشات کے پیچھے ہوے گا اور ابتدا و انتہا سب بھول جائے گا۔ اسی لئے صحابہ کرام فرماتے ہیں۔ کہ ہم تنگی اور فقر کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صابر نکلے مگر فراخی و وسعت کے فتنہ میں مبتلا ہوئے تو صبر نہ کر سکے[6]۔" اور فراخی میں صبر کرنے کے یہی معنی ہیں کہ قلب کا میلان اس دنیا کی متاع کی جانب نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ جو کچھ بھی مجھے خدا کی سرکار سے عطا ہوا ہے وہ میرے پاس خدا کی امانت ہے جو عنقریب مجھ سے واپس لے لیا جائے گا۔ پس جب تک وہ میرے پاس رہے اس وقت تک مجھے شکر ادا کرنا چاہئے اور جب وہ چلی جائے تو رنجیدہ نہ ہونا چاہئے اور اگر خدا نخواستہ غفلت اور اتباع ہواہیں مشغول ہو گیا تو غافل کہا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنی خواہش کے مخالف حالت ہو اور اس کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم اُن طاعات پر صبر کرنا ہے جن سے نفس گھبراتا اور بھاگتا ہے مثلاً محض کسل کی وجہ سے نماز پڑھنی ناگوار ہے اور بخل کی وجہ سے زکوۃ

صبر کا متوسط درجہ اور اس کی علامت

خوشحالی میں صبر کی ضرورت اور اس کی ضرورت

طاعات پر صبر

[1] خدا کی طرف التفات ۱۲ [2] ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس بری حال سے ۱۲ [3] بڑی جنگ ۱۲ [4] نعمتوں و مزے ولذتیں بڑا ۱۲ [5] ترلری ۱۲ [6] یعنی نعمت کا پورا حق ادا نہ ہو سکا ۱۲

Marfat.com

دینی گراں گذرتی ہے اور کسل وبخل دونوں کی وجہ سے حج اور جہاد کرنا دشوار ہے پس نفس پر جبر کرنا اور طاعت پر صبر کرنا اگرچہ کیسا ہی گراں گذرے مگر ضروری ہے کہ اس گرانی کا متحمل ہو اور نفس کو زیر کرے اور جب نفس مطیع ہو گیا تو پھر تین قسم کے صبر کا حکم ہوگا۔ **اول** عبادت کے شروع کرنے سے پہلے اخلاص پیدا کرنا۔ ریا وغیرہ کا دور کرنا اور نفس کے مکر وفریب سے بچنا۔ **دوم** حالت عبادت میں صبر کرنا ضروری ہے تاکہ آداب وسنن ومستحبات کے ادا کرنے میں سستی یا کمی نہ ہو اور [illegible] آخر تک حضور قلب قائم رہے کہ شیطانی وسواس اور نفس کے خطرات[1] ایک لحظہ کے لئے بھی پاس نہ آویں۔ **سوم** فراغت پانے کے بعد صبر کرنے کی بڑی ضرورت ہے کہ ریا وسمعہ[2] کے طور پر اس کا اظہار اور لوگوں سے اپنی عبادت کا ذکر کرتا نہ پھرے۔ غرض صبر کی ہر جگہ ضرورت ہے اور وہ [illegible] نفس کو شاق گذرتا ہے **دوسری قسم**: معاصی سے صبر کرنا ہے۔ خاص کر ایسی معصیت سے جس کی نفس کو عادت ہو رہی ہو اور اس کا مزہ پڑا ہوا ہو کیونکہ یہاں خدائی لشکر یعنی عقل اور دین [illegible] لشکروں کا مقابلہ ہوتا ہے ایک شیطانی گروہ اور دوسرا اس کے ساتھ اس کا مددگار یعنی عادت [illegible] اور پھر خصوصاً عادت بھی ایسی چیزوں کی جن کے حاصل کرنے میں سہولت ہو کہ [illegible] کرنے کی بھی حاجت [illegible] جیسے جھوٹ بولنا جھگڑنا اور خودستائی وغیرہ کہ ان معصیتوں [illegible] ان سے بچنا اور صبر کرنا بڑے بہادر کا کام ہے **تیسری قسم**۔ ان چیزوں پر صبر کرنا ہے جو اگرچہ [illegible] میں ہیں مگر ان کا تدارک اور تلافی تمہارے قبضہ میں ضرور ہے مثلاً کسی [illegible] سے ایذا پہنچے [illegible] انتقام لے سکتے ہو مگر سہہ کر صبر کرو اور انتقام نہ لو [illegible] صبر کرنا [illegible] چنانچہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ "جب تک [illegible] ایذا پر صبر نہیں [illegible] تھے ہم اس کا ایمان [illegible] سمجھتے تھے" حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شان ہے کہ کافروں کی ایذائیں [illegible] اور یوں کہتے ہیں کہ ہم ان تکلیفوں پر ضرور صبر کریں گے جو تم ہم کو پہنچاتے ہو۔ **چوتھی قسم** [illegible] جو بالکل غیر اختیاری ہو۔ یعنی اس کی تلافی بھی اپنے اختیار میں نہ ہو جیسے کسی عزیز کے مرجانے یا مال کے برباد ہوجانے کی مصیبت یا کسی مرض وبیماری کا پیدا ہوجانا یا کسی عضو کا جاتا رہنا [illegible] تمام بلائیں اور حوادثات پر صبر کرنا چوتھی قسم میں داخل ہے اس کا بڑا درجہ ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے [illegible] کسی بندہ کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے یعنی شکایت [illegible] اس کا معاوضہ اس کو دیتا ہوں گوشت سے بہتر گوشت اور خون سے بہتر خون [illegible] ہوں تو گناہ معاف کر کے تندرست کرتا ہوں اور وفات دیتا ہوں تو پاک صاف کر کے اپنی رحمت کے جوار میں لیتا ہوں" غرض انسان کسی حالت میں صبر سے مستغنی نہیں ہے۔ وچونکہ صبر نصف ایمان ہے اور ایمان کا دوسرا نصف حصہ شکر ہے کیونکہ اسکو بھی تمام اعمال سے تعلق ہے اسلئے شکر کا بیان کرنا بھی [illegible]

---

[1] وسوسے ۱۲ [2] دکھاوا اور شہرت ۱۲

Marfat.com

پانچویں اصل شکر کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ شکر کروگے تو ہم تم کو زیادہ دینگے۔" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھانے والا شکر گذار بندہ روزہ دار صابر کی برابر ہے" تم نے سنا ہوگا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک عبادت کرتے کرتے ورم کر آتے تھے اور آپ تہجد میں گریہ و بکا بہت فرماتے تھے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے ہیں پھر آپ اس قدر گریہ و بکا کیوں فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اے عائشہ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ ہوں" واقعی شکر کا مرتبہ نہایت عالی اور صبر و خوف و زہد اور تمام مذکورہ مقامات سے بلند ہے کیونکہ جن اوصاف کا ذکر ہو چکا ہے اُن میں سے کوئی صفت بھی مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ سب مقصود بالغیر ہیں چنانچہ صبر تو اس لئے مقصود ہے کہ ہوائے نفس کا قلع قمع ہو جائے اور خوف اس لئے مطلوب ہے کہ کوڑے کا کام دے کر مقام مقصود تک پہنچائے اور زہد سے مقصود اُن تعلقات سے بھاگنا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بے توجہ کر رکھا ہے البتہ صرف شکر ایسی صفت ہے جو مقصود بالذات ہے اور فی نفسہ مطلوب ہے اور یہی وجہ ہے کہ شکر کا وجود جنت میں بھی ہوگا کہ توبہ و خوف اور زہد و صبر کی وہاں حاجت نہیں ہے اور شکر وہاں کی نعمتوں پر بندے ضرور ادا کرینگے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اہل جنت کا آخری قول الحمد للہ رب العٰلمین ہوگا" شکر ادا کرنے کے لئے شکر کی ماہیت معلوم ہونی ضرور ہے یعنی اول علم ہونا چاہئے کہ شکر کیا چیز ہے؟ اور جب یہ معلوم ہوگا تو ایک حالت خاص پیدا ہوگی اور پھر اُس حالت خاص کے بعد عمل متفرع ہوگا۔ شکر کے تین رکن ہیں جن کو ہم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں اول علم یعنی نعمت اور منعم سے واقف ہونا نیز یہ سمجھنا کہ تمام نعمتیں حق تعالیٰ ہی مرحمت فرماتا ہے اور جس قدر اسباب اور واسطے اُس نعمت کے ہم تک پہونچنے میں پیش آتے ہیں وہ سب اللہ پاک ہی کے قبضہ میں ہیں کہ اُس کے حکم بغیر نہ کوئی ذرہ حرکت کر سکتا ہے اور نہ کوئی چیز کسی کو مل سکتی ہے اور اس سمجھنے سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں ایک منعم سے خوش ہونا دوم اُس کی خدمت گذاری اور امتثال امر میں سرگرمی کرنا ان ہی دو حالتوں کا نام حال اور عمل ہے دوسرا رکن حال یعنی منعم کی اس نعمت پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ منعم کا عطیہ ہے اور خضوع و تذلل کی ہیئت ظاہر کرنا کیونکہ بادشاہ اگر کسی غلام کو گھوڑا بھیجے تو اسکی خوشی تین وجہ سے ہوتی ہے اول اس وجہ سے کہ کام کی چیز ہاتھ آئی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بیسیوں ضرورتیں رفع ہونگی دوم اس وجہ سے کہ یہ عطیہ بتلا رہا ہے کہ بادشاہ کی اس غلام پر توجہ اور عنایت ہے جس سے آئندہ کسی بڑی اور اس سے بھی زیادہ مفید نعمت کے ہاتھ آنے کی اُمید ہے۔ سوم اس وجہ سے کہ گھوڑا اس کی سواری بنے گا اور اُس پر سوار ہو کر اپنے منعم آقا کے حضور میں حاضر ہو کر شاہی خدمت بجا لا سکے گا ان میں سے پہلی وجہ تو کوئی چیز ہی نہیں کیونکہ وہ تو محض نعمت پر خوشی ہے منعم کی حیثیت اس میں ملحوظ نہیں

لہ مقصود مالک و رکنہ بخاری معلق و ترمذی مسند و حاکم و ابن ماجہ صحیح ۱۲ ۞ ابن حبان صحیح بکار و دنا ۱۲
شہ زاری اور ذلیل ہونا ۱۲ ۞ شکر ہے اللہ کا جو رب ہے تمام جہان کا ۱۲ منہ ؂

Marfat.com

ہے اور دوسری وجہ شکر میں داخل ضرور ہے مگر ضعیف ہے البتہ تیسری وجہ شکر کا درجۂ کمال ہے کیونکہ جو کچھ بھی حق تعالیٰ مرحمت فرما دے اس پر اس وجہ سے خوش ہونا کہ یہ چیز کوئی کار آمد چیز ہے ٹھیک نہیں ہے کیونکہ شکر کے یہ معنی ہیں کہ اس پر اس وجہ سے خوش ہو کہ یہ حق تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ ایسی نعمت پر خوشی نہ پیدا ہو جس کے سبب خدا سے غفلت پیدا ہو جائے اور ذکر الٰہی بھول جائے بلکہ ایسی حالت پر رنجیدہ ہو ہاں جب نعمت کے ذریعہ سے دنیاوی تفکرات رفع ہوں اور اطمینان قلب نصیب ہو یعنی خدا کی یاد میں اعانت حاصل ہو اس پر خوشی و مسرت ہونی چاہیئے پس جو شخص شکر کا یہ درجۂ کمال نہ حاصل کر سکے تو خیر وہ دوسرا درجہ حاصل کرے باقی پہلے درجہ کو تو شکر سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے تیسرا رکن عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضامندی میں استعمال کرنا۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ مخلوق کی پیدائش کے اغراض و مقاصد اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ کونسی چیز کس کس کام کے لئے پیدا ہوئی ہے مثلاً آنکھ اللہ کی ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے دیکھنے اور آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوق کے اس غرض سے مشاہدہ کرنے میں صرف کرے کہ عبرت حاصل ہو اور خالق برتر کی عظمت و کبریائی سے آگاہی حاصل ہو نیز ستر کے دیکھنے اور عورت پر نظر ڈالنے سے اس کو روکے رکھے اسی طرح کان ایک نعمت ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکر الٰہی اور ان باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت میں نفع دیں اور ہجو اور لغو اور فضول کلام سننے سے روکے زبان کو یاد خدا و ذکر و ثنا اور اظہار شکر میں مشغول رکھے اور تنگدستی یا تکلیف میں شکوہ و شکایت سے باز رکھے کہ اگر کوئی حال بھی پوچھے تو شکایت کا کلمہ نکلنے پائے کیونکہ شاہنشاہ کی شکایت ایسی ذلیل و بے بس غلام کے سامنے زبان سے نکلنی جو کچھ بھی نہیں کر سکتا بالکل فضول اور معصیت میں داخل ہے اور اگر شکر کا کلمہ زبان سے نکل گیا تو طاعت میں شمار ہوگا۔ قلب کا شکر یہ ہے کہ اس کو فکر و ذکر اور معرفت و اخلاص میں استعمال کرے اور صفات حمیدہ سے اس کو آراستہ کرے اور خصائل رذیلہ سے صاف و پاک رکھے غرض ہاتھ پاؤں تمام اعضاء اور مال و متاع و عزت و جاہ کا شکر یہی ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کی طاعت میں مشغول رکھا جائے

(فصل) درحقیقت کمال درجہ کا شکر تو وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کا شرح صدر ہو چکا ہے اور جن کے قلوب کے اندر حق تعالیٰ نے حکمت و معرفت کا نور بھر دیا ہے کہ وہ ہر چیز کے رموز اور [illegible] ہیں اور ہر شے میں اپنے محبوب کا جلوہ دیکھتے ہیں اور جس کو یہ درجہ حاصل نہ ہو اس کو سنت کا اتباع اور حدود شریعت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یعنی اس کو اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر مثلاً اس نے حرام پر نظر ڈالی تو آنکھ کی نعمت کا کفران ہوا اور نیز آفتاب اور ان تمام نعمتوں کی ناشکری ہوئی جن کو اعانت میں دخل ہے اور جن کے بغیر کچھ نظر نہیں آ سکتا کیونکہ آنکھ کے بغیر بینائی کام نہیں دیتی اور آفتاب کے بغیر آنکھ بیکار ہے

سلہ ۱ شکری ۱۲

Marfat.com

چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اندھیرے میں آنکھ کچھ بھی کام نہیں دے سکتی اور آفتاب اپنے وجود میں آسمان کا محتاج ہے پس آنکھ کی بدنظری کی ایک معصیت سے گویا آسمان و زمین سب ہی کا کفرانِ نعمت ہوگیا یہی حال تمام معصیتوں کا ہے کیونکہ تمام نعمتوں کا باہم تعلق وابستہ ہے اور ایک کو دوسرے سے اور دوسرے کو تیسرے سے ایسا علاقہ ہے جو ذرا غور کرنے سے سمجھ میں آسکتا ہے یہاں سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان کئے دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے روپیہ اشرفی یعنی ثمن[1] نقد کو بمنزلہ حاکم کے بنایا ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام اموال کی قیمت قرار پائے اور اشیاء مختلفہ کے ارزاں و گراں ہونے کا باہمی فرق و امتیاز ظاہر ہو پس اگر ثمن نقد یعنی چاندی و سونا نہ ہو تو کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے کہ کپڑا زعفران کے بدلے کیونکر خریدا جائے اور اناج گھوڑے کے عوض کس طرح فروخت کیا جائے اس لئے کہ ان میں باہم کوئی مناسبت نہیں ہے اگر ہے تو صرف یہی ہے کہ نفسِ مالیت دونوں میں مشترک ہے یعنی ثمنیت اور نقدی جس کو چاندی و سونا کہتے ہیں کم و بیش دونوں میں پائی جاتی ہے اور یہی تمام چیزوں کی مقدار کا معیار[2] ہے پس اگر کپڑا ایک روپیہ گز کا ہے اور زعفران پچاس روپے سیر کی تو اس سے اندازہ ہوگیا کہ پچاس گز کپڑے کے بدلے سیر بھر زعفران خریدنی چاہئے اور پچاس گز کپڑا ا سیر بھر زعفران کے مساوی ہے۔ غرض یہ ثمن و نقدی نہ ہو تو تمام معاملات میں رد و بدل ہو جائے اور جملہ اشیاء میں گڑبڑ مچ جائے اس لئے اگر کسی شخص نے اس کو اکٹھا کرکے زمین میں گاڑ دیا یا خزانہ بنا کر مقفل کر دیا تو گویا حاکم کو مسندِ حکومت سے اتار کر بیکار محض بنا دیا اور مقید کر لیا اور جس شخص نے اس کے برتن بنالئے مثلاً پانی پینے کا گلاس اور سالن اتارنے کی رکابی تو گویا حاکم کو جولاہے اور کاشتکار کے کام میں لگا دیا حالانکہ یہ ادسط درجہ کے کام دوسرے ادنے درجے کے خدمتگار بھی کر سکتے تھے پس یہ سزا قید سے بھی زیادہ سخت ہوئی اور جس شخص نے سود لینا شروع کر دیا اور روپیہ اشرفی کے لین دین کو مالی ترقی اور تکثیر مال کا ذریعہ بنا لیا کہ صرافہ کے ذریعہ سے چاندی و سونے کی ذات کو مقصود تجارت ٹھیرا لیا تو اس نے گویا حاکم کو اپنا غلام بنا لیا تاکہ وہ گھاس کاٹ کر لایا کرے اور جھاڑو دیا کرے حالانکہ یہ سب صورتیں صریح ظلم ہیں اور حکمتِ خداوندی میں تغیر و تبدل کا پیدا کرنا ہے گویا کہ حق تعالےٰ سے عداوت ہے جس کی بنا پر محاربہ و جنگ کا پیام دیا گیا ہے غرض جس شخص کو نورِ معرفت حاصل نہیں اور یہ رموز اس کو نظر نہیں آتے تو وہ شریعت کی زبان سے صورت تو سمجھ ہی لیگا اگرچہ معنی نہ سمجھے پس اس کو احکام شرعی سنائے جائیں گے کہ دیکھو حق تعالیٰ فرماتا ہے "جو لوگ چاندی اور سونے کا خزانہ بناتے اور جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو قیامت کے دن جمع کئے ہوئے مال اُن کے منہ اور پیٹھوں پر داغ دیئے جائیں گے" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[3] کہ جس شخص نے چاندی اور سونے کے برتن میں پیا گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ کے گھونٹ اتار رہا ہے اور حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن قبروں سے اس طرح اُٹھیں گے جیسے

[1] ثمن سے مراد سکہ ۱۲ [2] کسوٹی ۱۲ [3] بخاری و مسلم ۱۲

Marfat.com

آسیب زدہ"۔ ان آیات و احادیث سے معلوم ہوگیا کہ اموال اور اشیاء عالم کے حاکم یعنی زر نقد کا جمع کرنا اور برتن بنانے اور سود پر چلانا یعنی صرافہ کرنا تینوں حرام اور خلاف مقتضائے حکمت خداوندی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ اہل بصیرت ان رموز و اسرار سے چونکہ واقف ہوتے ہیں لہٰذا اُن کا علم دلائل و احکام شرعیہ سے دو بالا ہوکر نورٌ علیٰ نور کا مصداق بنجاتا ہے اور نیکوکار مسلمان جو ان اسرار تک نہیں پہنچ سکتے ہیں وہ حدودِ شرعیہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور جو لوگ اندھے اور جاہل ہیں وہ دونوں سے محروم رہتے ہیں ایسے ہی لوگوں سے جہنم بھری جائے گی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد تم پر نازل ہوئے احکام کو جو شخص حق سمجھتا ہے وہ اور راہِ مستقیم سے اندھا کیا برابر ہو سکتے ہیں؟ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جس نے میری نصیحت سے اعراض کیا اس کو تنگ معیشت ملے گی اور قیامت کے دن اندھا اٹھایا جائے گا تب وہ پوچھے گا کہ "مجھے کیوں اندھا اٹھایا؟ ہم جواب دینگے کہ" ہماری نشانیاں تجھ تک پہنچی تھیں پس تو نے ان کو بھلا دیا تھا۔ سو آج ہم بھی تجکو اسی طرح بھلا دیں گے"۔ اور نشانیوں سے مراد وہی حکمت و مصلحت اور اسرار و رموز ہیں جو ہر چیز کے پیدا کرنے میں ملحوظ ہیں اور جن پر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے لوگوں کو مطلع کر دیا گیا کہ ہر زمانہ میں حاملان شریعت علماء و فقہاء اُن کو مفصل بیان کرتے رہے ہیں پس یاد رکھو کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں حکمت اور رمز و خاصیت نہ ہو پس جو شخص انکو سمجھ جاتا ہے وہ تو سمجھ جاتا ہے اور جو نہیں سمجھتا وہ ان کا انکار کرنے لگتا ہے اور یہ انکار کرنا شکر کے خلاف ہے اور چونکہ شکر کا کامل درجہ وہی حاصل کر سکتا ہے جس میں سچا اخلاص ہو اور کسی عمل میں سوائے اللہ کی نیت کا شائبہ بھی نہ ہو لہٰذا مناسب ہے کہ اخلاص اور صدق کا ذکر کر دیں۔

چھٹی اصل اخلاص اور صدق کا بیان

اخلاص کی اصل مسلمان کی نیت ہے کیونکہ نیت ہی میں اخلاص ہوا کرتا ہے اور اخلاص کا کمال صدق ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت میں کسی شے کی آمیزش نہ ہو اس لیے ان تینوں رکنوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے رکنِ اول نیت حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد اپنے پاس سے ان کو علیحدہ نہ کرو جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں درانحالیکہ اُسی کی ذات کو چاہتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیت سے مراد یہ ہے کہ عمل سے حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے کچھ لوگوں[2] کے صحیفۂ اعمال حق تعالیٰ کے سامنے پیش ہونگے اور حق تعالیٰ فرمائے گا کہ ان کو پھینک دو کیوں کہ ان اعمال سے ان کو میری ذات مقصود نہ تھی اور کچھ بندوں کا نامۂ اعمال پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ فلاں فلاں عمل اور درج کر دو فرشتے عرض کرینگے کہ بارالٰہا وہ اعمال تو اس نے کئے ہی نہیں تھے حکم ہوگا ان اعمال کی اس نے نیت تو کی تھی اور اس کا ہم کو علم ہے حدیث[3] میں آیا ہے کہ آدمی چار طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جسے حق تعالیٰ نے مال

[1] بخاری و مسلم وغیرہ ۱۲ [2] مصنف ابن قریب قریب دارقطنی ۱۲ [3] ابن ماجہ بسند صحیح ۱۲

Marfat.com

بھی دیا اور علم بھی دیا اور بمقتضائے علم اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے دوسرا وہ جو اس شخص کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر حق تعالیٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرمائے تو میں بھی اسی طرح خیرات کردوں یہ دونوں شخص اجر میں مساوی ہیں تیسرا وہ شخص ہے جس کو صرف مال عطا ہوا اور علم عطا نہیں ہوا اور یہ شخص جہالت کے سبب گڑبڑ مچاتا اور فضول وبیجا مال اُڑا رہا ہے اور چوتھا شخص وہ ہے جو اُس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر مجکو مال ملجائے تو میں بھی اسی طرح مزے اڑاؤں اور عیش کروں پس یہ دونوں شخص گناہ میں مساوی اور برابر ہیں بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا قصہ ہے کہ قحط سالی میں ریت کے ٹیلہ پر اس کا گذر ہوا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر یہ ریت کا ٹیلہ اناج بنجائے تو میں اس کو لوگوں میں تقسیم کردوں"۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی پر وحی بھیجی کہ اُس شخص سے کہدو کہ خدا نے تمہاری خیرات قبول کی اور نیک نیتی کی قدر فرمائی اور اسی قدر ثواب عطا کیا جتنا ٹیلہ کی مقدار اناج کے مساکین پر خیرات کردینے پر ملتا"۔

نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے

خوب سمجھ لو کہ نیت کو عمل میں بڑا دخل ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۵۰] کہ جو شخص عورت سے کسی مقدار مہر پر نکاح کرے اور اس کے ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہ نکاح نہیں بلکہ زنا ہے اور جو شخص کسی سے قرض لے کر اُس کے دینے کا قصد نہ ہو تو یہ قرض نہیں بلکہ سرقہ اور چوری ہے"۔

نیت کی ماہیت و حقیقت

نیت کے معنے ارادے اور قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ہر کام کے لئے اول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اس کے عمل میں لانے کا قصد وارادہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے گویا قدرت قصد وارادہ کی خادم ہے اسکی مثال یوں سمجھو کہ تمہارے اندر کھانے کی خواہش رکھی ہوئی ہے مگر وہ ایسی دبی ہوئی ہے کہ جیسے کوئی سویا ہوتا ہے اور جس وقت تمہاری نظر کھانے پر پڑی اور طعام کا علم ہوا اسی وقت وہ جاگ اُٹھی اور اُس کے کھانے کا قصد ہوا اس کے بعد اس کی طرف ہاتھ بڑھے گا اور وہ قوت اپنا کام کرے گی جو خواہش طعام کے اٹھانے کی مطیع بنائی گئی ہے غرض آنکھ کے مشاہدہ سے معرفت وعلم حاصل ہوگا اور معرفت کی وجہ سے خواہش بیدار ہوگی اور قصد پیدا ہوگا اور یہ قصد خداداد قوت کے ذریعہ سے ہاتھ کو حرکت دلائے گا اور کھانا کھلائے گا۔ اسی طرح تمہارے اندر اُن لذتوں کی بھی خواہش رکھی ہوئی ہے جو تم کو آخرت میں ملنے والی ہیں اور جن کا علم عقل اور شرع کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہے اور قدرت چونکہ اس خواہش ومیلان کی بھی خادم ہے لہذا وہ اعضاء کو حرکت دیگی اور خواہش کو پورا کرائیگی پس وہی عزم وپختہ میلان جس نے قوت کو ہاتھ پاؤں ہلانے پر آمادہ کیا نیت کہلاتا ہے مثلاً جہاد میں جانے والا شخص اپنے گھر سے نکلا تو دیکھو اسکو گھر سے باہر نکالنے والا باعث ومحرک کیا چیز ہے؟ یعنی اگر ثواب آخرت ہے تو بس یہی اس کی نیت ہے اور اگر اس کا باعث مال غنیمت یا شہرت ونیک نامی کا حاصل کرنا ہے تو اسی کو اس کی نیت کہا جائے گا۔

نیت متعدد ہونے سے ایک عمل پر متعدد اعمال کا ثواب ملتا ہے۔

فصل جب نیت کی فضیلت اور ضرورت اور تاثیر تم کو معلوم ہوگئی تو اب ایک ایک عمل میں کئی کئی ثواب حق تعالیٰ سے لینے کی کوشش

۵۰: طبرانی۔ راوی سب ثقہ ہیں ؛ ؛

Marfat.com

کرنی چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک عمل میں کئی کئی نیتیں ہوں مثال کے لیے ایک صورت بیان کیے دیتے ہیں مثلاً مسجد میں جانا اور بیٹھنا ایک عبادت ہے مگر اس میں سات کاموں کی نیت ہو سکتی ہے اول یہ سمجھنا کہ مسجد اللہ کا گھر ہے اور یہاں آنے والا شخص گویا خدا کی زیارت کو آتا ہے . . . .

. . . پس مسجد میں آتے وقت تم یہی نیت کرو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ جو شخص مسجد میں آیا وہ اللہ کی زیارت کو آیا ہے اور چونکہ زیارت کو آنیوالے شخص کی عزت ہوا کرتی ہے لہٰذا حق تعالیٰ اپنے زائر کا جتنا اکرام فرمائے گا اس کو تم خود سمجھ سکتے ہو کہ کیا کچھ ہوگا دوم مرابطہ یعنی نماز کے انتظار کی نیت کرو کہ حقِ خداوندی کی محافظت کے لئے اپنے آپ کو مسجد میں[2] بٹھائے ہوئے اور گویا وقف کئے ہوئے ہو پس حق تعالیٰ کے حکم وَرَابِطُوا[3] کی تعمیل ہوگی اور اس کا اجر جدا ملے گا۔ سوم۔ اعتکاف کی نیت کرو اور اعتکاف کے معنی یہ ہیں کہ آنکھ، کان، زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ تمام اعضاء کو انکی معمولی اور معتاد حرکتوں سے روک لیا جائے اور یہ بھی ایک قسم کا روزہ ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[4] کہ میری اُمت کی رہبانیت یہی ہے کہ وہ مساجد میں آ بیٹھیں" چہارم۔ خلوت کی نیت کرو کہ مشاغل مرتفع ہونے سے فکرِ آخرت کی استعداد اور ذکرِ الٰہی کے سننے اور سنانے کے لئے تجرد و عزلت حاصل ہو دیکھو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[5] کہ جو شخص مسجد کی جانب اس لئے روانہ ہو کہ اللہ کا ذکر کرے یا سنے تو وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی مثل ہے" پنجم اسکی نیت کرو کہ جو لوگ بے نمازی ہیں اُن کو تنبہ ہوگا اور نماز کو بھولے ہوئے لوگ بھی تمہاری دیکھا دیکھی نماز کو اٹھ کھڑے ہونگے پس تمہارا نماز کو جانا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجا لائیگا کہ کارِ خیر کی ترغیب دی اور معصیت سے روکا اور اس وجہ سے اُن کے ثواب میں تم بھی شریک ہوئے۔ ششم۔ مسجد میں جانے سے دوسرے مسلمانوں سے کچھ نہ کچھ اُخروی فائدہ حاصل ہوگا جو تمہارے لئے دارِ آخرت کا ذخیرہ بنے گا۔ ہفتم۔ خدا کے گھر میں بیٹھوگے تو کچھ حیا و شرم آئے گی اور گناہ کی جرأت کچھ کم ہو جائے گی کہ حاکم کی [illegible] ذات اس کی مخالفت سے روکا کرتی ہے لہٰذا اس کی بھی نیت کرو۔ غرض اسی طرح ہر عمل میں کئی کئی نیتیں ہو سکتی ہیں جن کی بدولت زندگی کے چند عمل تمہارے حق میں ہزاروں نیکیاں بنیں گے اور حضرت مقربین کے اعمال کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے اسی طرح یہ بھی یاد رکھو کہ عمل میں معصیت کی نیت کرنے سے ایک گناہ کئی کئی گناہ بنکر شیطان کے اعمال کے مساوی ہو جاتا ہے مثلاً مسجد میں اگر بیٹھنے سے فضول باتیں بنانی مقصود ہوں یا مسلمانوں کی ہتک و آبروریزی یا ہنسی و مذاق اڑانے کی نیت ہو یا اُن عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا نظارہ مقصود ہو جو نماز کے لئے مسجد میں آتے جاتے ہیں اور مناظرہ اور یا زبان درازی سے اپنے حریف کو ساکت کر کے سامعین مجمع کے دلوں میں اپنی دھاک پیدا کرنی مقصود ہو یا اور کسی بُرے کام کی نیت ہو تو یہ ایک فعل کئی گناہوں کا مجموعہ ہو جاتا ہے

[1] طبرانی صحیح ۱۲ [2] ...ی ۱۲ [3] یعنی ایک نماز کے بعد دوسری کا انتظار کرنا و مشغول ۱۲ [4] ... واقف کہتے ہیں کہ نہیں ملی ۱۲ [5] یہ قول احبار تابعی کا ہے طبرانی کی حدیث میں بجائے ذکر کے یہ ہے کہ نیکی سیکھے یا سکھائے تو کامل حج کا ثواب ملے ۱۲ [6] ہر وقت خیال رکھنا ۱۲

Marfat.com

مناسب ہے کہ مباح کام کے اندر بھی اچھی نیت کر لینے سے غفلت نہ کی جائے کیونکہ حدیث[۱] میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندے سے اس کے ہر کام کی بازپرس ہو گی حتیٰ کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور کسی کے کپڑے کو چھونے اور انگلیوں سے مٹی کریدنے تک کا سوال ہو گا کہ کیوں کیا تھا؟ اور مباح کام میں نیت کرنے کی یہ صورت ہے کہ مثلاً جمعہ کے دن اگر خوشبو لگائی ہو تو یا تو یہ نیت ہو گی کہ اپنی ثروت و تونگری ظاہر ہو یا یہ مقصود ہو گا کہ خوشبو سے نفس کو لذت حاصل ہو گی یا یہ ارادہ ہو گا کہ اس طرح بن سنور کر جاؤں گا تو عورتیں میری گرویدہ ہوں گی۔ اور یہ سب نیتیں لغو اور معصیت ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ یہ نیت ہو کہ جمعہ کے دن خوشبو لگانا سنت کا اتباع یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدا ہے اور حق تعالیٰ کے گھر کی تعظیم ہے اور جمعہ کے دن کا احترام ہے اور مسلمانوں کو بدبو کی ایذا سے بچانا اور بوئے خوش سے ان کو راحت پہونچانا اور غیبت کے دروازے کا بند کرنا ہے کہ لوگ بدبو سونگھیں گے تو دوسروں سے غیبت کرتے پھریں گے کہ فلاں شخص کے کپڑوں سے بڑی بدبو آتی تھی۔ انہیں دونوں فریق کی جانب حدیث[۲] میں اشارہ ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے واسطے خوشبو لگائی وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ مشک سے زیادہ خوشبو اس سے مہکے گی اور جو اللہ کے سوا کسی دوسری غرض سے خوشبو لگائے گا وہ ایسی حالت پر اٹھے گا کہ مردار سے زیادہ بدبو پھوٹے گی۔ رکن دوم۔ اخلاص نیت حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگوں کو اسی کا حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں مخلص بنکر اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت سنواری اور اللہ کو مضبوط تھاما اور اپنے دین میں اللہ واسطے اخلاص کیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۳] کہ جس شخص نے چالیس دن اخلاص کے ساتھ کوئی نیک عمل کر لیا تو حق تعالیٰ اس کے قلب سے زبان سے حکمت کے چشمے بہا دے گا۔" اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ نیت صرف ایک ہی شے کی ہو یعنی عمل کا محرک یا صرف ریا ہو اور یا محض رضائے حق۔ ان دونوں پر اخلاص کے لغوی معنی صادق آتے ہیں کیونکہ خالص اسی شے کو کہتے ہیں جس میں کسی دوسری جنس کی آمیزش نہ ہو۔ مگر اصطلاح شرع میں اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ محض حق تعالیٰ کی ذات مقصود ہو کیونکہ ماسوی کی جانب میلان اور قصد کرنے پر شرعاً اخلاص کا اطلاق نہیں ہوتا جس طرح الحاد کے معنی مطلق میلان کے ہیں خواہ بھلائی کی جانب یا برائی کی طرف مگر شرعاً صرف باطل کی جانب مائل ہونے کا نام الحاد ہے اسی طرح عبادت سے مقصود اگر محض عبادت ہے تب تو اخلاص کہلائے گا اور اگر اس میں ریا اور دکھاوے کی آمیزش ہے یا عبادت کے ضمن میں دنیا کے کسی فائدہ کا بھی ارادہ شامل ہے تو اس کو اخلاص نہیں کہیں گے مثلاً روزہ رکھنے سے مقصود یہ بھی ہو کہ روزہ رکھنا عبادت ہے اور یہ بھی مقصود ہو کہ کھانے پینے کا پرہیز کرنے سے بیماری کو بھی نفع ہو گا پس ایک کام میں دو نیتیں شامل ہوئیں تو اسکو اخلاص نہ کہیں گے یا مثلاً غلام کے آزاد کرنے سے یہ بھی مقصود ہو کہ یہ عبادت ہے اور یہ بھی مقصود

[۱] حلیۃ الاولیاء از زبیدی ۱۲ [۲] ابو الولید الصفار مرسل ۱۲ [۳] ابو نعیم ضعیف ۱۲

Marfat.com

کہ اس طرح پر غلام کے کھانے کپڑے کے بوجھ سے سبکدوش ہو جائیں گے یا مثلاً حج سے یہ بھی مقصود ہو کہ وہ نیک کام اور عند اللہ محبوب ہے اور یہ بھی نیت ہو کہ حج کرنے سے سفر میں حرکت ہو گی اور حرکت سے مزاج صحت و اعتدال پر آجائے گا یا اہل و عیال کے بارسے چند روز کے لئے خلاصی مل جائے گی یا دشمنوں کی ایذاؤں سے کچھ دنوں کے لئے نجات حاصل ہو گی یا ایک جگہ رہتے رہتے دل رکتا گیا ہے پس سفر میں دل بھی بہل جائے گا۔ یا مثلاً وضو کیا مگر اس نیت سے کہ لطافت حاصل ہو اور بدن کا میل کچیل دور ہو جائے یا مثلاً اعتکاف کیا تاکہ گھر کے کرایہ سے سبکدوشی ہو۔ یا کسی بیمار کی عیادت کی مگر اس نیت سے کہ تمہارے بیمار ہونے پر وہ تمہاری عیادت کو آئے یا مثلاً فقیر کو اس نیت سے کچھ دیا کہ وہ سر ہو رہا اور غل مچا رہا تھا پس اس کا شور رفع ہو جائے گا وغیر ذلک یہ سب خیالات اخلاص کے منافی ہیں اور ان کا رفع ہونا دشوار ہے اسی لئے بعض اہل بصیرت کا قول ہے کہ اگر ایک ساعت بھی اخلاص حاصل ہو جائے تو نجات مل جائے حضرت سلیمان دارانی رحمہ فرماتے ہیں مبارک ہو اس کو جس کا ایک قدم بھی ایسا اٹھا جس سے مقصود خدا ہی کی ذات ہو۔ حضرت معروف کرخیؒ اپنے نفس کو مارتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے نفس اخلاص پیدا کر تاکہ خلاصی حاصل ہو۔ مگر ہاں یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ ان نیتوں کی آمیزش کئی طرح پر ہوا کرتی ہے یعنی کبھی تو یہ نیتیں عبادت کی نیت پر غالب آجاتی ہیں اور کبھی مغلوب رہتی ہیں اور کبھی مساوی ہوتی ہیں پس اگر مباح کاموں کے اندر رضائے حق تعالیٰ شانہ کا قصد کچھ بھی شامل ہو جائے گا تو اس کا بھی ضرور ثواب ملے گا۔ مگر عبادت کے اندر خلاص کا حکم ہے لہذا یہاں عبادت کی نیت کے ساتھ اگر دوسرے مقصود کی کچھ بھی آمیزش ہو گی تو اخلاص باطل ہو جائے گا اور اگر وہ آمیزش غالب ہے اور قصد عبادت مغلوب ہے تب تو عبادت بالکل ہی باطل اور بیکار رہے تیسرا رکن صدق ہے اور یہی اخلاص کا کمال ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہمارے بندے وہ ہیں جو اپنے عہد میں سچے ثابت ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان سچ بولتا اور اسی کا جویاں بنا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے یہاں صدیق لکھوا دیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت حق تعالیٰ نے صدیق فرمائی ہے اور صدق کی فضیلت اسی سے ظاہر ہے کہ صدیقین کا درجہ ہے صدق کے چھ درجے ہیں اور جو شخص چھیوں میں کمال حاصل کرتا ہے وہ صدیق کے خطاب کا سزاوار ہوتا ہے پہلا درجہ۔ قول۔ صدق کا ہے کہ ہر حالت میں سچ بولے [illegible] دو میں اول تعریض سے بھی پرہیز کرے کیونکہ تعریض اگرچہ سچ ہی میں داخل ہے مگر جبر بھی سننے والا اس سے خلاف واقعہ مضمون سمجھتا ہے لہذا اس سے بھی احتراز کرے کیونکہ جھوٹا ہونے کی حرمت کا سبب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے قلب کی صورت میں کجی آجاتی ہے اور وہ حق کی تجلی کے قابل نہیں رہتا چنانچہ ایسے شخص کو خواب بھی سچا نظر نہیں آتا اور تعریض کا اگرچہ یہ ثمرہ نہیں ہے تاہم اصلی صورت

سلہ بخاری و مسلم ۱۲

چونکہ جھوٹ کے مشابہ ہے اس لئے اندیشہ ضرور ہے پس صدیق کی شان کے مناسب یہی ہے کہ بلا ضرورت خاص دوسرے کو تعریض کے ذریعہ سے بھی واقع کے خلاف امر کا دھوکہ نہ دے۔ دوسرا کمال یہ ہے کہ ان اقوال میں بھی صدق کا لحاظ رکھے جو حق تعالےٰ کے سامنے عرض کرتا ہے مثلاً نماز میں زبان سے کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ پس اگر اس کے دل میں بھی ماسوی اللہ کا خیال نہیں ہے تب تو وہ قول میں سچا ہے ورنہ جھوٹا۔ یا مثلاً کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہ کہ تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں۔ پس اگر دل کے اندر زر کی طلب اور مال کی محبت موجود ہے تو یہ بھی کذب ہے کیونکہ اظہار تو خدا کے معبود اور اپنے بندے ہونے کا کر رہا ہے اور دل بندۂ زر اور بندۂ دنیا بنا ہوا ہے دوسرا درجہ نیت میں سچا ہونے کا ہے یعنی ایسا اخلاص کہ جس میں عبادت اور فعل خیر کے مقصد کے سوا کسی دوسرے قصد کی مطلق آمیزش نہ نہ ہو۔ تیسرا درجہ عزم میں سچا ہونے کا ہے انسان اکثر عزم کرتا ہے کہ اگر مجھے مال ملا تو اتنی خیرات کروں گا یا مثلاً خیال ہوتا ہے کہ حکومت ہاتھ آئے تو عدل کروں گا۔ پس اس کا نام عزم ہے۔ مگر بعض لوگوں کے عزم میں پختگی ہوتی ہے اور کہیں تردد و تذبذب[1]۔ اسی طرح صدیقین کے عزم بھی متفاوت ہوتے ہیں جن میں اعلےٰ درجہ یہ ہے کہ اگرچہ جان جاتی رہے مگر عزم میں ضعف یا تذبذب نہ آنے پائے جیسے حضرت فاروق رضؓ فرماتے ہیں کہ میری گردن اڑا دی جائے تو یہ مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اس گروہ پر حاکم بنوں جس میں ابوبکرؓ موجود ہوں۔ پس عزم کے قوی اور مضبوط ہونے ہی کا نام عزم کا سچا ہونا ہے۔ چوتھا درجہ عزم کے پورا کرنے میں سچائی کا ہے کیونکہ اکثر انسان کا عزم تو پختہ ہوتا ہے مگر پورا کرتے وقت کاہل اور سست بنجاتا ہے مثلاً مال ہاتھ آیا تو صدقہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور حکومت ملی تو عدل و انصاف نہ ہو سکا لانکہ امتحان کا یہی وقت ہے کیونکہ دل میں عزم کر لینا تو کچھ دشوار نہ تھا تکلیف اٹھانے کا موقع تو اس عزم کے پورا کرتے وقت ہی پیش آیا ہے اور اسی لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض شخص ایسے بھی ہیں جو اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ اگر ہم کو مال عطا ہوا تو ضرور خیرات کریں گے مگر جب اللہ پاک نے اپنے فضل سے ان کو مال مرحمت فرمایا تو بخل کرنے اور منہ پھیرنے لگے انجام یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے قلوب میں نفاق پیدا کر دیا۔ پانچواں درجہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن یکساں ہو یعنی ظاہری حالت بھی وہی ہو جو واقع میں باطن کی حالت ہو مثلاً نرم چال چلے اور ظاہر کرے کہ طبیعت میں وقار ہے مگر حقیقت میں قلب کے اندر وقار نہ ہو بلکہ محض لوگوں کے دکھانے کو ایسا کرے تو اس کا نام ریا ہے اور اگر مخلوق کے دکھانے کا بھی خیال نہ ہو بلکہ محض غفلت و بے توجہی ہو تو اس کا نام اگرچہ ریا نہیں ہے مگر صدق بھی نہیں ہے بلکہ حالت کا دروغ اور جھوٹ ہے اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ بار الٰہا میرا باطن میرے ظاہر

صدق نیت کا درجہ

عزم کا صدق

عزم کے پورا کرنے میں صدق

صدق حال

[1] ڈگمگانا ۱۲ [2] ترمذی ۱۲

سے بہتر بنانے اور ظاہر حالت کو بھی صلاحیت عطا فرمائے" چھٹا درجہ دین کے مقامات اور مدارج میں سچائی کا ہے یعنی خوف ورجا اور محبت و رضا اور توکل و زہد وغیرہ کا وہ انتہائی مرتبہ حاصل کرے جو اسم باسمیٰ بنا دے کیونکہ ابتدائی درجوں میں ان صفات کا صرف نام ہی نام ہوا کرتا ہے البتہ انتہائی درجہ میں پہونچکر سچا خوف اور سچی محبت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ حق تعالے فرماتا ہے کہ "مومن وہی ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لائے پھر نہ کچھ شبہ کیا اور نہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان و مال سے دریغ کیا یہی لوگ سچے ہیں" غرض صدق کے ان چھ درجوں میں کامل ہو جانے سے صدیق کا لقب عطا ہوتا ہے اور جس کو ان میں سے کوئی درجہ حاصل ہو اور کوئی حاصل نہیں تو اس کو اسی مقدار کے موافق صدق کا مرتبہ حاصل ہوگا اور چونکہ صدق ہی کا درجہ یہ بھی ہے کہ قلب اللہ کو رزاق سمجھ کر اس پر بھروسہ کئے اور توکل کرے لہٰذا توکل کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ساتویں اصل توکل کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے" لوگو اگر تم ایمان دار ہو تو خدا پر توکل کرو اللہ توکل کرنیوالوں کو محبوب سمجھتا ہے اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اسکی تمام ضرورتوں کو کافی ہے اللہ کے سوا جنکی تم عبادت کرتے ہو وہ تم کو رزق نہیں دے سکتے پس رزق اللہ ہی کے پاس سے طلب کرو اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ اگر تم خدا پر پورا توکل کرو گے تو حق تعالے تم کو اس طرح رزق دیگا جس طرح پرند کو دیتا ہے یعنی بلا تعب[2] و مشقت کہ صبح کو بھوکا اٹھتا ہے اور شام کو پیٹ بھرا واپس ہوتا ہے یاد رکھو کہ جو شخص اللہ کا ہو رہتا ہے حق تعالیٰ اسکو ایسی طرح رزق پہونچاتا ہے کہ اس کا گمان بھی نہیں جاتا توکل کے معنی اس حالت کے ہیں جو حق تعالیٰ کو یکتا، فاعل مختار اور تمام صفات کمالیہ میں مستقل و دائم یکتا سمجھنے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ حالت اپنے کام کراتی ہے جن سے توکل و اعتماد ظاہر ہوا کرتا ہو لہٰذا توکل کے تین رکن ہوئے اول معرفت دوم حالت سوم اعمال۔ اب ہم تینوں کا جدا جدا ذکر کرتے ہیں رکن اول معرفت ہے یعنی توحید حق جسکا اقرار کلمہ توحید ہی ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کا ملک ہے اور اسی کی حمد و ثنا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ... مضمون کا اقرار ہو کہ حق تعالیٰ قدرت اور وجود اور حکمت میں وہ کمال رکھتا ہے جس کی ... پس جس نے صدق و اخلاص کے ساتھ اس کا اقرار کر لیا اس کے قلب میں ... توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی بشرطیکہ صدق دل سے اقرار کیا ہو اور صدق دل کے یہ معنی ہیں کہ اس اقرار کے معنی قلب پر ایسے غالب آجائیں کہ دوسرے مضمون کی اسمیں گنجائش نہ رہے دوسرا رکن حال توکل ہے اور اسکے یہ معنی ہیں کہ اپنے کام خدا کے حوالے کردو اور قلب کو مطمئن رکھو کہ غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرو یعنی ایسے ہو جاؤ کہ جیسے کسی ہوشیار و شفیق و غمخوار وکیل عدالت کو اپنے مقدمہ میں

[1] ترمذی حسن صحیح ۱۲ [2] بلا تکان اور دشواری ۱۲

وکیل بنا کر مطمئن اور بےفکر ہو جایا کرتے ہو کہ پھر کسی دوسرے کی جانب تمہارا دل ڈانواں ڈول نہیں ہوتا کیونکہ سمجھتے ہو کہ ہمارا وکیل ہر طرح عقل مند اور ہمارا خیر خواہ ہے بس ہمارے حریف کو کبھی تم پر غالب نہ ہونے دے گا اور مخالف سے اس کے سامنے بات ہی نہ کی جائے گی اسی طرح جب جانتے ہو کہ رزق اور موت و حیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سارے کام خدا ہی کے قبضہ میں ہیں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور نہ اسکی جود و سخا اور حکمت و رحمت کی انتہا ہے پھر وجہ کیا کہ اپنے قلب کو مطمئن نہ بناؤ پس اگر اتنا جان کر بھی توکل نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کا سبب دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یعنی یا تو پورا یقین ہی حاصل نہیں ہے اور نعوذ باللہ حق تعالےٰ کے رزاق و با قدرت سمیع و بصیر ہونے میں کچھ شک ہے اور یا یقین تو ہے مگر قلب پر اس علم و یقین کا اثر نہیں ہوا بلکہ ایسی حالت ہے جیسے موت کے یقین کی ہوا کرتی ہے کہ باوجودیکہ اس کا یقین حاصل اور اس کا علم ہے کہ ضرور ایک دن ہمیں مرنا اور دنیا کو چھوڑنا ہے مگر پھر بھی ایسے نڈر ہیں کہ اس کا کچھ فکر نہیں کرتے سبب اس کا صرف یہی ہے کہ قلب پر اس یقین کا پورا اثر نہیں ہے یا دوسرا سبب یہ ہے کہ تمہارا قلب پیدائشی طور پر ضعیف و کمزور واقع ہوا ہے اور خلقۃً تم بزدل ہو کہ ضعف قلب کی وجہ سے تمہارا دل ایسے اوہام کا محکوم و مطیع ہو گیا ہے جو یقیناً باطل اور محض لاشی ہیں جس طرح مردہ کے پاس اسکے بستر پر لیٹ کر سونے سے اکثر ڈر معلوم ہوا کرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ یہ مردہ ہے اور کچھ نہیں کر سکتا مگر پھر بھی اسکے پاس لیٹ کر نیند نہیں آتی اور ڈر معلوم ہوتا ہے تو یہ واہیات توہمات ہی کی اطاعت ہے جس نے ضعیف قلب کے یقین پر عمل کرنے نہ دیا مثلاً بعض آدمیوں کو شہد کے کھانے سے نفرت ہونے لگتی ہے، محض اس واہمہ سے کہ اس کا رنگ گوبر کے رنگ کے مشابہ متوہم ہوتا ہے حالانکہ اس کا یقین ہوتا ہے کہ یہ شہد ہے گوبر نہیں ہے اور محض رنگ کی مشابہت کوئی چیز نہیں ہے مگر پھر بھی اس کو کھا نہیں سکتا اور یہ وہم ہی کا اثر ہے جس سے انسان کا بچنا دشوار ہے اسی طرح ممکن ہے کہ توحید کا یقین کامل ہو اور تم کو بھی شبہ یا شک نہ ہو باایں ہمہ اسباب کے اختیار کرنے میں نفس مجبور ہو جائے اور اعتماد کامل جس کا نام توکل ہے حاصل نہ ہو سکے۔ تیسرا رکن اعمال میں۔ جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل تو محنت مزدوری اور کسب کے چھوڑ دینے کا نام ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیکار بنکر بیٹھ جائے اگر بیمار ہو تو دوا علاج نہ کرے بے سوچے سمجھے اپنے آپ کو خطرات اور ہلاکت میں ڈال دیا کرے کہ کہیں آگ میں گھس جائے اور کہیں شیر کے منہ میں ہاتھ دیدے تب متوکل کہلائے حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیاں بیان کر رہی ہے پھر بھلا جس بات کو شریعت خود حرام بتائے اسی کی رغبت اور حرص دلائے گی یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی سعی اور کوشش اکثر چار وجہ سے ہوا کرتی ہے یعنی کسی ایسی نافع چیز کے حاصل کرنے میں سعی ہوتی ہے جو حاصل نہیں ہے اور یا موجودہ نفع کی حفاظت میں سعی ہوتی ہے اور یا کسی آنیوالے ضرر کے روکنے میں

Marfat.com

اور یا موجود نقصان کے دور کرنے میں پہلی صورت سبب منفعت کہلاتی ہے اور اسکی تین سبب ہیں کہ یا تو سبب اختیار کرنے پر نفع کا حصول یقینی ہو یا اسکا غالب گمان ہو یا محض موہوم ہو یقینی کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص بھوکا ہو اور کھانا بھی اس کے سامنے رکھا ہو مگر وہ ہاتھ نہ بڑھائے اور نوالہ بنا کر منھ تک نہ لیجائے اور کہے کہ میں متوکل ہوں یا مثلاً بیٹے کا طالب ہے مگر بیوی سے جماع نہ کرے یا مثلاً غلہ کا خواہاں ہو مگر بیج کھیت میں نہ ڈالے سو ایسا خیال تو محض جہالت اور بوالہوسی ہے کیونکہ اسباب پر مسبب کا تفرع یقینی ہے جنکو حق تعالیٰ نے قاعدے کے طور پر تجویز فرما دیا ہے اور اسمیں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس اسباب کا اختیار کرنا شرعاً ضروری ہے البتہ ان اسباب میں توکل کرنیکی دو صورتیں ہیں اول اسکا خیال رکھے کہ طعام اور ہاتھ خدا کے دیئے ہوئے اور کھانیکی قدرت بھی اسی کی عطا کی ہوئی ہے اسیطرح بیج اور کھیتی کرنیکی استعداد اسی نے عطا فرمائی ہے اسیطرح بیوی اور نطفہ اور جماع کی طاقت سب اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے دوم یہ کہ ان اسباب پر بھی دل سے بھروسہ نہ ہو بلکہ دل سے خالق ہی پر بھروسہ رہے کیونکہ دل سے اسباب پر بھروسہ کرنا سراسر غلط ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ابھی ہاتھ پر اگر فالج کا اثر ہو جائے یا مثلاً کھانا زمین ہی پر گر جائے یا بیج کو کیڑا لگ جائے یا اولہ گر پڑے یا گرمی کھا جائے تو مقصود کی صورت بھی نظر نہ آئے الغرض ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھکر سعی اور کوشش کرنے اور اسباب کے اختیار کرنے میں نہ کچھ مضائقہ ہے اور نہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے دوسری حالت مسبب کے سبب پر مرتب ہونے کے متعلق غالب گمان کی تھی مثلاً جنگل کا سفر کرتے وقت توشہ ساتھ رکھنا کہ اگر توشہ نہ لیا جائے تو مر جانا یقینی تو نہیں ہے تاہم غالب گمان یہی ہے کہ زادراہ کے بغیر جنگلوں کا سفر ہلاکت ہی ہو لیے سبب کا اختیار کرنا بھی خلاف توکل نہیں بلکہ سلف کا طریقہ اور صلحا کا معمول رہا ہے البتہ اعتماد اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیئے کہ اگر زادراہ کو چوری اور ڈاکہ سے محفوظ اور گلنے سڑنے سے بچائے رکھیگا اور زندگی قائم رکھکر اسکے کھانیکی قوت کو بحال رکھیگا تو یہ کھانا استعمال میں آئیگا اور سبب قوت حیات بننے کا ورنہ کچھ بھی نہیں تیسری حالت موہوم کی ہے مثلاً زیادہ معاش کے حاصل کرنے میں حد سے زیادہ سعی دوڑ دھوپ کرنا کہ سعی زیادہ کرینگے تو مال زیادہ ملیگا یہ حالت حرص و طمع کہلاتی ہے اور اسکی بدولت بسا اوقات مشتبہ مال حاصل کرنیکی نوبت آجاتی ہے اور نیز یہ صورت توکل کے بھی خلاف ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل توکل کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں انمیں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ شہر میں نہیں رہتے یا کسب و حرفت نہیں کرتے بلکہ یوں فرمایا ہے کہ توکل والے وہ ہیں جو منتر نہیں پڑھتے اور جانوروں کو داغ نہیں دیتے اس سے معلوم ہوا کہ ایسے اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے جنپر مسبب کا مرتب ہونا محض موہوم ہو جیسے منتر پڑھنے اور داغنے سے مرض کا جاتا رہنا موہوم بات ہے اور جن اسباب سے مسبب کا حاصل ہونا موہوم نہ ہو بلکہ غالب یا یقینی ہو جیسے سفر میں توشہ رکھنا یا پیٹ

له وہ شے جو سبب ہوتی ہو ۱۲ مند مرتب ۲ ا ۲ سه یعنی مسبب کا سبب پر مرتب ہونا دل کی وہم ہو ۲ ۱۲ سه بخاری و مسلم

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے داغ کرنا مسلم وغیرہ کی روایت ہے تو مطلب یہ ہے کہ جائز تو ہے مگر بہتر نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواز بتانے کے لیے کیا تھا ۱۲ رشید وہمی ۱۲

Marfat.com

بھرنے کے لئے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانا اور چبانا وغیرہ تو یہ توکل کے خلاف نہیں ہے دوسری صورت یعنی آئندہ کے نفع کی سعی اور کوشش کرنا ہے کہ جسکو تدبیر کہتے ہیں اور منجملہ اسباب ہی کی تدبیر کے اناج بھر لینا یا آئندہ کے لئے ذخیرہ جمع رکھنا بھی ہے لیکن اگر متوکل کو مال عطا ہوا اور وہ سال بھر یا زیادہ کے لئے ذخیرہ جمع کرے تو توکل جاتا رہے گا اور اگر ایک دن کی خوراک رکھ کر باقی سب بانٹ دے تو توکل میں کامل سمجھا جائے گا اور اگر چالیس دن کا انتظام کرے تو اسمیں اختلاف ہے شیخ سہل تستری یونہی فرماتے ہیں کہ توکل کے خلاف ہے اور بعض دیگر علماء نے اسکو خلافِ توکل نہیں سمجھا۔ البتہ اگر یہ شخص عیال دار ہو تو جن متعلقین کا نان و نفقہ اس کے ذمہ ضروری ہے اُن کے لئے سال بھر کا ذخیرہ جمع کر دینا خلافِ توکل نہیں ہے ایسا تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے[۱] کہ ازواج مطہرات کو سال بھر کا نفقہ مرحمت فرما دیا ہے ہاں اپنے نفس کے لئے ہمیشہ یہ حالت رکھی[۲] کہ اگر صبح کو مل گیا تو شام کے لئے جمع کر کے نہ رکھا اور شام کو ملا تو صبح کے لئے کچھ نہ رکھا اور سال بھر سے زیادہ کا انتظام کرنا تو بی بی بچوں کے لئے بھی توکل کے خلاف ہے کیونکہ اول تو دوسرے وقت کا انتظام طول امل ہے کہ زندگی کا بھروسہ گھنٹہ بھر کا بھی نہیں ہے پھر دوسری بھوک کے لئے جمع کرنا کیسا اور یہی وجہ ہے کہ جتنا کسی کو اس طول امل سے بُعد ہوگا اسیقدر اسکا درجہ بڑھا ہوا ہوگا مگر چونکہ حق تعالیٰ کی عادتِ جاریہ یوں قرار پائی ہے کہ ہر سال اپنی مخلوق کے لئے نیا رزق اور نیا دانہ مرحمت فرماتا ہے لہذا ایک عطا سے دوسری عطا کے وقت تک کے لئے ذخیرہ فراہم رکھنے کی بضرورت عیالداری گنجائش نکل آئی کہ ضعیف لوگوں کا ساتھ ہے کہیں پریشانی لاحق نہ ہو باقی سال بھر سے زیادہ کے لئے جمع کرنا تو نہایت درجہ ضعفِ ایمان کی علامت ہے البتہ اثاث البیت[۳] یعنی برتن آبخورہ۔ لوٹا وغیرہ چونکہ ہر سال نیا پیدا نہیں ہوتا اور اسکی ضرورت ہر وقت رہتی ہے لہذا اسکے سال بھر سے زیادہ کیلئے ذخیرہ جمع کر لینے میں کچھ حرج نہیں ہے مگر کپڑے کا آئندہ سال کے لئے رکھ چھوڑنا بیشک توکل کے خلاف ہے کیونکہ اسکی ہر وقت ضرورت نہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں کام نہیں دیتا اور گرمی کا کپڑا جاڑے میں بیکار رہتا ہے اور اسی بنا پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے[۴] ایک درویش کی بابت فرمایا کہ قیامت کے دن ایسا اُٹھے گا کہ اسکا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوگا۔ لیکن اسکی عادت یہ تھی کہ جب جاڑا آتا تھا تو گرمی کے کپڑے آئندہ سال یعنی دوسری گرمی کے لئے رکھ چھوڑ کرتا تھا پس اگر یہ عادت نہ ہوتی تو اسکا چہرہ چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح دکھتا تیسری صورت یعنی موجودہ تکلیف یا آنے والے نقصان کے دفع کرنے کی کوشش کرنا ہے مثلاً درندہ کو دیکھ کر بھاگ جانا یا جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ گر نہ جائے یا مرض کا علاج کرنا کہ جاتا رہے اور صحت حاصل ہو جائے سو اس کے بھی مختلف مراتب ہیں جن کو مذکورہ بالا مضمون پر قیاس کر کے تم خود سمجھ سکتے ہو کیونکہ اسباب پر مسبب کا حصول یا یقینی ہوگا یا بظن غالب اور یا موہوم۔ اور ہر ایک کا مفصل حال تم کو معلوم ہو چکا ہے پس ہر

سال بھر سے زیادہ سامان کا انتظام اہل و عیال کیلئے بھی خلاف توکل ہے

ذخیرہ ضروریات کا سال بھر سے زیادہ جمع کرنا ضعف ایمان کی علامت ہے

[۱] بخاری و مسلم ۱۲ [۲] ترمذی ۱۲ [۳] گھر کا سامان ۱۲ [۴] قوت القلوب بسند مجہول ۱۲

Marfat.com

ضعیف القلب کو زاد راہ بغیر سفر کرنا ناجائز ہے

صورت کا حکم معلوم کرو (**فصل**) جن لوگوں کی نظر وسیع اور قلب مضبوط و مستحکم ہو اور یقین بڑھا ہوا اور اذعان قوی ہو تو ان کو تو یہی زیبا ہے کہ اگلے دن کا بھی ذخیرہ جمع نہ کریں البتہ ضعیف القلب کو زیبا نہیں کہ ان کی حرص کرے بلکہ اگر ایسی حالت ہو کہ ذخیرہ فراہم کرنے سے قلب کی پریشانی کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کے لئے اس توکل کو ترک کرنا اور ذخیرہ مہیا کرنا ضروری ہے تاکہ قلب کو فراغ و سکون حاصل ہو اور عبادت صحیح ہو کیونکہ طبیعت کے فکر و انتشار میں جس نقصان کا اندیشہ ہے اسکی اصلاح سب سے مقدم ہے ہاں جن لوگوں کو قوت ایمان اور قلبی اطمینان حاصل ہے انکو تو زاد راہ لئے بغیر سفر کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ سات روز تک بھوکے پیٹ صبر اور گھاس پات پر قناعت کر سکیں کیونکہ گھاس پات تو جنگل میں بھی ملنا غالب ہے لیکن ضعیف الایمان شخص اگر ایسا کریگا تو گنہگار ہوگا کیونکہ وہ جس صورت کو اپنے خیال میں ہلاکت سمجھتا ہے اسمیں اپنے قلب کو ڈال رہا ہے اور جان بوجھ کر اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے اسی طرح قوی الایمان شخص کو بھی پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھنا کہ وہاں نہ گھاس پات ہو اور نہ کسی بشر کا گذر ہو جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی جگہ رزق پہونچانا اگرچہ قدرت خدا میں داخل ہے مگر عادت کے خلاف ہے اور اسی لئے اگر کسی شخص کو ایسی جگہ رزق ملا ہے تو وہ اسکی کرامت کہلائی اور چونکہ بندہ کو زیبا نہیں ہے کہ آقا کو عادت کے خلاف کرنے پر مجبور کرے لہذا یہ صورت قوی الایمان کے لئے بھی جائز نہیں ہے جنگل میں توشہ لئے بغیر سفر کرنا تو اس وجہ سے جائز تھا کہ خدا کی عادت یوں جاری ہے کہ جنگل گھاس سے خالی نہ ہو اور نیز آدمیوں کا بھی وہاں اکثر گذر ہوتا ہے تو جب قوت ایمان حاصل ہے تو ایسی صورت میں ہلاکت غالب نہیں ہے لہذا مصیبت بھی نہیں ہے مگر ویران اور سوکھے پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھنا تو عادت اللہ کے توڑنے کی خواہش کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر معاش کے جلی اور واضح اسباب کی طرف سے توجہ ہٹا کر جنگل کی گھاس پر قناعت کرے اور اللہ کے لطف و حکمت پر بھروسہ ہے تو اولیٰ و انسب ہے

آٹھویں اصل محبت کا بیان

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اللہ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے اور نیک بندے اللہ سے محبت رکھتے ہیں" اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جبتک تمہارے نزدیک اللہ اور اس کا رسول ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہوگا اسوقت تک تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا۔ حضرت صدیق رض فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اللہ کی محبت کا مزہ آجاتا ہے تو اسکو دنیا کی طلب بالکل نہیں رہتی اور وہ آدمیوں سے وحشت کھانے لگتا ہے" اہل کلام و فلسفی چونکہ شئی کی محبت کے معنی نہیں سمجھے اسلئے وہ اسکے منکر ہوکر یوں کہنے لگے کہ "جس ذات کا کوئی شبیہ نہ ہو ہماری طبیعت کے ساتھ مناسبت پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ ہماری عقل اس کا پورا ادراک کر سکتی ہے لہذا اسکے ساتھ محبت کے بجز اسکے کوئی معنی نہیں کہ اسکے احکام کی تعمیل اور ارشاد کی تعمیل کیجائے" یہ بیچارے چونکہ حقیقت سے جاہل ہیں انکا خیال ہے کہ محبت اپنے ہم جنس ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے انکی فہم حقیقت الامر کو معلوم نہ کر سکی ہم اس جگہ مختصر طور پر محبت کی حقیقت بیان کرتے ہیں تاکہ اصل بات معلوم ہو سکے جاننا

سلہ روشن ۱۲ سلہ بہتر ۱۲ سلہ مضمون بخاری و مسلم ۱۲ سلہ واقعی بات ۱۲

چاہیئے کہ ہر لذیذ چیز انسان کو محبوب ہے اور محبوب ہونیکے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اسکی طرف کھنچی اور نفس اسکی جانب مائل ہوتا ہے یہی میلان طبیعت بڑھ جاتا ہے تو عشق کہلانے لگتا ہے اسی طرح کسی چیز کے ناپسند اور مبغوض ہونے کے یہ معنی ہیں کہ طبیعت اس سے منفرت کرتی ہے اور دل تکلیف پاتا ہے پس جب یہ سمجھ میں آگیا تو اب غور کر دکہ جتنی چیزیں تم اپنے حواس کے ذریعے سے ادراک کر سکتے ہو یا تو وہ تمہاری طبیعت کے موافق ہونگی اور یا مخالف اور یا ایسی ہونگی کہ نہ موافق ہیں نہ مخالف پس جو چیزیں طبیعت کے موافق ہیں وہ تو محبوب لذیذ ہیں اور جو طبیعت کے مخالف ہیں وہ مبغوض و ناگوار ہیں اور جو چیزیں نہ طبیعت کے مخالف ہیں اور نہ موافق ان میں نہ لذت آتی ہے نہ اُن سے نفرت ہوتی ہے بلکہ مساوی حالت رہتی ہے اور لذت ہمیشہ ادراک کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے مگر ادراک دو قسم کے ہیں۔

ایک ادراک ظاہری اور ایک ادراک باطنی پس ظاہری ادراک تو حواس خمسہ[۵۴] کے ذریعے ہوا کرتا ہے مثلاً آنکھ کو کسی حسین اور خوب صورت کے دیکھنے سے لذت آتی ہے اور کان کو موزوں اشعار اور خوش الحان کے گانے اور سُریلی آواز کے سننے میں مزہ آتا ہے اور زبان وناک میں چکھنے اور سونگھنے کا حس رکھا ہوا ہے مزہ دار کھانوں اور خوشبودار پھولوں میں لذت حاصل ہوتی ہے اور تمام بدن کی قوت لامسہ[۵۵] کو نرم ملائم اور نازک چیز کے چھونے میں مزہ آتا ہے اور یہی چیزیں نفس کو محبوب ہیں یعنی بالطبع نفس اُنکی جانب مائل ہوتا ہے اسی طرح انسان کو ایک چھٹا حاسہ[۵۶] اور بھی مرحمت ہوا ہے جو ادراک باطنی کہلاتا ہے اور اسکی جگہ قلب ہے اس چھٹے حاسہ کو کبھی عقل کہہ دیتے ہیں کبھی نور اور کبھی چھٹا حاسہ غرض نام جو کچھ بھی ہو مقصود یہ ہے کہ باطنی ادراک بھی حواس ظاہری کی طرح اپنے موافق اور مناسب چیز سے لذت حاصل کرتا ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[۵۷] کہ تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میری محبوب بنائی گئی ہیں یعنی خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور ظاہر ہے کہ خوشبو سے قوت شامہ کو مزہ آتا ہے اور خوبصورت عورت سے قوت باصرہ اور قوت لامسہ کو لذت حاصل ہوتی ہے مگر نماز کی لذت حواس خمسہ ظاہری میں سے کسی حاسہ کو بھی نہیں آتی ہاں اسکی لذت اسی چھٹے حاسہ کو آتی ہے جو باطنی ہے اور جس کا مقام قلب ہے اور یہی وجہ ہے کہ جس کا قلب بیکار ہے وہ نماز میں کبھی لذت نہیں پا سکتا۔ اس لذت کا ادراک سلیم القلب[۵۸] شخص ہی کو ہو سکتا ہے اور انسان کی خصوصیت اسی چھٹے حاسہ کی وجہ سے ہے ورنہ حواس ظاہری میں تو تمام حیوان مشترک ہیں چنانچہ جانوروں کو بھی اچھی صورت اور عمدہ آواز اور ذائقہ دار کھانے اور خوشبو سونگھنے اور نازک چیز کے چھونے کی رغبت ہوتی ہے البتہ انسان جس طرح ظاہری آنکھوں کی بصارت سے حسین عورتوں کی لذت حاصل کرتا ہے بصیرت سے باطنی خوب سیرتوں کا مزہ اٹھاتا ہے بشرطیکہ قلب کی آنکھوں میں بینائی بھی ہو مگر شاید تم باطنی خوب سیرتی اور اسکی لذت کو نہ سمجھ سکو کہ کیا چیز ہے لہذا میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنے

نماز کی لذت باطنی ہے جو حس باطنی کا محل قلب ہے

---

[۵۳] بغض کی ہوئی ۱۲ [۵۲] برابر ۱۲ [۵۴] پانچوں محسوس کرنے والی یعنی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چھونے اور چکھنے کی قوتیں ۱۲ [۵۵] چھونے والی ۱۲ [۵۶] محسوس کرنیوالی قدرت ۱۲ [۵۷] نسائی وطبرانی حسن ۱۲ [۵۸] عیب سے سالم دل والے

نفس کو ٹٹولو اور دیکھو کہ تمہیں انبیاء اولیاء اور صحابہ و علماء کی محبت ہے یا نہیں؟ نیز اگر بادشاہ منصف و بہادر اور سخی و عاقل اور اپنی رعیت پر مہربان ہو اور دوسرا ظالم و بزدل بخیل و ناسمجھ اور اپنی رعیت کے ساتھ سخت دل اور کڑوے مزاج کا ہو تو ان دونوں میں تمہارا دل کچھ امتیاز اور فرق کرتا ہے یا نہیں؟ اگر کرتا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ کہ ایک کی جانب تمہارا دل کھنچتا ہے اور دوسری طرف نہیں کھنچتا۔ بلکہ نفرت کرتا ہے اگر غور کروگے تو سمجھ لوگے کہ یہ وہی باطنی ادراک ہے جو باطنی خوبیوں میں لذت پا رہا ہے اسی طرح جس وقت مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شجاعت و بہادری یا ظل اللہ حضرت فاروق اکبر رضہ کی سیاست و عملداری یا خلیفۃ الحق حضرت صدیق کی سچائی و جاں نثاری کے قصے سنتے ہو تو ایک امنگ اور مسرت اور ان حضرات کیطرف ایک قسم کا ایسا میلان پیدا ہوتا ہے کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس سے زیادہ صاف بات سمجھو تو غور کرو کہ لوگوں کو اپنے مقتدائے مذہب اور صاحب شریعت امام کے ساتھ اتنا تعلق ہو جاتا ہے کہ جان اور مال کے خرچ کرنے میں انکو مطلق دریغ نہیں ہوتا حالانکہ ان کی آنکھوں نے انکی صورت بھی نہیں دیکھی اور اگر دیکھتے بھی تو شاید اتنی محبت نہ ہوتی۔ کیونکہ آنکھ کی لذت دوسری قسم کی ہے اس لذت میں اور اس لذت میں بہت فرق ہے اور اگر محبت ہوتی بھی تب بھی یہ محبت جو ان صفات حمیدہ کے ذریعہ سے ہوئی ہے محل گفتگو ہوتی کہ بتاؤ یہ لذت کس حاسہ سے ادراک کی گئی؟ ظاہر ہے کہ یہ وہی چھٹا حاسہ ہے جس کی جگہ دل میں ہے کیونکہ دل ہی تو ہے جس نے ان پیشواؤں میں وہ باتیں پائیں جن سے دل کو لذت حاصل ہوئی ہے اس کے بعد اگر ان اوصاف کو تلاش کروگے جن کی وجہ سے یہ محبت حاصل ہوتی ہے تو وہ تین وصف نکلیں گے یعنی علم اور قدرت اور بے عیب ہونا۔ کیونکہ مقتدایان دین کو اللہ اور اس کے رسول اور فرشتوں اور آسمانی کتابوں کا علم حاصل ہے اور وہ اللہ کے پیغمبروں کی شریعت کے دقائق و حقائق سے واقف ہیں دوم انھوں نے خدا کی دی ہوئی قدرت سے کام لیا کہ اپنے نفس کو مغلوب بنایا یا نفسانی شہوتوں کو مٹایا اور حق کی سیدھی راہ پر قائم اور جمے رہے اور نیز طاقت کو کام میں لاکر خدا کی مخلوق پر قبضہ کیا سیاست و ملکی انتظام سے ہزارہا میل کی آبادی کو زیر فرمان بنایا اور خدا کے برحق دین کی تلقین کرکے لوگوں کو سیدھا رستہ بتلایا اور نیز عیوب باطنی سے پاک صاف نظر آئے کہ جہالت سے بخل سے حسد و کینہ سے اور بغض و عداوت سے غرض تمام بد خلقیوں سے بے عیب اور تمام نیک عادتوں اور اخلاق حسنہ سے متصف پائے گئے۔ یہی تین اوصاف ہیں جن کی وجہ سے انمیں وہ حسن پیدا ہوا جس کو حیوانات نہیں سمجھ سکتے یہ انسان ہی کی خصوصیت ہے کہ قلب کے چھٹے حاسہ کو اس باطنی حسن کا ادراک کرنا اور اسمیں لذت پاتا ہے غرض کہ جب ان اوصاف کی وجہ سے پیشوایان مذہب اماموں کیساتھ محبت ہوگئی تو ظاہر ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کمالات بدرجہ اتم

Marfat.com

موجود ہیں لہٰذا آپ کی ذات کے ساتھ جو محبت ہوگی وہ دنیا بھر کے علماء و انبیاء سے بڑھی ہوئی ہوگی اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو رسول بنانے والی اور پیدا کرنیوالی ذات پر نظر ڈالو جس نے تم پر اتنے احسان فرمائے کہ ہزار ہا انبیاء علیہم السلام تبلیغ کے لئے بھیجے اور پھر اپنا محبوب بھی تمہاری طرف مبعوث فرمایا یہ بالکل ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علم و قدرت و تقدس کو حق تعالیٰ شانہ کے بے پایاں علم اور غیر محصور قدرت اور اوصاف کمالیہ سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہوسکتی خدا ہی کی ذات ہے جس میں کوئی عیب نام کو بھی نہیں اور اس کے سوا کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو ہر قسم کے عیب و نقص سے خالی ہو اگر کسی مخلوق میں کوئی عیب نظر نہ آوے تو عجز و احتیاج اور عبودیت غلامی بھی تو بڑا نقص ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہم میں بھی موجود ہے کیونکہ اس سے مخلوق کا کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ہے اسلئے کہ سب جانتے ہیں کہ یہ حضرات تو کھانے پینے کے بھی محتاج تھے نہ کسی کو رزق دے سکتے تھے اور نہ مار سکتے تھے نہ جلا سکتے تھے نہ فاعل[1] مختار تھے اور نہ قادر پھر قادر ذوالجلال کی قدرت اور انبیاء علیہم السلام کی قدرت میں کیا موازنہ ہوسکتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کے علم ازلی پر نظر ڈالو تو ایک بحر[2] زخار ہے کہیں اس کا کنارہ ہی نہیں کوئی ذرہ بھی اس کے علم کے احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔ آسمان و زمین عرش و کرسی لوح و قلم شجر و حجر غرض جو شے خیال و ذہن میں بھی نہیں آسکتی وہ اس علام الغیوب کے علم ازلی میں موجود ہے غرض انبیاء علیہم السلام میں جو کچھ بھی صفات نظر آرہے تھے وہ درحقیقت پرتو اور ظل[3] ہیں صفات خداوندی کا پھر جب دھوپ کی جانب باوجود اس کے عارضی اور ظل آفتاب ہونے کے تمہارا نفس میلان کرتا ہے تو اس کے مبدا[4] و مصدر یعنی آفتاب کی جانب کیوں نہ مائل ہوگا؟ اور جب مستعار صفات کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسقدر محبت ہے تو مبداء صفات یعنی حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ محبت کیوں نہ ہوگی اسپر بھی اگر تمہاری باطنی بصیرت حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا ادراک نہ کرسکے اور عشق نہ پیدا ہو تو کم سے کم اتنا تو کرو کہ اس کے احسانات و انعامات کو شمار کرو کہ وہ کس قدر ہیں اور ظاہر ہے کہ تم انکو ہرگز شمار نہ کرسکو گے تو کیا اس سے بھی گئے گذرے ہوئے کہ اس کو اپنا محسن ہی سمجھ کر محبوب سمجھو اور نفس کو اس کی جانب مائل و متوجہ کرو دنیا کی جس چیز میں بھی تم کو لذت حاصل ہوتی ہے اسکو سوچو اور غور کرو کہ اس کا دینے والا اور باقی رکھنے والا کون ہے؟ ذرا سی توجہ سے معلوم ہو جائے کہ کوئی لذت اور کوئی حظ اور کوئی مزہ اور کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جس کو حق تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا شخص دے یا دے سکے پھر کیا اپنے محسن کے ساتھ تم کو محبت نہیں ہوا کرتی اگر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کے ساتھ اصلی محبت کا ہونا ضروری اور مقدم ہے اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتوں کی طرح تم کو حق تعالیٰ کے ذاتی جلال و جمال کی وجہ سے اس کی محبت نہ ہو تو

نفس کا اور محسن کی محبت

[1] وہ کام کرنے والا جسے اس کا اختیار حاصل ہو ۱۲ [2] بہت بڑا دریا ۱۲ [3] سایہ ۱۲ [4] شروع کی جگہ اور صادر ہونے کی جگہ ۱۲؂

عام مخلوق کی طرح اسکو اپنا محسن ہی سمجھکر اس سے محبت کرو کہ اس حدیث کا منشا پورا ہو جائے جسمیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو باین وجہ کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے اور مجھ سے محبت کرو باین وجہ کہ حق تعالیٰ مجھ سے محبت فرماتا ہے"۔ یہ محبت ضعیف اور کم درجہ کی ہے کیونکہ احسانات کے کم و بیش ہونے سے محبت بھی کم و بیش ہوتی رہے گی۔ سو اس قسم کی محبت کرنے والا شخص اس غلام کی مثل ہے جو اپنے مطلب کی محبت رکھے اور باین نیت خدمت کرے کہ مزدوری ملے گی اور اپنا پیٹ بھریگا۔ اصل اور کامل محبت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ان صفات محمودہ اور جلال و جمال کی وجہ سے محبت ہو جس میں اس کی ذات لاشریک ہے اور کوئی اس کا ہم پلہ نہیں اسی لئے اللہ پاک نے حضرت داؤد علیہ السلام کی جانب وحی فرمائی تھی کہ مجھے سب میں زیادہ پیارا وہ بندہ وہ ہے جو میری عطا اور احسان کے بغیر محض حق ربوبیت[2] ادا کرنے کی غرض سے میری عبادت کرے اور زبور میں مسطور[3] ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے جنت کی طمع یا دوزخ کے خوف سے میری عبادت کی پس اگر میں دوزخ اور جنت کو نہ پیدا کرتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چند ایسے لوگوں پر گذر ہوا جو خلوت میں بیٹھے عبادت کر رہے تھے اور کہتے تھے ہم جنت کی امید رکھتے ہیں اور دوزخ کا ڈر۔ حضرت روح اللہ[4] نے فرمایا کہ تم کو مخلوق کی ہی طمع ہے اور مخلوق ہی کا خوف ہے وائے افسوس کہ خالق کے لئے کچھ بھی نہیں آگے جا کر چند دوسرے لوگوں پر گذر ہوا جو خلوت نشین تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو محض خدا کی محبت اور اس کے جلال کی عظمت کی وجہ سے اس کی عبادت کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک تم خدا کے ولی و مقرب ہو اور تمہارے ہی پاس بیٹھنے کا مجھکو امر ہے

(فصل) محبت الٰہی کی علامتیں بے شمار ہیں کہ اس کے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ ہاں بعض علامتوں کا ذکر کرنا ضروری ہے سو منجملہ ان کے یہ ہیں کہ اول انسان نفس کی خواہش پر اپنے محبوب یعنی حق تعالیٰ کے حکم کو ترجیح دیتا اور اس کی تعمیل کو سب کاموں پر مقدم سمجھتا ہے یعنی متقی و پرہیزگار رہتا اور حدود شرعیہ کا ہر وقت لحاظ رکھتا ہے۔ دوم اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شائق ہوتا ہے اور موت سے گھبراتا نہیں اور اگر زندگی چاہتا بھی ہے تو محض اس لئے کہ معرفت حق جتنی بھی زیادہ حاصل ہو اتنی ہی بہتر ہے تاکہ محبوب کے وصال میں لذت زیادہ حاصل ہو کیونکہ معرفت مشاہدہ جمال کا بیج ہے پس جتنا بیج زیادہ پڑے گا اسیقدر پیداوار بھی زیادہ ہوگی اسیطرح جسقدر معرفت کامل ہوگی اسیقدر مشاہدۂ جمال حق میں لذت زیادہ حاصل ہوگی سوم۔ حکم الٰہی و قضا و قدر پر راضی رہتا ہے کہ گوارا اور ناگوار جو کچھ بھی پیش آتا ہے اس پر زبان یا دل سے شکوہ نہیں کرتا اب مناسب ہے کہ رضا بر قضا کا بھی کچھ بیان کر دیں تاکہ انسان کو دھوکہ نہ ہو اور اس غرہ میں کہ مجکو محبت خدا حاصل ہوگئی ہے مغرور ہو کر نہ بیٹھ جائے کیونکہ محبت حق تعالیٰ کا حاصل ہونا کوئی آسان چیز نہیں ہے بلکہ نہایت دشوار ہے

۱؎ ترمذی و حاکم صحیح ۱۲ ۲؎ رب اور پروردگار ہونا ۱۲ ۳؎ لکھا ہوا ۱۲ ۴؎ حضرت عیسیٰ کا لقب ہے ۱۲۔

Marfat.com

نویں اصل رضا بر قضا

حق تعالےٰ نے مسلمانوں کی شان میں فرمایا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ خدا سے راضی ہیں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ جب کسی بندہ کو محبوب بناتا ہے تو اس کو کسی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے پس اگر وہ صابر بنا رہتا ہے تو اُس کو منتخب کرتا ہے اور اگر اس کی قضا پر راضی ہوتا ہے تو اس کو برگزیدہ کر لیتا ہے ایکبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے عرض کیا۔ یا رسول ہم مومنین مسلمین ہیں آپ نے پوچھا کہ تمہارے ایمان کی علامت کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ مصیبت پر صبر کرتے ہیں اور راحت پر شکر کرتے ہیں اور قضا پر راضی رہتے ہیں آپ نے فرمایا۔ بخدا تم سچے مومن ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی۔ کہ اے داؤد تم بھی ایک کام کا قصد وارادہ کرتے ہو اور میں بھی ارادہ کرتا ہوں مگر ہوتا وہی ہے جو میں ارادہ کرتا ہوں پس اگر تم میرے ارادہ و مشیت پر راضی رہے اور مطیع و فرمانبردار بنے تب تو میں تمہارے کہنے کی تلافی بھی کروں گا اور تم سے خوش بھی رہوں گا اور اگر میرے ارادہ پر راضی نہ ہوئے تو تم کو مشقت اور تکلیف میں ڈالوں گا اور انجام کار ہو گا ضرور وہی جو میں چاہوں گا باقی مفت کی پریشانی تمہارے سر پڑیگی (فصل) ایک فرقہ رضا کا منکر ہے اور اُس کا خیال جس کو وہ دلیل سمجھے ہوئے ہے یہ ہے کہ جو چیز اپنی خواہش کے خلاف ہوگی اس پر خوش اور راضی ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں البتہ ناگوار پر صبر ضرور ہو سکتا ہے مگر یہ خیال نا سمجھی اور قصور فہم کی علامت ہے یاد رکھو کہ جس طرح وہ لوگ محبت الٰہی کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح رضا بر قضا کی صورت کو نہیں سمجھ سکے ورنہ بلا و تکلیف پر راضی ہونا اور خواہش نفس و طبیعت کے خلاف پر خوش ہونا تین وجہ سے ممکن ہے اول دنیا کی مخلوق ہی میں دیکھ لو کہ فرط محبت اور جوش شوق میں انسان کو اکثر تکلیف اور درد محسوس نہیں ہوا کرتا چنانچہ معشوق مارتا ہے مگر اسکو تکلیف نہیں ہوتی اور محبت کا درجہ تو بلند ہے انسان کی حالت غلبۂ شہوت و غصہ کے جوش میں ایسی ہو جاتی ہے کہ بدن پر زخم آجاتا اور سر پھٹ جاتا ہے خون بہنے لگتا اور جسم لہولہان ہو جاتا ہے مگر اس وقت کچھ بھی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اسی طرح تم نے اپنی حالت پر نظر کبھی ڈالی ہوگی کہ جس وقت کسی مرغوب چیز کی ہوس اور شوق میں محو و مستغرق چلے جا رہے ہو اور کانٹا چبھ جائے تو اس وقت اسکا مطلق درد یا کرب محسوس نہیں ہوتا ہے ہاں جب غصہ رفع یا شوق ختم ہو جاتا ہے مثلاً مرغوب شے مل جاتی یا اس کے حصول میں یاس و ناامیدی ہو جاتی ہے تو اسوقت چوٹ اور کانٹا چبھنے کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے پس جب ذرا سی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے کہ تکلیف محسوس ہونے نہیں پاتی تو زیادہ محبت میں تو کسی بڑی تکلیف کا بھی حس نہ ہوگا اور جب یہ حالت دنیا میں موجود ہے کہ خون اور گوشت سے بنے ہوئے اس انسان کے عشق میں یہ حالت ہے جس کے پیٹ کے اندر منوں نجاست بھری ہوئی ہے اور صورت کی ناپائدار معمولی خوبی نے اتنا اثر پیدا کر دیا ہے کہ آنکھوں کی بینائی بھی اس قدر غلطی کرنے لگی کہ ناگوار چیز

تکلیف پر رضا و خوشی کے عقلی وجوہات اور نظائر

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ فرمانے اور تقدیر میں لکھ دینے پر رضا مند رہنا ۱۲ [2] الفردوسی تعلیقاً ۱۲ [3] حاکم صحیح ۱۲ [4] قصد ۱۲
[5] سمجھ کی کمی ۱۲ [6] تکلیف ۱۲

Marfat.com

گوارا بن گئی اور بد صورت شے خوب صورت نظر آنے لگی اور عیوب محاسن بنکر خوبیاں دکھائی دینے لگے تو حضرت جل جلالہٗ کے جمال ازلی کا عاشق اگر ناگوار کو گوارا اور ناپسند کو پسند کرنے لگے تو کیا بعید ہے حالانکہ قلب کی بصیرت تو آنکھوں کی بصارت سے ہر طرح مقدم اور اولیٰ ہے اسی بنا پر حضرت جنید بغدادیؒ نے شیخ سری سقطی سے دریافت فرمایا کہ کیا محب کو بھی بلا کی تکلیف ہوتی ہے؟ شیخ نے جواب دیا ہرگز نہیں اگر ستر مرتبہ بھی تلوار سے مارا جائے تب بھی تکلیف نہ ہو ایک عارف فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ کی محبت کے سبب مجھے اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے یہاں تک کہ اگر دوزخ کو وہ محبوب بنائے تو میں دوزخ ہی میں جانا محبوب سمجھوں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت کی وجہ سے آگ میں جلنے کی بھی تکلیف محسوس نہ ہوگی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ میرے لئے کوئی خوشی باقی نہیں رہی ہاں اگر ہے تو بس حق تعالےٰ کے قضا و قدر پر راضی ہونا رہ گیا ہے جو مجھ کو ہر وقت حاصل ہے" ایک صوفی کا حال لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انکا چھوٹا بچہ تین دن تک گم رہا ان سے کہا گیا کہ اگر آپ دعا مانگتے تو حق تعالےٰ بچہ کو لوٹا دیتا اور گمشدگی کی یہ کلفت نہ اُٹھانی پڑتی۔ انھوں نے جواب دیا کہ بچہ کے گم ہونے سے زیادہ تکلیف میرے لئے یہ تھی کہ میں حق تعالیٰ کے حکم میں اعتراض کرتا۔ دوسری وجہ قضا پر راضی ہونے کی یہ ہے کہ تکلیف کی صورت تو بے تکلیف تو محسوس ہو مگر چونکہ عقل نے اسکے بہتر انجام یعنی ملنے والے اجر و ثواب پر مطلع کر دیا ہے اسلئے طبیعت اس تکلیف کو بلا کلفت گوارا کر لیتی ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے طبیب کسی مریض کو پینے کے لئے تلخ دوا بتائے یا فصد کھلوانے کی ہدایت کرے تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس تلخ دوا کا پینا اور فصد کھلوانا تکلیف کی باتیں ہیں مگر چونکہ اس کے ساتھ ہی اسکے عمدہ نتیجہ یعنی صحت و تندرستی سے مریض کو آگاہی حاصل ہے لہٰذا وہ تکلیف دہ باتوں کے بتانیوالے طبیب سے راضی اور خوش باش اسکا احسان مند و ممنون رہتا ہے اسی طرح سوداگر اپنے سفر تجارت کی گوناگوں صعوبتوں اور مشقتوں پر راضی ہوتا ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ طبیعت ان تکالیف کو ناگوار سمجھتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس مشقت کا اچھا نتیجہ و انجام سمجھا دیا ہے اس لئے وہ ناگواری ضا و رغبت سے بدل جاتی ہے پس جب حب دنیا کے ناپائدار فائدوں کی یہ حالت ہے کہ انکی وجہ سے مشقت، مشقت معلوم نہیں ہوتی تو اُخروی سعادت کے حاصل کرنے میں بلا تکلیف اور خلاف طبع مصیبتوں پر راضی ہو جانے سے کیوں تعجب ہوتا ہے؟ ایک پارسا عورت کے ایک مرتبہ ٹھوکر لگی اور پاؤں کا ناخن کٹ کر گر پڑا۔ اس تکلیف پر بجائے ہائے واویلا مچانے کے یہ نیک بی بی مسرور ہوئی اور ہنسی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا تم کو تکلیف محسوس نہیں ہوئی؟ عورت نے جواب دیا کہ چوٹ لگنے پر جو اجر آخرت میں ملے گا اس کی حلاوت نے تکلیف کی تلخی کو چاٹ لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص سچے دل سے اسکا یقین کئے ہوئے ہے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر حق تعالیٰ کی جانب سے اجر مرحمت ہوگا اور ہر مصیبت و صدمہ پر اسقدر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلہ میں اس عارضی تکلیف کی کچھ حقیقت نہیں ہے تو وہ تکلیفوں پر مسرور مسرور[1] اور شاداں ہوگا تیسری وجہ قضا پر

[1] دونوں کے معنی ہیں خوش خوش ۱۲ منہ

Marfat.com

راضی ہونے کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے معاملات میں عجیب عجیب رموز و اسرار مخفی ہیں اور ہر واقعہ عجیبہ حادثہ جدیدہ میں ایک کیا بیسیوں لطائف مستور ہیں جن پر آگاہ ہونا صاحبان بصیرت ہی کا منصب ہے پس ان مصلحتوں و لطیفوں پر نظر کرتے تکلیف تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس عالم فانی میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور جس کو جاہل و احمق شخص تشویش و اضطراب سمجھے ہوئے ہے اور تعجب کرتا ہے اس کو صاحبانِ بصیرت سمجھ جاتے ہیں کہ یہ تعجب ایسا ہی ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ رہ کر ان واقعات کا تعجب ہوا تھا جس کا مفصل قصہ سورۂ کہف میں مذکور ہے کہ دونوں ایک کشتی میں بیٹھے تو حضرت خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ پھاڑ دیا موسیٰ تعجب کے ساتھ اعتراض کرنے لگے کہ یہ زیادتی کیوں کی؟ پھر آگے چلے تو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک نابالغ لڑکے کو مار ڈالا اسپر بھی موسیٰ علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ اعتراض کیا کہ معصوم بچہ کا خون کرنا کب جائز ہے؟ پھر آگے چلے اور ایک بستی میں پہونچے کہ وہاں کے رہنے والوں نے ان کے کھانے تک کی خبر نہ لی صبح ہونے پر دونوں اس قصبے سے نکلے ایک دیوار نظر پڑی جو جھکی کھڑی تھی حضرت خضرؑ نے اس کو سیدھا کر دیا موسیٰؑ کو پھر تعجب ہوا کہ ایسی بے مروت قوم کے ساتھ جس نے مسافروں کے خورد و نوش کی بھی خبر نہ لی مفت احسان نہ کرنا چاہیئے تھا غرض جب تین مرتبہ اعتراض ہو چکا تب حسب قرارداد حضرت خضر علیہ السلام سے مفارقت ہوگئی۔ یہ ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ان واقعات پر تعجب کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ ان اسرار و رموز سے واقف نہ تھے جو ان واقعات میں مخفی تھے چنانچہ جب خضر علیہ السلام نے موسیٰؑ کو ان کو مطلع کر دیا کہ کشتی غریب ملاحوں کی تھی اور بادشاہ وقت ظلماً صحیح و سالم کشتیوں کو ضبط کر رہا تھا لہٰذا میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ مسکینوں کی صورتِ معاش ضبط نہ ہو جائے اور وہ نابالغ بچہ جس کو میں نے قتل کیا فطرۃً بد دین پیدا ہوا تھا اور غالب اندیشہ تھا کہ بالغ ہو کر اپنے مسلمان ماں باپ کو گمراہ کریگا۔ وہ شفقت مادری و پدری کی وجہ سے اس کا خلاف نہ کر سکیں گے لہٰذا اس کا کام تمام کر دیا تاکہ اس کے بدلہ میں صابر ماں باپ کو دوسری اولاد ملے جو صالح و سعید ہو اور ذریعۂ آخرت بنے اور دیوار دو یتیم بچوں کی تھی جس کا نیک بخت باپ اس دیوار کے نیچے خزانہ دبا کر چھوڑ گیا اور اُس کو خدا کے حوالے کر مرا تھا۔ لہٰذا اس کو میں نے سیدھا کر دیا تاکہ بالغ ہو کر اپنا مال قبضہ میں لائیں اور دیوار گر جانے سے خزانہ ظاہر ہو کر حقداروں کے علاوہ دوسروں کے ہاتھ نہ لگنے پائے۔ پس اس وقت موسیٰؑ کا تعجب رفع ہو گیا۔ اسی طرح ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ جنگل میں رہتے تھے اور انھوں نے ایک گدھا پال رکھا تھا جس پر اسباب لادتے تھے اور ایک کتا رکھ چھوڑا تھا جو مکان کی حفاظت کیا کرتا تھا اور ایک مرغ پال رکھا تھا جو اذان دے کر سب کو صبح ہی جگا دیا کرتا تھا۔ اللہ کی شان ایک دن لومڑی آئی اور مرغ کو پکڑ کر لے گئی۔ اُن کی بیوی رونے لگی کہ ہائے مرغ جاتا رہا۔ شیخ نے فرمایا رو مت شاید اسی میں بہتری ہو گی۔ اس کے بعد بھیڑیا آیا اور گدھے کو مار گیا۔ اس وقت بیوی پھر رنجیدہ

حضرت خضر کے افعال بظاہر نقص (شرع) معلوم ہوتے تھے مگر حقیقت میں خوبی کا سبب تھے

Marfat.com

ہوئی تو شیخ نے کہا کہ اسی میں خیریت تھی رونے کی کوئی بات نہیں" اس کے بعد دفعتاً کتا مر گیا اور بیوی پھر غمگین ہوئی تو اُس وقت شیخ نے پھر یہی فرمایا کہ غم نہ کرو اسی میں بھلائی تھی۔ بار بار بیوی کو یہ سنکر تعجب ہوا کہ صریح نقصان ہو رہا ہے اور خاوند بھلائی بھلائی پکار رہا ہے۔ غرض صبح ہوئی تو دفعتہً غنیم کا ایک لشکر اس میدان میں لوٹنے کے لئے آ پڑا اور جتنے بھی گھروں کا اُن کو پتہ چلا سب کو لوٹ لیا اور بجز ان بزرگ اور ان کی بیوی کے سب ہی کو گرفتار اور باندی غلام بنا کر لے گئے اور مکان کا پتہ نشان دشمن کی فوج کو اسی سے چلا کہ کسی کے دروازے کا کتا آہٹ پا کر بھونکنے لگا اور کسی کا گدھا رینگ رہا تھا اور کسی کا مرغ اپنی بانگ بلند کر رہا تھا۔ اسوقت اُن بزرگ نے اپنی بیوی سے کہا دیکھا۔ اس بادیہ نشین قوم کی بربادی کا سبب آج یہی جانور بن گئے پس خدا کا کتنا فضل تھا کہ ہمارے تینوں جانور پہلے ہی مر گئے اگر آج وہ زندہ ہوتے تو ہم بھی دوسروں کی طرح دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہوتے۔ ایک نبی کسی پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے تھے اور پہاڑ کے قریب چشمہ تھا جس پر اکثر اوقات پیاسوں کی آمد و رفت رہتی تھی ایک مرتبہ ایک سوار آیا اور اس نے نقدی کی ہمیانی تو کمر سے کھول کر زمین پر رکھ دی اور پانی پینے لگا۔ اس کے بعد وہاں سے چلا گیا اور تھیلی وہیں بھول گیا تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص آیا اور تھیلی کو وہاں پڑا دیکھ کر اس کو اٹھا لیا اور لیکر چل دیا اس کے بعد ایک غریب مزدور سر پر لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے آیا اور گٹھا زمین پر ڈال کر آرام لینے کے لئے چشمہ کے کنارے بیٹھ گیا اتنے میں وہ سوار جسکی تھیلی رہ گئی تھی گھبرایا ہوا آیا اور تھیلی کو نہ پایا ادھر اُدھر دیکھا جب کوئی آدمی نظر نہ آیا تو اس بیچارے مزدور کے سر ہو گیا ہر چند اُس نے انکار کیا کہ میں نے تھیلی کو دیکھا بھی نہیں مگر سوار کو یقین نہ آیا یہاں تک کہ اُس نے تلوار کو میان سے نکالا اور غریب مزدور کی گردن اُڑا دی اسکے بعد پشت پھیری اور چلا گیا۔ یہ حال دیکھکر پیغمبر نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ بار الہا یہ نرالا واقعہ بھی کتنا عجیب ہے کہ تھیلی کوئی لے گیا اور مارا گیا کوئی۔ حکم ہوا کہ تم اپنا کام کرو تمہیں ہمارے ملکوتی اسرار میں دخل دینے کی حاجت نہیں بات یہ ہے کہ اس مزدور نے اس سوار کے باپ کو مارا تھا لہذا آج اس کا قصاص لیا گیا کہ مقتول کے بیٹے نے اپنے باپ کے قاتل کو مار دیا اور اُس سوار کے باپ نے ایک مرتبہ اس شخص کے مال میں سے ایک ہزار دینار لے لئے تھے جو کہ تھیلی لے گیا ہے لہذا آج اسکی تلافی کی گئی کہ لینے والے شخص کی میراث میں سے ایک ہزار دینار کی تھیلی اسکو دلا دی گئی غرض مطلب یہ ہے کہ جو شخص اسرار تکوینیہ[1] پر ایمان لائے ہوئے ہے وہ حق تعالیٰ کے احکام قضا و قدر پر ہرگز تعجب نہ کریگا بلکہ اپنے تعجب پر تعجب ہوگا کہ شہنشاہی مصلحتوں کے راز نہ سمجھنے پر غلام کو تعجب کیوں ہوا۔

فصل شاید تم یہ کہو کہ کافر و عاصی جو کفر و معصیت کرتے ہیں وہ بھی خدا ہی کے حکم و ارادہ سے کر رہے ہیں تو ان افعال پر راضی ہونیکے کیا معنی ہونگے جبکہ شریعت کا یہ حکم ہے کہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور کافر و عاصی کو مبغوض سمجھنا البغض فی اللہ میں داخل ہے جو شرعاً محمود ہے اصلی تم کو رضا بقضا کا مطلب سمجھاتے ہیں تاکہ خلجان باقی نہ رہے بات یہ ہے کہ امر بالمعروف فرض ہے اور اس کا چھوڑنا رضا بقضا نہیں کہلایا جاتا کیونکہ

[1] عالم وجود میں لانے کے راز ۱۲

Marfat.com

رضا اور کراہت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دو متضاد چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ظاہر ہے کہ جس کام کو تم ناگوار اور بُرا سمجھوگے اس کی نصیحت ضرور کروگے اور جس کو اچھا سمجھوگے ضرور اس سے خوش ہوگے اور ناگواری و خوشی دونوں ایک کام پر ایک حیثیت سے ہرگز نہیں ہو سکتیں البتہ دو اعتبار سے ہو سکتی ہیں مثلاً ایک شخص تمہارا دشمن ہو اور تمہارے دشمن کا بھی دشمن ہو تو اسکو قتل کرنا اس اعتبار سے گوارا اور پسند ہوگا کہ وہ تمہارا دشمن ہو مگر اس اعتبار سے ناگوار و ناپسند ہوگا کہ وہ تمہارے دشمن کا بھی دشمن ہے کیونکہ تمہارے دشمن کی بھی زندگی مطلوب نہیں ہے تاکہ وہ اپنی آزادی کی وجہ سے تمہارے دشمن کو نقصان پہونچاتا رہے اسی طرح کفر و معصیت میں بھی دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت سے ہے کیونکہ خدا کے حکم بغیر ذرہ بھی نہیں ہل سکتا پس اس اعتبار سے تو اس کو قضا و تقدیر کہتے ہیں اور اس حیثیت سے اس پر ناگواری بھی نہ ہونی چاہیے بلکہ رضا ہونی چاہیے کہ حق تعالیٰ کا جو کام بھی ہے وہ مصلحت سے ہے البتہ اسی معصیت میں دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ کفر و معصیت کافر اور عاصی شخص کا عمل اور کسب ہے اور حق تعالیٰ کے دشمن اور نافرمان ہونے کی علامت ہے پس اس اعتبار سے بیشک ناگواری و بغض ہونا چاہیے کیونکہ حق تعالیٰ نے تمکو حکم دیا ہے کہ جس بندہ پر ہماری مخالفت کی علامتیں ظاہر ہوں اس سے بغض رکھا کرو پس خدا کے حکم کی تعمیل کرنا اور کافر سے بغض رکھنا بھی حق تعالیٰ کے حکم پر راضی ہونا ہوا اسکی مثال ایسی سمجھو کہ مثلاً تمہارا پیارا معشوق تم ہی سے کہدے کہ میں تمہارے عشق و محبت کا امتحان کرونگا اور اپنے غلام کو حکم دونگا کہ وہ مجھکو گالی دے اور پھر اسکو ماروں گا کہ مجھے گالی کیوں دی تو جو شخص میرے اس غلام سے بغض رکھے گا اسکو اپنا محب اور عاشق و صادق سمجھوں گا اور جو اس سے محبت کریگا میں اس کو اپنا دشمن سمجھونگا اب فرض کرو کہ ایسا ہی ہوا یعنی غلام نے تمہارے سامنے تمہارے محبوب کو گالی دی اب تم ہی بتاؤ کہ اس غلام سے تم محبت رکھوگے یا بغض و عداوت اور جس وقت اسکی زبان سے محبوب کو گالیاں دیتے ہوئے سنوگے تو راضی ہوگے یا ناراض ظاہر بات ہے کہ گالیاں تو اس وجہ سے ناگوار ہی گذریں گی کہ ان سے تمہارے محبوب کی عزت کا ہتک ہوتا ہے اور کسی شخص کا ایسا کرنا تمہارے معشوق کے دشمن ہونے کی علامت ہے اور محبوب کا دشمن کہ جس پر دشمنی کی علامتیں بھی موجود ہوں بیشک بغض اور عداوت ہی کے قابل ہے مگر اس اعتبار سے کہ یہ تمہارے ہی محبوب کی تدبیر سابق کے موافق ظہور ہو رہا ہے کیونکہ جو کچھ غلام سے صادر ہوا ہے وہ محبوب ہی کے ارادہ اور قصد سے صادر ہوا ہے کچھ بھی ناگواری نہ ہوگی بلکہ محبوب کی قدرت کا یقین ہوگا کہ اس نے اپنے غلاموں سے جو کام بھی لینا چاہا وہ لے لیا حتیٰ کہ اپنی ہتکِ ذات کے لئے اپنے ادنیٰ غلاموں کی زبان سے گالیاں نکلوانی چاہیں تو اس میں بھی کسی کو سرتابی اور حکم کی مخالفت و عصیان کی مجال نہیں ہوئی۔ اسی طرح کافر کا کفر سمجھو کہ چونکہ حق تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے موجود ہے لہٰذا اس اعتبار سے تو ناگوار گذرنے کا سبب ہو نہیں سکتا مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ خدا کی رضامندی اس پر نہیں ہے بلکہ کفر کرنا خدا کے دشمن اور مبغوض ہونے کی علامت ہے لہٰذا اس اعتبار سے بندہ کا کفر ناگوار گذریگا اسی وجہ سے اس کو نصیحت بھی کیجاتی ہے اور تبلیغ حق بھی کیا جاتا ہے کیونکہ اپنے حقیقی

لے پردہ دری ۱۲

محبوب کا دشمن اپنا ہی دشمن معلوم ہوا کرتا ہے اسیطرح رضا بر قضا کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ دعا کا مانگنا بھی چھوڑ دو اور تیر انداز نے جو تیر تمہاری طرف پھینکا ہے باوجودیکہ اسکو ڈھال پر روک سکتے ہو مگر پھر اس کو نہ روکو اور اپنے بدن پر لگنے دو اور یوں سمجھو کہ قضا پر راضی رہنا چاہئے ایسا سمجھنا بھی جہالت اور خام خیالی ہے کیونکہ دعا مانگنے اور شر سے حفاظت و تدبیر کرنیکا تو شرعاً حکم ہے اور محبوب کے حکم سے سرتابی نہیں ہو سکتی لہذا یہاں رضا بقضا کے معنے یہی ہیں کہ حق تعالےٰ نے کسی شے کے حاصل ہونے کیلئے جو اسباب مقرر فرما دیے ہیں انکو اختیار کرو تاکہ محبوب تم کو اپنے انتظام کا پابند دیکھکر تم سے راضی ہو اور اگر اسباب کا اختیار کرنا چھوڑ دوگے تو محبوب کے مخالف اور رضائے محبوب کے دشمن کہلاؤگے مثلاً کوئی پیاسا آدمی پانی پائے مگر اسکی جانب ہاتھ نہ بڑھائے اور یوں گمان کرے کہ میں تو پیاس پر راضی ہوں کیونکہ پیاس حق تعالےٰ کے حکم اور قضا و قدر سے ہے اور قضا پر راضی رہنا چاہئے تو یہ شخص بے وقوف کہلائیگا اور اسکو سمجھایا جائیگا کہ کیا تو حق تعالےٰ کے مقرر کئے ہوئے اسباب اور عادیات جاریہ میں رخنہ ڈالتا ہے یا حدود شریعت سے باہر نکلنا چاہتا ہے تو نے جو کچھ سمجھا ہے یہ تو رضا کے ہرگز معنے نہیں ہیں رضا کے صرف یہ معنی ہیں کہ حق تعالےٰ پر ظاہر و باطن اور زبان یا دل دونوں میں سے کوئی بھی کسی حالت پر اعتراض نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی اس کے حکم کی تعمیل بھی ہو اور جو انتظام اس نے عالم کے لئے تجویز فرما دیا ہے اس سے باہر نہ نکلے شرعی احکام کا پورا پابند ہو اور جسطرح حق تعالیٰ کی مرضی ہے اسکے حاصل کرنے میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد نہ کرے مثلاً جب دعا کا حکم ہوا ہے تو ضرور ہے کہ اسکی تعمیل ہو تاکہ خشوع و خضوع اور قلب میں رقت کا اثر آئے اور وہ لیاقت و استعداد حاصل ہو جسکی وجہ سے قلب پر انوار و تجلیات کا ورود ہو سکے اسی طرح اسباب کو بھی اختیار کیا جائے تاکہ سبب حاصل ہو البتہ اگر سبب کے بعد بھی مسبب حاصل نہ ہو تو نہ کوئی خلجان پیدا ہونا چاہئے اور نہ رنجیدہ ہونا چاہئے بلکہ راضی رہے اور یوں سمجھے کہ سبب تو فی الحقیقت موثر تھا نہیں اور حق تعالےٰ کا ارادہ یوں تھا کہ یہ مسبب تجھکو حاصل نہ ہو پس قضاء و قدر خداوندی پر تجھکو راضی رہنا چاہئے لہذا اگر دعا کی باوجود وسائل و اسباب اختیار کرنے کے بھی حاصل نہیں ہوئی تو یہ میرے حق میں [illegible] شکایت کا [illegible] نہیں کیا

دسویں فصل فکر موت کا بیان

یہ نو مقامات جنکو ہم ذکر کر چکے ہیں سب یکساں رتبہ نہیں ہیں بلکہ انہیں میں بعض تو مقصود بالذات[۵] ہیں جیسے مقام رضا و محبت اور بعض مقصود بالغیر ہیں مثلاً توبہ و خوف اور صبر و زہد کیونکہ خوف و صبر در حقیقت قرب خداوندی اور یہ تمام مقامات [illegible] ہیں خود قرب نہیں ہیں کیونکہ قرب تو معرفت اور محبت سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت و محبت بھی [illegible] غیر اللہ کی محبت قطع نہ کر دی جائے اور غیر اللہ کی محبت خوف و صبر اور زہد و توبہ ہی کے ذریعہ سے قطع ہوتی ہے لہذا انکی بھی ضرورت ہوئی اور چونکہ منجملہ ان امور کے جن سے قرب حق میں اعانت حاصل ہوتی ہے موت کی یاد کرنا بھی ہے لہذا اس کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہوا کیونکہ موت کے ذکر سے دنیا کی محبت قلب سے جاتی رہتی ہے اور جب علاقہ قطع ہوگا تو حق تعالےٰ کی محبت حاصل ہوگی حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور

۵ خود ہی مقصود ہیں کسی اور کی وجہ سے نہیں ۱۲ اور خود نہیں بلکہ دوسرے کی وجہ سے مطلوب ہوگی میں ۱۲

Marfat.com

تم سے ملکر رہیگی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں[1] کہ لذتو نکی توڑنیوالی چیز یعنی موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو حضرت
عائشہ رضٰ فرماتی ہیں[2] کہ میں نے ایکمرتبہ جناب رسول اللہ صلعم سے عرض کیا یارسول اللہ حشر کے دن شہیدا کیساتھ
اور کوئی بھی اٹھیگا؟ آپنے فرمایا۔ہاں وہ شخص جو رات دن میں بیس[3] مرتبہ موت کو یاد کر لیتا ہو۔ رسول اللہ صلعم فرماتے
ہیں کہ موت کے برابر کوئی واعظ نہیں ہے یعنی نصیحت کرنے کو تنہا موت ہی کافی ہے اور اگر جانوروں[4] کو موت کا اتنا
علم ہو کہ جتنا کہ بنی آدم کو ہے تو کوئی جانور فربہ کھانیکو نہ ملے۔ میں[5] تم میں دو واعظ چھوڑے جاتا ہوں ایک واعظ
ساکت[6] یعنی موت اور دوسرا واعظ ناطق[7] یعنی قرآن مجید۔ موت بڑی ہولناک چیز ہے اور موت کے بعد کے واقعات
اس کہ زیادہ خوفناک ہیں ورانکا ذکر کرنا اور یاد رکھنا دنیا کو منغص[8] بناتا اور اس دار ناپائدار کی محبت کو دل سے
نکال لیتا ہے اور دنیا کی محبت بھی ہر گناہ کی جڑ بنیاد ہے پس جب دنیا سے قلب کو نفرت ہوگئی تو سب کچھ مل گیا اور
دنیا سے نفرت اسوقت ہوگی جبکہ موت کا فکر اور خیال ہوگا کہ عنقریب ہم پر کیا آفت آنیوالی ہے اور فکر کا طریقہ
یہ ہے کہ کسی وقت خلوت میں بیٹھ کر سارے خیالات کو دل سے نکالدو اور قلب کو بالکل خالی کر کے توجہ اور
عزم کے ساتھ موت کا دھیان کر لیا کرو۔ اوّل اپنے ان دوستوں اور اعزہ و اقارب کا تصور کرو جو دنیا سے گذر
گئے اور یکے بعد دیگرے ایک ایک کا دھیان کرتے جاؤ کہ یہ صورتیں کہاں چلی گئیں؟ یہ لوگ کیسی کیسی امیدیں اپنے ساتھ
لے گئے؟ حرص و امل نے انہیں کتنا زور دکھایا۔ جاہ و مال کی کیا کچھ تمنائیں اور آرزوئیں انکو دلوں میں تھیں مگر آج
وہ سب خاک میں مل گئے اور منوں مٹی کے نیچے دبے پڑے ہیں کہ کوئی شخص انکا کبھی نام بھی نہیں لیتا اسکے
بعد مرنیوالوں کے جسم اور بدن کا دھیان کرو کہ کیسے حسین اور نازک بدن تھے مگر اب پارہ پارہ ہوگئے
گل گئے، سڑ گئے، پھٹ گئے اور کیڑے مکوڑوں کی غذا بنگئے۔ اسکے بعد انکے اعضا اور جوارح میں سے ایک ایک
عضو کا دھیان کرو کہ وہ زبان کیا ہوئی جو کسی وقت چپ ہونا جانتی ہی نہ تھی؟ وہ ہاتھ کہاں گئے جو حرکت
کیا کرتے تھے؟ دیکھنے والی آنکھیں اور ان کے خوبصورت حلقے کس کیڑے کی خوراک بن گئے؟ غرض اسطرح
دھیان کروگے تو سعید بنجاؤگے کیونکہ رسول مقبول صلعم فرماتے ہیں[9] کہ سعید وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل
کرے افسوس کہ ہم موت جیسی ہولناک چیز سے غافل ہیں اس زمین پر کہ جس کو ہم پاؤں سے روندرہے ہیں ہم
سے پہلے سینکڑوں آئے اور چلدیئے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ یہیں رہیں گے موت کا خطرناک سفر درپیش ہے
مگر ہمیں کچھ پروا نہیں اسقدر غفلت طول امل نے پیدا کر رکھی ہے۔ اگر یہ جہالت نہ ہو تو موت کا دھیان آ
اسی لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضٰ کو نصیحت[10] فرمائی تھی کہ صبح ہو تو شام کا
فکر نہ کرو اور شام ہو تو صبح کا خیال نہ لاؤ اور دنیا میں آئے ہو تو زندگی میں موت کا سامان اور تندرستی میں
مرض کا فکر کرو کیونکہ اے عبداللہ کیا خبر ہے کل کو تمہارا کیا نام ہوگا یعنی زندہ ہوگا یا مردہ؟ جس شے کے
آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں اسکی فکر تو ہر وقت ہونی چاہیئے پس اپنی امیدوں پر خاک ڈالو اور آرزوں کو

---

[1] ترمذی و حاکم صحیح ۱۲ [2] طبرانی مگر روایت عماد والی صحیح ہے اور یہ عائشہ والی صحیح نہیں ۱۲ [3] طبرانی ۱۲ [4] کہ

بیہقی ۱۲ [5] نفع نہیں ۱۲ [6] خاموش ۱۲ [7] گویا ۱۲ [8] مکدر ۱۲ [9] اس حدیث کو شاہ ولی اللہ نے اربعین میں لیا ہے [10] ترمذی ۱۲

Marfat.com

بڑھنے نہ دو خدا جانے گھنٹہ بھر بعد کیا ہوتا ہے حضرت[1] اُسامہؓ نے سو دینار میں دو مہینے کے وعدہ پر ایک کنیز خریدی جناب رسول مقبول صلعم نے فرمایا کہ اُسامہ رضؓ کی حالت پر تعجب کرو کہ زندگی کا بھروسہ ایک دن کا بھی نہیں اور دو مہینہ کے وعدہ پر کنیز خریدی ہے یہی طول امل ہے خدا کی قسم ہے کہ میں نوالہ منہ میں رکھتا ہوں اور یقین نہیں کرتا کہ حلق سے نیچے اُتریگا۔ ممکن ہے کہ نوالہ کے کھاتے ہی اُچھو پڑ جائے۔ پھندا لگ جائے اور دم نکل جائے۔ لوگو! اگر تمہیں عقل ہو تو اپنے آپکو مردوں میں شمار کرو قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ جو کچھ وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور آنیوالا ہے اور جو آنیوالا ہے وہ بہت قریب ہے، اگر تم کو جنت میں داخل ہونے کی خواہش ہے تو دنیا کی لاطائل اُمیدوں کو کم کرو اور موت کو ہر وقت پیش نظر رکھو اور اللہ سے شرماؤ جیسا کہ شرمانے کا حق ہے انشاء اللہ تعالیٰ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

خاتمہ

جو کچھ اب تک ہم نے بیان کیا ہے اُسمیں ہم تم کو بیدار اور متنبہ کر چکے اور اللہ کی جانب چلنے کا شوق دلا چکے لیکن اگر اب بھی کان نہ لگاؤ گے یا ایسا سنو گے جیسا کہ قصہ کہانیاں سنا کرتے ہو تو اپنا ہی کچھ کھوؤ گے کسی کا کیا نقصان کرو گے حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون جسکو پروردگار کی آیتوں سے نصیحت کی گئی اور اُسنے منہ پھیر لیا اور بھول گیا کہ فردائے قیامت کے لئے کیا بھیجا؟ اور اگر توجہ کے ساتھ سنو گے اور دل سے کان لگاؤ گے تو بے شک نفع پاؤ گے اور جو چیزیں صراطِ مستقیم سے روکے ہوئے ہیں انکو چھوڑ دو گے یاد رکھو کہ سلوک سے روکنے والی چیز صرف دنیا کی محبت ہے اسی نے خدا کی طرف سے غفلت پیدا کر رکھی ہے اور کبھی قیامت و حشر کو یاد نہیں آنے دیتی۔ لہٰذا اگر روزانہ صبح کی نماز کے بعد جو کہ صفائی ذہن اور معدہ کے خالی ہونے کا وقت ہے چند منٹ تنہا بیٹھ کر اپنی حالت پر غور کیا کرو اور ابتدا و انتہا[2] مبدا و معاد کو سوچا کرو اور نفس سے حساب لیا کرو تو بہت نفع ہو اور اسکی صورت یہ ہے کہ نفس کو خطاب کرکے کہا کرو کہ اے نفس میں مسافر تاجر ہوں ابدی سعادت اور اللہ جل جلالہ کا قرب میرا منافع ہے اور دائمی بدبختی اور حق تعالےٰ سے حجاب میرا خسارہ ہے اور میری عمر میرا راس المال[3] ہے کہ ہر سال ایک بیش قیمت جواہر اور گویا بھرپور خزانہ ہے جس سے ابدی سعادت حاصل ہو سکتی ہے اور جب عمر پوری ہو گئی تو تجارت ختم ہو جائیگی اور مایوس ہونا پڑے گا۔ آج کا دن میری تجارت کا ہے اور حق تعالےٰ نے مجھے فرصت دی ہے کہ اگر چاہوں تو تجارت میں نفع اٹھاؤں اگر حق تعالےٰ مجھے دنیا سے اٹھا لیتا تو میں خواہش کرتا کہ کاش دنیا میں لوٹا دیا جاؤں اور ایک دن مجھے نصیب ہو جائے کہ کوئی نیک عمل کر لوں اے نفس وہ دن آج کا ہے جو تجھ کو خدا کی طرف سے مہلت کا عطا ہوا ہے اب تو اپنا وعدہ پورا کر اور دیکھ کہ کیا کر رہا ہے؟ اگر اس مہلت کو تو نے غنیمت سمجھا اور آج کا کام کل پر نہ رکھا تو آج کی تجارت کا منافع تجھ کو مل گیا اور حسرت نہ ہوئی اور اگر تو کل بھی زندہ رہے تو پھر یہی خیال کر غرض جب تک زندہ ہو اُس وقت تک ہر دن کو نیا سمجھ اور خدا کے عفو سے دھوکا مت کھا۔ کیونکہ یہ تیرا گمان ہی گمان ہے ممکن

[1] ابن ابی الدنیا ۱۲ [2] ابتدا و انتہا ۱۲ [3] پونجی جس سے تجارت شروع کی جائے ۱۲ ھ

Marfat.com

ہے غلط نکلی حق تعالیٰ کی معافی کچھ ضروری یا تیرا قرض نہیں ہے جس کا مطالبہ اور ایفاء واداء لازمی ہو اور اگر معافی ہوئی تب بھی نیکوکار بندوں کے ثواب سے تو محروم ہی رہے گا اور مرے پیچھے حسرت کریگا تو اس سے کیا نفع ہو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ ایک ایک سانس غنیمت اور بے بہا موتی ہے اس کے بعد اگر نفس پوچھے کہ اچھا بتاؤ۔ کیا عمل کروں اور کیونکر وقت کی قدر کروں؟ تو اسکو جواب دے کہ جو چیز موت کی وجہ سے جدا ہو جانے والی ہے اسکو چھوڑ دے اور جو شے پائدار ہے اور کسی وقت بھی تیرا ساتھ نہ چھوڑیگی اسپر قبضہ کر یعنی اللہ جل جلالہ کی معرفت حاصل کر اور خدا کی یاد سے مانوس ہو۔ پھر اگر نفس کہے کہ بھلا دنیا کس طرح چھوٹ سکتی ہے؟ اسکے علاقے تو قلب میں مضبوط و مستحکم ہو گئے ہیں اور ان کا ٹوٹنا دشوار ہے تو اسکو جواب دے کہ قلب ہی کے اندر سے دنیا کے علاقے کاٹ دے اور تلاش کر کہ دنیا کا کونسا علاقہ مستحکم ہے پس اسی کی اول جڑ کاٹ یعنی اگر مال کی محبت زیادہ ہے تو اسکو نکال اور جاہ کی طلب قوی ہے تو اسکو چھوڑ دسوں مہلک امراض کی تشریح اور علاج بیان ہو چکا ہے ان کو دیکھ اور خدا کے فضل و کرم پر بھروسہ رکھ کر مستعد ہو جا۔ کمر باندھ آمادہ ہو اور جس چیز کی نفس کو خواہش ہو اس کے خلاف کر پھر دیکھ کہ خلاصی ملتی ہے یا نہیں اے نفس تو بیمار ہے اور عمر تیرے پرہیز کا زمانہ ہے اور روحانی حاذق طبیب یعنی پیغمبر جن کی راستی و سچائی سے بھی تو آگاہ ہے یوں فرمایا ہے کہ ذائقہ اور لذتیں تجکو مضر ہیں اور پرہیز دوائیں نافع اور مفید ہیں کیا تجھ سے سفر کی مصیبت اس امید پر برداشت نہیں ہو سکتیں کہ منزل پر پہونچکر آرام نصیب ہوگا پس اگر راستہ کی تکلیف سے اکتاتا ہے تو یاد رکھ کہ قافلہ نکل جائیگا اور تو جنگل ہی میں پڑا رہے گا کہ یا تو کوئی درندہ تجھکو پھاڑ کھائے گا اور یا یوں ہی بھٹکتا ہوا ہلاک ہو جائے گا اے نفس بتا تو سہی تجھے دنیا کی کس چیز سے رغبت ہے اگر مال چاہتا ہے تو مان لے کہ اچھا وہ مل بھی گیا اور تو بڑا مالدار اور متمول سیٹھ بھی بنگیا۔ مگر پھر کیا؟ اگر تو نظر اٹھا کر دیکھے گا تو بہتیرے یہودی اور عیسائی ایسے ملیں گے جن کے پاس تجھ سے زیادہ مال موجود ہوگا اور تو عزت وجاہ کا طلبگار ہے تو اچھا فرض کر لے کہ یہ طلب اپنے ٹھکانے لگی اور تجھے عزت وجاہ حاصل بھی ہو گئی مگر آخر اس کا انجام اور حاصل کیا ہے۔ اگر آنکھیں کھول کر دیکھے گا تو سیکڑوں احمق و جاہل کافر و اللہ کے نافرمان اور ذلیل اور کمینے بندوں کو ایسے حال میں دیکھے گا کہ ان کی عزت دنیا میں تجھ سے بھی زیادہ ہو رہی ہے ان میں سے بہتیرے لوگ ایسے منصب حکومت اور مسند جلال و سلطنت پر بیٹھے نظر آئیں گے جو تجھ کو بھی قید کر کے جیلخانے پہنچا سکتے ہیں۔ پس اے نفس۔ اگر تو ان آفتوں اور مصیبتوں سے نہیں گھبراتا جو عزت وجاہ کے حاصل کرنے میں اٹھانی پڑتی ہیں اور ان بلاؤں سے بھی نہیں ڈرتا جو عزت حاصل ہوئے پیچھے سر پر پڑا کرتی ہیں تو ان ذلیل اور کمینے شریکوں ہی کا خیال کر کہ کیسے کمتر لوگوں کا ساجھی ہونا چاہتا ہے۔ کیا ایسی بے وقعت اور حقیر چیز بھی حاصل کرنے کے قابل ہے جس کو ہر خسیس سے خسیس اور رذیل سے رذیل شخص بھی حاصل کر سکتا ہے بلکہ حاصل کئے ہوئے ہے اور اتنی مقدار حاصل کئے

اپنے نفس سے مباحثہ کرنا اہل باطل فرقوں سے مناظرہ کرنے سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے

Marfat.com

ہے کہ اگر سو پچاس برس بھی کوشش کرے گا تو تجھ کو نصیب نہ ہوگا اور اے نفس اگر تو دنیا سے اعراض کر کے آخرت کی جانب متوجہ ہوگا تو یاد رکھ کہ یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ کہلائیگا تیرا ثانی ہفت اقلیم میں ڈھونڈے نہ ملے گا۔ پس اے نفس اب تو ہی بتا کہ کیا چیز حاصل کرنے کے قابل ہے؟ اے نفس خوب یاد رکھ کہ تجھ سے زیادہ تیرا خیر خواہ کوئی نہیں ہے تو کسی کے کہنے اور سننے پر نہ جانا بلکہ دنیا اور دین دونوں کے انجام اور نتیجہ میں خود غور کر کے جواب دے کہ تیری رغبت کس چیز میں ہے؟ اسی طرح اگر تم اپنے نفس سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے رہو گے تو ایک دن یہ نفس تمہارا مطیع بن جائے گا اور تم کو راہِ مستقیم پر لے چلے گا پس اگر تم عقلمند ہو تو سمجھ لو کہ نفس کے ساتھ مباحثہ کرنا بدعتیوں اور معتزلہ بلکہ دنیا بھر کے تمام مذاہب باطلہ کے ساتھ مناظرہ کرنے کی بہ نسبت زیادہ ضروری اور اہم بالشان ہے کیونکہ دوسروں کی غلطیاں اور خطائیں تمہیں کبھی نقصان پہونچانے والی نہیں ہیں اور اپنی خطا و غلطی کا ضرر اپنے ہی اوپر وبال ہے کہ اس کا بھگتنا تم ہی کو پڑتا ہے۔ پس پہلو میں بیٹھے ہوئے عدو اور خون کے پیاسے دشمن کو سب سے پہلے قتل کرنا چاہیئے اور جب اس سے نجات مل کر اطمینان حاصل ہو جائے تب دوسروں کی خبر لینی مناسب ہے کہ اس دشمن کی کبھی توجہ نہیں ہوتی بلکہ یہ جو کچھ بھی مانگتا ہے وہی اس کو دیا جاتا ہے اور جو کچھ یہ حکم دیتا ہے فوراً اس کی تعمیل کی جاتی ہے اس کی درخواستوں کے منظور اور خواہشوں کے پورا کرنے میں غور و فکر عقل کے گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں اور حیلوں اور تدبیروں سے کام لیا جاتا ہے بھلا سوچو تو سہی اگر کوئی شخص اپنے دامن کے نیچے ایک زہریلا کالا سانپ چھپائے بیٹھا ہو جو پھنکار رہا ہو اور اس کے ڈسنے اور ہلاک کرنے کی گھات میں لگا ہوا ہو۔ مگر یہ شخص اس کی تو پرواہ نہ کرے اور دوسرے شخص کے منہ سے مکھیاں اڑانے اور پنکھا جھلنے میں مشغول رہے تو اس سے زیادہ احمق اور بے وقوف کون ہو سکتا ہے۔ [illegible] ہے کہ دوسروں کے ساتھ مباحثہ کرنے اور غیروں کو سیدھے راستہ پر لانے کی فکر میں سرگرم ہو مگر اپنے نفس امارہ کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اس تباہ کرنے والے شریر دشمن دین و ایمان کو زیر کرنے کی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے خوب سمجھ لو کہ جب تک نفس کے ساتھ ایک عرصہ دراز تک اس طرح مباحثہ نہ رکھو گے اس وقت تک یہ کبھی سیدھا نہ ہوگا اور جب تک یہ سیدھا نہ ہوگا اس وقت تک نہ تم سے اللہ کی یاد ہو سکے گی اور نہ مناجات میں لذت آئے گی نہ سلوک کی طرف توجہ ہوگی اور نہ راہ مستقیم پر چلنا نصیب ہوگی۔ لہذا اس مناظرہ کو اپنے اوپر واجب و فرض سمجھو اور اکثر اوقات نفس کے ساتھ یہ مباحثہ جاری کر دیا کرو اور جب نفس تمہاری مخالفت کرے تو اس کو ڈانٹو جھڑکو اور ایسی سزا دو جو لائق [illegible] ہو کیونکہ نفس کی خاصیت کتے کی سی ہے کہ جب تک ڈنڈا نہ کھائے گا اس وقت تک ادب نہ پائے گا پھر اگر تم کو نفس کے ساتھ مناظرہ کرنے اور محاسبہ لینے یا نفس کو ڈانٹنے اور سزا دینے کا طریقہ معلوم کرنے کی خواہش ہو تو احیاء العلوم کی کتاب المحاسبہ والمراقبہ دیکھو کہ اس مختصر کتاب میں ان

Marfat.com

ابواب کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اب دعا کرو کہ حق تعالےٰ شانہٗ اپنے محبوب سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے مجھے اور تمہیں اپنی بے شمار عطاؤں سے نوازے اور کرم و فضل فرمائے جن باتوں کا اُس نے ہم کو علم عطا فرمایا ہے اس پر عمل کی توفیق بخشے اور جو کچھ ہم نے پڑھا یا سنا ہے اس کو حال بنا دے کہ اصل کیفیت ہم اپنے نفس پر گذرتی ہوئی دیکھ لیں۔ آمین یا رب العالمین ؛

تمت

الحمد للہ کہ ترجمہ ثلاثین پر نظر ثانی ہو کر اس کی اصلاح تمام ہو گئی۔ مترجم کی درخواست ہے کہ برادرانِ اسلام میں جو صاحب بھی اس سے مستفیض ہوں اور کسی درجہ میں نفع اٹھائیں وہ مترجم کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ سبحانہٗ کی رضا اور محبت نصیب ہو اور ذلت و عزت کے آخری فیصلہ کے دن اُس کے نام کی عزت باقی اور قائم رہے دنیا میں اتباعِ سنت نبویہ اور خدمت شریعت محمدیہ کی توفیق ہو اور آخرت میں جوارِ رحمتِ الٰہیہ اور نظارۂ جمالِ قدسیہ کا کیف نصیب ہو۔ آمین آمین بحرمۃ سید المرسلین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ؛

بندۂ ضعیف محمد عاشق الٰہی عمادی زبیری (مولوی فاضل) میرٹھ شہر

عاجزانہ اپیل

یہ مفید عام تصنیف پاکستان میں نایاب تھی اس لئے ضرورت تھی کہ اس کی طباعت و اشاعت کی طرف توجہ کی جائے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اس کی رحمت نے دست گیری فرمائی۔ مترجم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند سعید مولوی حافظ محمد مسعود الٰہی صاحب سلمہٗ کی اجازتِ خاص سے یہ کام مکمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ناظرین حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ عزیز موصوف کے لئے ان کے خاندان کے لئے اور بندہ کے والدین مرحومین اور اہل خاندان اور جملہ مومنین کے لئے عافیت دارین اور نجات یافتگان کے زمرہ میں شرکت کی دعا فرمائیں

کمترین محمد وجیہ الدین عفی اللہ عنہ

کراچی صدر ۳

دہم ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

برا دیکھے تو ہرگز اجازت نہ دے بلکہ اپنے ماتحت غلاموں سے اس کو پکڑوا دے مثلاً نفس اگر بے جا خواہش کرتا ہے تو غصہ کو اس پر حملہ کرنے کا حکم دے کہ وہ اس بدخواہ نادان خادم کو پا بزنجیر کر دے اور اگر غصہ بھڑکنا اور بے راہ چلنا چاہے تو شہوت کا اس پر حملہ کرائے کہ وہ اس کو ٹھنڈا کر دے اور اس کا خیال پورا نہ ہونے دے اور اگر تم نے اپنی عقل سے دریافت ہی نہیں کیا یا دریافت تو کیا مگر اس کے حکم کی سماعت و اطاعت نہ کی بلکہ اس کو خادم و تابعدار غلام بنا لیا کہ شہوت و غصہ جو کچھ کرنا چاہیں عقل ان کی ہاں میں ہاں ملا کر ان کا منشا پورا کرنے میں حیلے اور تدبیریں سوچے تو گویا تم نے قدرتی سپاہ میں دل بدل کر دیا جن میں عدل و انصاف رکھنے کا حق تعالیٰ نے حکم فرمایا تھا ان میں ظالمانہ کارروائی کی پس قیامت کے دن جب تمام اعراض کو اجسام عطا کئے جائیں گے اور شہوت نفسانی کو کتے کی اور غصہ کو گھوڑے کی صورت مرحمت ہو گی اور عقل شاہانہ لباس پائے گی تو اس وقت یہ راز کھل جائے گا اور تم کہو گے ہائے افسوس ہم نے کیسا ظلم کیا کہ بادشاہ کو گھوڑے اور کتے کے سامنے سربسجود رکھا۔ کاش! شکاری مرد کی طرح اس کتے اور گھوڑے کو بوقت ضرورت کام میں لاتے کہ بے موقع نہ ان کو بھگاتے نہ خلاف عقل ان سے کوئی کام لیتے اور نہ عقل کی ماتحتی سے ان کو باہر نکالتے بلکہ ان کو عقل کا ایسا تابعدار بنائے رکھتے کہ جہاں وہ چاہتی وہاں ان سے کام لیتی ورنہ بے کار اپنی جگہ پڑے رہتے گویا ہیں ہی نہیں

دوسری حالت یعنی جب تم کو عام مخلوق سے تعلق ہو تو اس وقت اس کا ضرور لحاظ رکھو کہ مخلوق کو تم سے کسی قسم کی ایذا نہ پہونچے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہے اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مخلوق کو نفع پہونچاؤ اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ صدیقین کا ہے کہ جن سے ایذا اٹھاؤ ان کے ساتھ سلوک اور احسان کرو کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اے علی اگر صدیقین کا درجہ حاصل کرنا چاہو تو جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے تعلق رکھو اور جو تم پر ظلم کرے تم اس کے ساتھ سلوک کرو۔ مخلوق کے حقوق قائم رکھنے میں تین باتوں کا لحاظ رکھو جن کی تفصیل یہ ہے اول جو کچھ اپنے لئے بہتر سمجھو وہی دوسروں کے لئے بہتر سمجھو کیونکہ حدیث میں ایسے شخص کے بشر حسنہ اس کا خاتمہ بالخیر ہو جائے جہنم سے محفوظ رہنے کی بشارت آئی ہے

نفس عقل اور اس پر ظلم یا انصاف کی حقیقت

مخلوق کے حقوق یعنی ہمدردی اور احسان

۱؎ سن لینا اور فرمانبرداری کرنا ۲؎ وہ چیزیں جو کسی کی تابع ہو کر موجود ہوتی ہیں خود بخود نہیں رنگ و روپ اعمال غصہ حلم وغیرہ ۳؎ مکاشفہ ۲ ۴؎ بخاری ۱۲ ۵؎ کچھ مضمون مسند احمد ۶؎ مضمون مسلم و